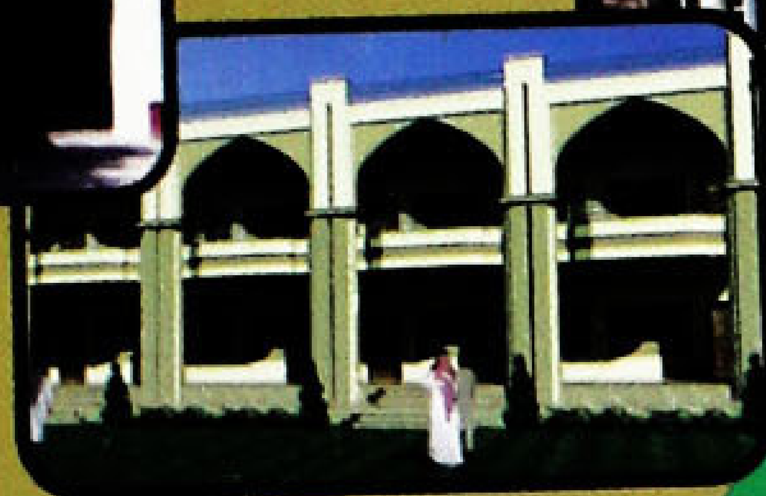

مولانا عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ

حیات و خدمات 1

ABDUR-RAHIM ASHRAF TURST

ترتیب وتدوین: ڈاکٹر زاہد اشرف

میں نے انہیں ان چند لوگوں میں سے پایا جنہیں صرف انگلیوں پر ہی نہیں گنا جاتا بلکہ ان کا وجود پاکستان اور اس کے علاوہ اس خطے کے دیگر ممالک، جن کا میں نے دورہ کیا، میں بہت قیمتی اور نادر قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایسے لوگ میری رائے میں پورے اخلاص، تن دہی، محبت و شفقت، صبر واستقلال اور قربانی کے جذبے سے سرشار، جہدِ مسلسل کو اپنا شعار بنائے رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر عبداللہ الزاید مرحوم

سابق وائس چانسلر اسلامی یونیورسٹی۔ مدینہ منورہ

☆☆☆

اس دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی ساری زندگی، اپنی تمام تر صلاحیتیں، اپنے جملہ اسباب ووسائل اور اپنی تمام تر توانائیاں اللہ تعالیٰ کی رضا، دین کی خدمت اور خدمتِ خلق کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ مولانا یقیناً انہی نایاب شخصیات میں سے تھے۔ مولانا نے نہ صرف یہ سب کچھ کیا بلکہ زندگی بھر کسی منصب کی بھی خواہش نہیں کی۔ اگر انہیں کوئی منصب پیش بھی کیا گیا تو انہوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ وہ یہ سب کچھ انتہائی بے لوث انداز میں کرتے رہے۔ ان کی دانش ورانہ سطح (Intellectual level) بہت اونچی تھی۔ وہ بہت بڑے عالم دین تھے۔ بے حد نام ور طبیب تھے۔ وہ بہت زیادہ Dynamic بھی تھے اور مستعد بھی۔ ان میں ذہنی وقلبی خصوصیات (Qualities of head and heart) کا منفرد اجتماع (Rare combination) موجود تھا۔

جناب جسٹس محمد افضل چیمہ مرحوم

سابق جج سپریم کورٹ وسابق ڈپٹی اسپیکر قومی اسمبلی

Marfat.com

مولانا عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ

حیات و خدمات ①

ترتیب وتدوین

ڈاکٹر زاہد اشرف

DATA ENTERED

مکتبہ المنبر

زیر انتظام: عبدالرحیم اشرف ٹرسٹ

جامعہ سٹریٹ، بالمقابل ستارہ ٹیکسٹائل ملز سرگودھا روڈ، فیصل آباد، پاکستان

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مکتبۃ المنبر محفوظ ہیں
297-9924
P Z
159211
1

۱۴۳۸ھ/2017ء

نام کتاب: مولانا عبدالرحیم اشرفؒ: حیات وخدمات

ترتیب وتدوین: ڈاکٹر زاہد اشرف

اہتمام: مکتبۃ المنبر (عبدالرحیم اشرف ٹرسٹ، فیصل آباد)

طبع: اوّل

طابع: عثمان، عمیر، شفیق پریس

ڈسٹری بیوٹرز

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 37320318 فیکس: 37239884
ای میل: Kitabsaray@hotmail.com

فضلی بک
فضلی بک سُپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 32212991-32629724

Marfat.com

انتساب

امی جان کے نام

جنہوں نے اپنی زندگی کے 47 برس

ابا جان ﴿مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف﴾ علیہ الرحمۃ والغفران

کی رفاقت میں کچھ یوں بتائے کہ انہیں اپنے دینی و اسلامی، دعوتی و تبلیغی، تعلیمی و تربیتی، صحافتی و ابلاغی، معاشی و معاشرتی، تحریکی و سیاسی اور طبی و کاروباری فرائض کی بجا آوری بطریقِ احسن ادا کرنے کے بھرپور مواقع میسر آتے رہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ امی جان کو صحت کاملہ و عاجلہ سے نوازیں اور ان کا سایۂ شفقت تا دیر ہمارے سروں پر سلامت رہے۔ آمین

زاھد اشرف

یکم رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ

۲۸۔ مئی ۲۰۱۷ء

Marfat.com

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ قادیانیت کے مذموم مقاصد اور خطرناک اثرات سے بخوبی آگاہ ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف فیصل آباد اور ملکی سطح پر متحرک تھے۔ دینی جماعتوں کے باہمی اختلافات کو ختم کر کے انہیں ایک پلیٹ فارم پر لانا اور دینِ مبین کو عملی زندگی میں نافذ کرنا، ان کی زندگی کا مشن تھا۔ اہلحدیث مسلک سے تعلق کے باوجود دیوبندی اور بریلوی علماءِ کرام سے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات رکھتے تھے۔ ان کی سوچی سمجھی رائے تھی کہ دینی جماعتیں تنگ نظری سے بالاتر ہو کر دینِ اسلام کے نفاذ میں بہت اہم رول ادا کر سکتی ہیں۔ ان کی باہمی چپقلش اور کشیدگی دینِ اسلام اور پاکستان کے لئے سخت مضرت رساں ہے۔

جناب سینیٹر ایم حمزہ
رکن ایوانِ بالا (سینیٹ) پاکستان

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ تقلید و تقیید کے قائل نہ تھے۔ انہوں نے ہمیشہ شعوری کوشش کی کہ ان کا مسلکی رویّہ ان کی ذات کا عنوان نہ بنے، کیونکہ وہی داعی کامیاب ہوتا ہے جس کی پیشانی صاف ستھری ہو۔ کسی خاص رنگ سے رنگین چہرہ، داعی کی بات کو بے وزن کر دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ مولانا اس معاملے میں صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً پر یقین رکھتے تھے، اور یہی یقین ان کے عمل میں بھی جھلکتا تھا۔

ڈاکٹر قاری محمد طاہر
مدیر ماہنامہ ''التجوید'' فیصل آباد

Marfat.com

ترتیب

❀ عرضِ مرتب　ڈاکٹر زاہد اشرف　9

پیغاماتِ

❀ جناب راجہ محمد ظفر الحق　21
❀ جناب میاں طفیل محمدؒ　23
❀ جناب محمد اعجاز الحق　25
❀ جناب اقبال احمد خانؒ　26
❀ جناب مولانا جان محمد عباسیؒ　27

نگارشاتِ علمائے کرام

❀ نہ دبنے والے، نہ جھکنے والے　مولانا محمد ایوب بنوریؒ　31
❀ انسانی ہمہ گیریت کا حسین مرقع　مولانا محمد اسرار الحق صدیقی قاسمی　41
❀ دل سوز و دل نواز　مولانا ارشاد الحق اثری　54
❀ ملّی شخصیت　مولانا مجاہد الحسینی　64
❀ کشادہ ذہن و سلیم الطبع　مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی　78
❀ مجاہدِ اسلام　مولانا عبدالمالک　85
❀ گوہرِ شب چراغ تھا، نہ رہا　مولانا عبدالرشید ارشدؒ　94
❀ ختم نبوت کا ایک جانباز سپاہی　مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ　101
❀ اصاغر نواز و علم پرور　مولانا عبدالقیوم حقانی　104
❀ ایک ہمہ اوصاف شخصیت　مولانا محمد یوسف انور　108
❀ دائم الذکر بزرگ　مولانا گلزار احمد　113

Marfat.com

❀ عطیہ خداوندی	مولانا حافظ فضل الرحیم اشرفی	117
❀ خداترس، فرض شناس	ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادریؒ	120
❀ معتبر اور معزز	چوہدری یٰسین ظفر	123
❀ علم بردارِ وحدت	مولانا نجیب اللہ طارق	127
❀ حیاتِ اشرف کے لازوال باب	مولانا ایاز احمد حقانی	131

نگارشات اصحابِ تعلیم

❀ ''نصف صدی کا قصہ ہے.....''	ڈاکٹر قاری محمد طاہر	135
❀ عالمِ شش جہات	پروفیسر غلام رسول تنویر	147
❀ استقامت کا کوہِ گراں	پروفیسر عبدالجبار شاکرؒ	158
❀ دانا و بینا انسان	ڈاکٹر ظہور احمد اظہر	173
❀ ایک کثیر الجہات شخصیت	ڈاکٹر زاہد منیر عامر	176
❀ دردمندِ ملتِ اسلامیہ	پروفیسر افتخار احمد چشتیؒ	179
❀ قادیانیت شکن	ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمٰن اعظمی	183
❀ ایک متحرک دینی شخصیت	پروفیسر خالد شبیر احمد	185
❀ بَلا کے متحرک	پروفیسر عارف رضا	191
❀ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ۔ ایک بہت پرانی یاد	حافظ محمد سلیمانؒ (ایم۔ایڈ)	195
❀ اپنی ذات میں انجمن	پروفیسر خلیل احمد علیم	198
❀ پیکرِ دعوت و عزیمت	ڈاکٹر سعید احمد چنیوٹی	204
❀ چھوٹی قامت کے بڑے انسان	پروفیسر عظمت اللہ خانؒ	212
❀ شعلہ بیان خطیب	مولانا محمد امینؒ	215
❀ جامع کمالات	ڈاکٹر ریاض الحق صدیقی	218
❀ علم و عمل میں بے مثال	پروفیسر محمد اسلم فارقی	220
❀ عظیم قلم کار و خطیب	محمد ضیاء الحق شیخ	223

Marfat.com

نگارشات اہلِ قلم

❀ تذکرہ ایک نابغہ و عبقری کا	جمیل اطہر	229
❀ فیصل آباد کا بانی	مجیب الرحمٰن شامی	250
❀ کامیاب مشنری	اقبال فیروز	254
❀ شب زندہ دار	ابو عمار زاہد الراشدی	260
❀ اسلامی زندگی کے پیکرِ جمیل	محمد خالد سیف	266
❀ حق گو اور جری	حکیم محمود احمد ظفر	275
❀ دینِ حق کے مخلص مبلغ	مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ	289
❀ پیکرِ عزم و ہمت	حافظ صلاح الدین یوسف	299
❀ اتباعِ رسولؐ کی تابندہ مثال	حافظ لدھیانویؒ	303
❀ بڑا آدمی	طارق چوہدری	308
❀ مردِ خدا	عبداللہ طارق سہیل	314
❀ مجاہدِ ختمِ نبوت	مولانا اللہ وسایا	320
❀ ولی اللہ	محمد سرور طارق	325
❀ میرے مربّی، میرے محسن	عبدالرشید ارشد	335
❀ نفاذِ اسلام کی خواہش مند ایک عہد ساز شخصیت	حافظ احمد شاکر	343
❀ ان کا شمار اکابرِ جماعت میں ہوتا تھا	ارشاد احمد حقانیؒ	349
❀ روشن مینار	حافظ محمد اکرام اخترؒ	353
❀ مستجاب الدعوات	قربان انجم	359
❀ عالی ظرف مشیر	پروفیسر محی الدین	363
❀ پیکرِ خلوص و محبت	کمال سالار پوریؒ	367
❀ آسمانِ علم و عمل کا درخشاں ستارہ	مولانا عبدالرحمان عاجز مالیر کوٹلویؒ	372
❀ اشرف بھی، ممتاز بھی	ادیب جاودانی	375

Marfat.com

❀ مردم شناس	عابد کمالوی	379
❀ پیکرِ علم و حکمت	عبدالستار	383
❀ تاریخ ساز و تحریک ساز	فقیر محمد ندیم باری	386
❀ متین و متدین	محمد رمضان یوسف سلفیؒ	388
❀ دینی بصیرت کے حامل	عبدالرشید غازیؒ	397
❀ شمعِ ملتِ بیضا	عبدالرشید عراقی	399
❀ دعوت الی اللہ کے پیکر	عطاء محمد جنجوعہ	405
❀ داعیِ اتحادِ اُمت	محمد یوسف نعیم	408
❀ سچے اور کھرے انسان	رانا بشیر احمد	413
❀ مشعلِ راہ	عبدالمجید خان	415

منظوم عقیدتیں

❀ تیری تھی ہر آن سنت پر نظر	حافظ لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ	419
❀ مؤرخ آبِ زر سے کارنامے ان کے لکھے گا	ارشد فارانی	420
❀ اس کے قلم سے لرزاں باطل کے سارے رنگ	پروفیسر عبدالجبار شاکرؒ	421
❀ تھا قلزمِ الفت و محبت حکیم عبدالرحیم اشرف	حکیم محمد رمضان اطہرؒ	423
❀ اک ہمہ رنگ نقشِ تابندہ	حکیم محمد رمضان اطہرؒ	424
❀ قطعہ	حکیم محمد رمضان اطہرؒ	425
❀ بسوزِ دل بچشمِ تر مگر لکھنا پڑا آخر	حکیم محمد رمضان اطہرؒ	426
❀ حکیمِ ملتِ بیضا کہیں تو بات بنے	ریاض احمد قادری	427
❀ تھا طب کا قافلہ سالار	حکیم حیدر عباسؒ	428
❀ گوہرِ نایاب	نذیر پارس	430
❀ گلشنِ اسلام کا شاداں، شگفتہ پھول تھا	نذیر رائے کوٹیؒ	431
❀ کر سکا نہ زیر کوئی وقت کا جابر اُسے	حکیم قاری سردار محمد	432

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ تصاویر کے آئینے میں

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مرتّب

کائنات کے مالکِ حقیقی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہماری اس دنیا کو اَن گنت مخلوقات سے سجایا ہے جن میں نباتات و جمادات بھی ہیں اور حیوانات بھی۔ انہی میں جنّ وانس بھی ہیں، چرند پرند بھی ہیں اور مویشی و چوپائے بھی۔ ان میں سے کسی ایک نوع کو بھی دیکھ لیجئے اللہ تعالیٰ نے اس میں تنوّع کی کئی کہکشائیں سجا رکھی ہیں۔ رنگ ونسل کے اعتبار سے بھی، اوصاف واستعداد کے حوالے سے بھی اور اخلاق و اطوار کے ناطے سے بھی۔

اپنے ہم جنس انسانوں کا جائزہ لے لیجئے، کس کس حوالے سے آپ اس تنوّع کا مشاہدہ نہیں کر پائیں گے؟ کیا آپ کو کوئی ایک شکل بھی دوسری سے سوفی صد ملتی ہوئی دکھلائی دے گی؟ اور تو اور، اربوں کھربوں انسانوں میں سے دو افراد کی انگلیوں کے نشانات بھی ایک جیسے نہیں ہوں گے۔ یہ معاملہ صرف جسمانی وضع قطع تک ہی محدود نہیں، آپ کو دو اشخاص کی سوچ کے دھارے مکمل طور پر ایک ہی سمت بہتے ہوئے دکھلائی نہیں دیں گے۔ بے شمار معاملات میں فکر کی یکسانیت رکھنے والے بھی کچھ اُمور و مسائل میں ایک دوسرے سے یکسر مختلف رائے کے حامل ہوں گے۔ اس سے ذرا آگے بڑھیئے۔ آپ اخلاق واطوار کے اعتبار سے کرۂ ارض پر بسنے والے لوگوں میں سے دو اشخاص کو بھی ہر حوالے سے ایک جیسا نہیں پائیں گے، جبکہ مزاجی اعتبار سے بنی نوع انسان کا تنوّع تو اظہر من الشمس ہے۔ استعدادِ کار کے حوالے سے بھی ہمیں صورتِ حال اس سے کچھ مختلف نظر نہیں آتی۔

انسانوں میں محض یہی تنوّع ہی نہیں پایا جاتا۔ ان میں ظاہری و باطنی حسن وقبح اور

Marfat.com

اچھائی و برائی کے حوالے سے نہ صرف واضح فرق دکھلائی دے گا بلکہ ان کی متضاد کیفیات بھی اپنے آپ کو منواتی محسوس ہوں گی، نہ صرف مختلف افراد میں، بسا اوقات آپ کو ایک ہی فرد کے اندر بھی تضادات کا انبوہِ کثیر نظر آئے گا۔ وہ کبھی بہت اچھا بھی ہوگا تو بسا اوقات بہت بُرا بھی۔ اس کی بعض عادات وخصائل کی بنا پر اس پر تحسین کے ڈونگرے برسائے جائیں گے، جبکہ بعض مزاجی کیفیات اور اس سے وقوع پذیر ہونے والے اعمال کی بنیاد پر اسے ہدفِ تنقید بھی بنایا جائے گا۔ یہ اس لئے کہ انسان میں خیر اور شر کو یک جا کر دیا گیا ہے، جس کی شخصیت اور نامہ اعمال میں خیر کا پہلو غالب آ گیا، وہ فلاح پا گیا اور جہاں شر نے غلبہ پالیا اور خیر مغلوب ہو گیا، نیک اعمال کی نسبت، بُرے کاموں کا پلڑا زیادہ بھاری بھر کم ہو گیا تو فَاُمُّهٗ هَاوِيَه. (اس کا ٹھکانہ ھاویۃ۔ تندو تیز آگ۔ ہے۔)

خیر وشر کا یہی معیار دنیا میں بھی بالعموم انسان کے مقام و مرتبہ اور قدر و منزلت کا تعین کرتا ہے۔ وہ فرد جو اپنے اللہ اور رسولؐ کا زیادہ اطاعت گزار ہوتا ہے، ان کے احکامات کی تعمیل اس کا روزمرہ بن جاتی ہے، وہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں حتی الوسع کوتاہی کا مرتکب نہیں ہوتا، وہ حقوق العباد پورے کرنے سے گریزاں نہیں ہوتا، وہ دوسروں کے لئے ہمدردی وخیر خواہی کا مرقع بنا رہتا ہے، وہ خلقِ خدا کی بھلائی کے لئے اپنے جملہ وسائل کو بروئے کار لانے سے اجتناب نہیں برتتا، ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے اس معیارِ کرامت کا سزاوار قرار پاتا ہے جسے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ کے قرآنی اصول میں بیان کیا گیا ہے۔ ایسے لوگ ہی خَيْرُ النَّاسِ اَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ (لوگوں میں سے سب سے بہتر، ان میں عوام الناس کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش لوگ ہوتے ہیں) کے فرمانِ نبویؐ کی رو سے بہتر مقام و مرتبہ کے حامل ہوتے ہیں اور انہی لوگوں کے لئے الٰہی قانون وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ کے تحت بقائے دوام لکھ دی جاتی ہے۔

والد گرامی (مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف) رحمہ اللہ تعالیٰ و غفرلہ واسکنہ فسیح جناتہ لوگوں کے ایسے ہی گروہ کے ایک ممتاز فرد تھے۔ ان کی زندگی انفرادی اور اجتماعی دونوں حوالوں سے خیر کا مرقع بنی رہی۔ تقویٰ و پرہیزگاری ان کا طرۂ امتیاز رہا۔ انہوں نے حقوق اللہ کی ادائیگی کا بھی بھرپور اہتمام کیا اور حقوق العباد کو بھی بساط بھر ادا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت

Marfat.com

نہیں کیا۔ دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے انہوں نے اپنے وجود کو جملہ افرادِ انسانیت کے لئے نفع بخش بنانے کو اپنا مقصدِ حیات بنائے رکھا۔ انہوں نے تبلیغی ودعوتی اور ابلاغی ونشریاتی سرگرمیوں کے ذریعے لوگوں کی راہ نمائی کا فریضہ بھی کما حقہ ادا کیا، اور دوسری جانب ان کی تعلیم وتربیت اور تہذیبِ نفوس کی خاطر مراکزِ علم قائم کئے، انہیں اپنے خونِ جگر سے سینچا اور اپنی حیاتِ مستعار میں تناور سایہ دار درختوں کا روپ بھی بفضلہٖ تعالیٰ بخش دیا۔

افرادِ انسانیت کے لئے ان کی نفع بخش زندگی کا ایک دوسرا حوالہ طب تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ دستِ شفا کے ذریعے نہ صرف لاکھوں انسانوں کے آلام وآزار کو کم کیا، انہیں امراض کے چنگل سے نجات دلانے میں اہم کردار ادا کیا، ان کی زندگیوں میں خوشیوں کے گلاب کھلائے بلکہ مفید ومؤثر اور خالص ادویات کی صنعت کو ایمان وعقیدہ پر استوار کرتے ہوئے نئے معیارات قائم کئے اور طبی دواسازی کی دنیا میں نئی جہات کو متعارف کروایا۔

غلبۂ خیر، تقویٰ، ہمدردی وخیر خواہی اور نفع بخشی کے انہی اوصاف نے مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف علیہ الرحمۃ والغفران کی زندگی کو روشن وتابندہ ہی نہیں بنایا، اسے کئی جہات میں لائقِ تقلید واتباع بھی۔ انہوں نے ہر میدان میں جدوجہد کی لازوال داستانیں رقم کیں، اَن تھک محنت، خلوص، لگن اور دیانت وامانت کے تابناک اصولوں پر کی جانے والی اسی جہدِ مسلسل کے ذریعے اپنے وجود کو ایسا مرکزِ نور بنا ڈالا جس سے پھوٹنے والی روشنی کی ضیاء بار کرنیں ایک عالم کو طویل مدت تک مستنیر کرتی رہیں گی۔

والدگرامی 27-28 جون 1996ء کی درمیانی شب ڈھائی بجے کے لگ بھگ دارِفانی سے رخصت ہو کر حیاتِ جاودانی کے سفر پر رواں دواں ہو گئے۔ یوں ایک ایسے عہد کا اختتام ہوا جو اپنی مثال آپ تھا، اَن گنت گوشوں پر محیط، لاتعداد زاویے لئے ہوئے، بے شمار جہات پر پھیلا ہوا۔ یہ ایسا عہد تھا جس کے امتیازات میں کئی ایک صرف اسی کی پہچان بن کر رہ گئے۔ ان کا تذکرہ آپ آئندہ اوراق پر جابجا بکھرا ہوا پائیں گے۔

....

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا

Marfat.com

کہ ان کی چھوڑی ہوئی یادگاروں میں سے ایک اہم یادگار اور ان کے ورثے کے ایک اہم جزو ''المنبر'' کی ایک ضخیم اشاعت ''تذکارِ عبدالرحیم اشرفؒ '' کے نام سے شائع کی جائے جو ان کی حیات و خدمات کے تذکرے کا کچھ یوں احاطہ کرے کہ وہ اُس پورے عہد کی ترجمان بن جائے۔ اس مقصد کے لئے مولانا علیہ الرحمہ کے احباب، رفقائے کار، ساتھیوں، اعزاء و اقارب، کئی ایک قومی و ملّی شخصیات اور ان کے بنائے ہوئے اداروں سے وابستہ گرامی قدر حضرات سے رابطہ کیا گیا، ان سے اپنی یادداشتیں قلم بند کرنے کی استدعا کی گئی۔ کئی ایک جلیل القدر شخصیات کے مفصل انٹرویو کئے گئے۔ ''تذکارِ عبدالرحیم اشرفؒ '' پر بے پناہ کام ہوا، اور سالہا سال کی محنت شاقہ کے بعد اس کے آٹھ سو کے لگ بھگ صفحات حتمی شکل میں تیار بھی ہو گئے، لیکن بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر زیورِ طبع سے آراستہ ہونا، اس کا مقدر نہ بن سکا۔ 1996ء سے 2017ء تک اس خصوصی دستاویز کی اشاعت کے لئے نرم و گرم الفاظ میں یاد دہانی کئی جہات سے ہوتی رہی۔ شکوے بھی موصول ہوتے رہے اور کاٹ دار جملے بھی، لیکن بیل منڈھے نہ چڑھ پائی۔ ہمیں بارہا یہ تجویز بھی دی گئی کہ اس کا حصہ اول شائع کر دیا جائے اور جن مضامین کے انتظار میں یہ تاریخی نمبر تاخیر کا شکار ہو رہا ہے، انہیں حصہ دوم کی زینت بنا لیا جائے۔ راقم الحروف اس تجویز کی افادیت کو تسلیم کرنے کے باوجود اس امر پر مصر رہا کہ سبھی کچھ ایک ہی مکمل جلد میں شامل ہونا چاہیے۔ سچ جانیئے تو یہی میرا خواب تھا اور میں اسے ہی شرمندہ تعبیر ہوتے دیکھنا چاہتا تھا۔ ایسا ہو پاتا تو مجھے یہ تسلی ہوتی کہ میں نے والدِ گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے اس حوالے سے اپنے اوپر عائد ہونے والے قرض کو کسی حد تک چکا دیا، لیکن دن، مہینے اور سال گزرتے گئے اور خواب کی تعبیر کے آثار بھی امکانی حدِ بصر سے ماوراء ہی محسوس ہوئے۔

....

یہاں مجھے یہ اعتراف کرنے میں بھی کوئی باک نہیں ہے کہ تذکارِ عبدالرحیم اشرفؒ کے منصۂ شہود پر آنے کی خواہش کے پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے انتظار میں، مَیں نے ابا جان علیہ الرحمہ کے حوالے سے دیگر کاموں کو پسِ پشت ڈالے رکھا۔ ان کاموں کا آغاز ضرور ہوا، لیکن ان کی تکمیل کی جانب قدم نہ بڑھ سکے۔ کئی ایک موضوعات پر ان کی تحریریں یک جا کرنے کا کام

Marfat.com

دھیرے دھیرے آگے بڑھتا رہا، ان کی کمپوزنگ بھی ہوئی، لیکن ''تذکارِ عبدالرحیم اشرفؒ'' کے انتظار میں انہیں ہدفِ منشود نہ بنایا جاسکا۔

طویل ہوتی تاخیر نے بالآخر دوسرا در کھول دیا، مولانا عبدالرحیم اشرف علیہ الرحمۃ والغفران کی مختلف موضوعات پر طبع شدہ تحریروں کو اکٹھا کر کے ان کی اشاعت کے سلسلے کا آغاز ہوا۔ اس ضمن میں اب تک تین کتب منصۂ شہود پر آچکی ہیں:

① ..... رمضان: تعمیر سیرت کا موسمِ بہار

② ..... یا عبادی

③ ..... لبیک وسعدیک

جبکہ کچھ مزید کتب کی تیاری کا کام جاری ہے۔

ان کتب کی اشاعت کا سلسلہ آغاز یک گونہ طمانیت کا باعث یقیناً رہا، لیکن تذکارِ عبدالرحیم اشرفؒ کی اشاعت میں مسلسل تاخیر ندامت و شرمندگی کا موجب بننے کے ساتھ ساتھ خود ملامتی کے احساسات کو پروان چڑھا رہی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ کئی ایک اہم شخصیات اس تذکار کی اشاعت کا انتظار کرتے کرتے ملأِ اعلیٰ کے حضور جا پہنچی تھیں اور چند ایک کے اس جملے نے تو بحرِ ندامت میں ڈبکیاں کھانے پر مجبور کر دیا کہ ''کیا اس تذکار کی اشاعت کے لئے مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے پاس ہمارے جانے کا انتظار کیا جا رہا ہے؟'' ایسے میں میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں تذکار عبدالرحیم اشرفؒ کو اجزاء میں منقسم کرنے کے مشورے کو تسلیم کروں اور اس پر عمل کر ڈالوں۔

رفقائے کار کی مشاورت سے چند ماہ قبل بالآخر یہ فیصلہ کر لیا گیا۔ اس کے نتیجے میں یہ بھی طے کیا گیا کہ اب تذکارِ عبدالرحیم اشرفؒ کے لئے تیار شدہ مواد کو المنبر کی خصوصی اشاعت کے روپ میں زیورِ طبع سے آراستہ نہ کیا جائے بلکہ ''مولانا عبدالرحیم اشرفؒ: حیات و خدمات'' کے نام سے اسے کتاب کا قالب پہنا دیا جائے، جو چار اجزاء کی صورت میں اشاعت پذیر ہو، اسی فیصلے کی رو سے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ: حیات و خدمات کا پہلا جز و نذرِ قارئین ہے۔

....

Marfat.com

چونکہ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے بارے میں نگارشات قلم بند کرنے والی شخصیات متنوع شعبوں سے تعلق رکھتی تھیں اور ہیں، اس لئے ہم نے موصولہ تحریروں اور مضامین کو انہی کے شعبوں اور طبقات کے حوالے سے منقسم کر دیا۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ: حیات و خدمات کی زیرِ نظر جلد میں ہم نے درج ذیل چار طبقات کے رشحاتِ قلم کو شامل کیا ہے:

① ..... علمائے کرام

② ..... شعبہ تعلیم سے وابستہ شخصیات

③ ..... اہلِ قلم

④ ..... شعرائے کرام

یوں تو علمائے کرام بالعموم شعبۂ تعلیم سے ہی وابستگی رکھتے ہیں، اس لئے انہیں شعبۂ تعلیم کی شخصیات سے الگ کرنا بادیٔ النظر میں عجیب سا لگتا ہے، بالخصوص مضمون نگار علمائے کرام میں سے کئی ایک دینی تعلیم و تدریس کے حوالے سے اپنی ٹھوس شناخت رکھتے ہیں۔ پھر بھی ہم نے ان کے عمومی تشخص کے ناطے انہیں علمائے کرام کے طبقے میں شمار کیا ہے، جبکہ سکول و کالج اور یونیورسٹیز کی رسمی و سرکاری تعلیم سے وابستہ حضرات کو شعبۂ تعلیم کے الگ عنوان کے تحت یک جا کیا ہے۔

وہ قابلِ قدر شخصیات جن کا ناطہ کسی طور بھی تصنیف و تالیف، صحافت اور تحریر و ابلاغ سے ہے، ان کی نگارشات کو اہلِ قلم کے زیرِ عنوان جمع کر دیا گیا ہے۔ ان میں مصنفین، جرائد و رسائل کے ایڈیٹرز اور کالم نگار حضرات شامل ہیں۔ اسی طرح دیگر ذرائع ابلاغ بالخصوص ریڈیو سے وابستہ شخصیات کے مضامین بھی اسی کا حصہ ہیں۔

مولانا عبدالرحیم اشرف علیہ الرحمہ کی وفات پر کئی ایک شعرائے کرام نے مرحوم کے لئے منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ ان سب کی نظمیں اس کتاب کے آخری حصہ میں شامل کر دی گئی ہیں۔

....

Marfat.com

زیرِ نظر کتاب بعد از تاخیر بسیار منظرِ عام پر تو آ رہی ہے لیکن راقم الحروف کے لئے یہ امر انتہائی رنج و الم کا باعث ہے کہ قطرے سے گہر ہونے تک کے عرصے میں، اس جِلد کی کئی ایک جلیل القدر مضمون نگار شخصیات اور شعرائے کرام اس دیس جا بسے جہاں مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے استقبال کے لئے پہلے سے ہی موجود ہیں۔ان کے اسمائے گرامی جناب حافظ لدھیانوی، مولانا محمد ایوب بنوری، مولانا عبدالرحمٰن عاجز مالیرکوٹلوی، پروفیسر افتخار احمد چشتی، پروفیسر عبدالجبار شاکر، مولانا محمد اسحاق بھٹی، مولانا عبدالرشید ارشد، مولانا منظور احمد چنیوٹی، ارشاد احمد حقانی، ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری، جناب عبدالرشید غازی، جناب حافظ محمد اکرام اختر، پروفیسر عظمت اللہ خان، حافظ محمد سلیمان (ایم۔ایڈ)، کمال سالار پوری، مولانا محمد امین، جناب محمد رمضان یوسف سلفی، حکیم محمد رمضان اطہر اور جناب نذیر رائے کوئی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین ہیں۔ان حضراتِ گرامی کی نگارشات پر ان کے لئے اظہارِ تشکر کے کلمات اب بے معنی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استدعا ہے کہ اُن کی مغفرتِ تامہ اِن سب کو ڈھانپ لے، اُن کی رحمتیں اِن کی لحد پر ہر آن برکھا کی صورت برستی رہیں۔ان کی قبریں جنت کا ٹکڑا بنیں اور آخرت میں یہ سب مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کی معیت میں جنت الفردوس میں صلحاء واتقیاء اور انبیاء کی ہم نشینی کے حق دار قرار پائیں۔

جن دیگر شخصیات کی تحریریں، اس جلد کا حصہ بن رہی ہیں، ان کی خدمت میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سپاس گزاری کے جذبات پیش ہیں۔مرحومین کے ساتھ ساتھ ان سب نے بھی مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف علیہ الرحمہ کی زندگی، جدوجہد، خدمات، کارہائے نمایاں اور ان کے شخصی اوصاف کو اجاگر کرتے ہوئے آنے والی نسلوں تک انہیں نہ صرف پہنچانے کا اہتمام کیا بلکہ اُن کی جہدِ مسلسل کی تابناکیوں سے ان کے قلوب واذہان کی تنویر کا بھی بندوبست کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر سے نوازیں۔

....

مولانا عبدالرحیم اشرف: حیات وخدمات ① کا مطالعہ کرتے ہوئے بسا اوقات قاری کو تکرار کا احساس ہوگا۔مرحوم کے بنائے ہوئے اداروں اور ان اداروں کی اہمیت کے تذکرے

Marfat.com

کے علاوہ ان کی جلیل القدر خدمات کے حوالے سے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہیں کہیں یکسانیت دکھلائی دے گی، لیکن قاری کو اس یکسانیت میں بھی تنوّع کا احساس ہوگا، اس لئے کہ ہر صاحبِ تحریر کا اندازِ بیان جداگانہ بھی ہے اور موضوع کے حوالے سے اس کی معلومات و مشاہدات کسی حد تک ایک دوسرے سے مختلف بھی، جو یقینی طور پر تکرار کو بارِ خاطر نہیں بننے دیں گی۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ: حیات وخدمات کی یہ پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کی مزید تین جِلدیں، ان شاء اللہ العزیز جلد ہی زیورِ طبع سے آراستہ ہوں گی۔ جِلد دوم ان انٹرویوز پر مشتمل ہوگی جو راقم الحروف نے مختلف قومی و ملّی اور ملکی وغیر ملکی شخصیات سے اندرونِ و بیرونِ ملک کیے۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

①..... مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ تعالیٰ

(مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے دیرینہ ساتھی اور رفیق کار، سابق قائم مقام امیر جماعت اسلامی۔ سابق استاذ الحدیث مدینہ یونیورسٹی، سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل)

②..... جناب مصطفیٰ صادق رحمۃ اللہ علیہ

(سابق مدیر معاون ہفت روزہ المنبر۔ سابق بانی و چیف ایڈیٹر روزنامہ وفاق۔ سابق وفاقی وزیر۔ سابق صدر آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی)

③..... جناب جسٹس (ر) محمد افضل چیمہ علیہ الرحمۃ

(سابق ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی، سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل، سابق جج سپریم کورٹ، سابق وفاقی سیکرٹری قانون، سابق سیکرٹری جنرل رابطہ عالمِ اسلامی، ایشیائی برانچ)

④..... جناب راجہ محمد ظفر الحق

(سابق وفاقی وزیر اطلاعات و مذہبی اُمور۔ سابق پاکستانی سفیر برائے مصر۔ چیئرمین پاکستان مسلم لیگ (ن)۔ قائد ایوان سینٹ آف پاکستان)

⑤..... جناب ڈاکٹر عبداللہ الزائد غفراللہ له

(سابق وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی۔ سابق رجسٹرار المعهد العالی للقضاء، ریاض۔ سابق مدیر المعهد العالی للدعوة الاسلامیة، ریاض۔ سعودی عرب)

Marfat.com

⑥.....جناب ڈاکٹر محمد راشد رندھاوا

(سابق چیئرمین بیت المال پاکستان۔ممتاز ماہرِ امراض قلب و ذیابیطس)

⑦.....جناب ڈاکٹر ف عبدالرحیم

(ممتاز ماہرِلسانیات۔سابق استاذ مدینہ یونیورسٹی وصدر شعبہ تدریس اللغة العربية لغير الناطقين بها۔ڈائریکٹر مجمع الملك فهد۔مدینہ منورہ)

⑧.....جناب قاری عبدالقوی عبدالمجید علیہ الرحمۃ

(سابق استاذ مدینہ یونیورسٹی۔ممتاز قاری۔مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے قریبی ساتھی)

⑨.....جناب حکیم سید ظل الرحمٰن

(سابق صدر شعبہ وڈین شعبہ علم الادویہ علی گڑھ یونیورسٹی۔شہرہ آفاق طبی مصنف ومحقق)

⑩.....اہلیہ محترمہ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ

⑪.....جناب حافظ محمد احمد (برادرِ اصغر مولانا علیہ الرحمہ)

ان انٹرویوز میں مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات کے بہت سے زاویوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس جِلد میں ایک عہد کی تاریخ سمٹ آئے گی۔ان میں سے ہر انٹرویو اپنی جگہ پر معرکۃ الآراء اور اس کے مشمولات تاریخی معلومات کا خزانہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ: حیات وخدمات کی تیسری جِلد اداراتِ اشرف سے کسی بھی حیثیت میں وابستہ حضرات کی نگارشات اور شعبۂ طب سے منسلک حضرات کے مضامین پر مشتمل ہے۔قومی وملّی شخصیات کے تاثرات و مشاہدات بھی اس کا حصہ ہوں گے۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ: حیات وخدمات کی چوتھی جِلد عمومی طور پر مرحوم کے اہلِ خانہ کے تاثرات ومشاہدات پر مبنی نگارشات پر مشتمل ہوگی۔اس میں ان کی حیات وخدمات کے علاوہ ذاتی زندگی کے روشن پہلوؤں کا تذکرہ بھی ہوگا اور ان شخصی اوصاف کا ذکر بھی، جو کسی اور جِلد میں آپ کو نہیں مل پائیں گے۔اس جِلد کے اوراق پر آپ کو اباجان علیہ الرحمہ کے وجود کے اردگرد بنی ہوئی قوسِ قزح کا ہر رنگ بکھرا ہوا دکھلائی دے گا، یہی رنگ شخصیت کے حسن و

Marfat.com

جمال کو حِسّی صورت میں اجاگر کریں گے اور شخصی رعنائی کے دل موہ لینے والے انداز، پیکرِ مجسم کی صورت آپ کے سامنے جلوہ گر ہوں گے۔ اباجان علیہ الرحمہ کی چند نمائندہ معرکۃ الآراء تحریریں بھی اسی جِلد کا حصہ ہوں گی۔

....

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ: حیات و خدمات ① کی تکمیل پر میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر بجالاتا ہوں، یہ محض ان کی توفیق سے ہی ممکن ہوا کہ میں اس معرکۃ الآراء دستاویز کا حصہ اول نذرِ قارئین کرسکوں جو ایک عہد کی ترجمان بھی ہے اور ایک عظیم شخصیت کے پیکرِ جمال کا مرقع بھی۔ اس دستاویز کی تکمیل کے دوران مشاورتی عمل میں راہ نمائی فراہم کرنے پر مَیں جناب محمد طارق اشرف، جناب حکیم حامد اشرف، جناب حکیم منصور العزیز، جناب مجاہد منصوری اور جناب جنید طارق کا سپاس گزار ہوں جبکہ مشاورتی اور عملی معاونت کے لئے جناب محمد سلیم جباری کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جناب خالد اقبال اور جناب رفاقت علی نے کمپوزنگ کے کام کو جس محنت اور لگن سے سرانجام دیا ان کا بھی شکرگزار ہوں۔ خوب صورت خطاطی بین الاقوامی شہرت کے حامل ملک کے مایہ ناز خطاط جناب حافظ انجم محمود کا شاہ کار ہے جبکہ دیدہ زیب ٹائٹل جناب عتیق الرحمٰن کی کاوشوں کا پَرتَو۔ ان دونوں کے لئے راقم الحروف کلماتِ سپاس کا ہدیہ پیش کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صدقِ دل سے یہ استدعا ہے کہ وہ اس کاوش کو مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف علیہ الرحمہ کے حق میں ایک گواہی کے طور پر شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے ان کے درجات کو بلند کریں اور جنت الفردوس میں انہیں بلند تر مقام عطا کرتے ہوئے انبیاء و رسل اور صلحاء و اتقیاء کی معیت نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے ہم سب کے لئے بھی توشۂ آخرت بنائیں اور قارئینِ کرام کے لئے نفع رسانی کا ذریعہ۔ آمین یارب العالمین۔

ڈاکٹر زاہد اشرف

Marfat.com

پیغامات

Marfat.com

Marfat.com

جناب راجہ محمد ظفر الحق

چیئرمین پاکستان مسلم لیگ (ن)

قائد ایوانِ بالا (سینیٹ)

یہ امر نہایت خوش آئند ہے کہ آپ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات کو آنے والی نسلوں کے لئے کتابی شکل میں محفوظ کرنے کا اہتمام کر رہے ہیں۔

مولانا علیہ الرحمہ سے میرا رابطہ 1981ء میں اس وقت ہوا جب وفاقی وزارتِ اطلاعات میرے سپرد کی گئی۔ پہلی ہی ملاقات میں، میں نے محسوس کیا کہ دینی علم کے ساتھ ساتھ ان میں اظہار کا سلیقہ بھی پایا جاتا ہے، نہ صرف سیاسی صورتِ حال کے حوالے سے ان کا تجزیہ بڑا گہرا ہوتا ہے بلکہ وہ کسی بھی الجھے ہوئے مسئلے کا تجزیہ کرتے ہوئے نہایت سلیس زبان میں اسے بیان کرنے کا ملکہ بھی رکھتے ہیں۔

بعد ازاں مولانا عبدالرحیم اشرف علیہ الرحمہ سے ایک طویل عرصے تک رابطہ رہا اور ان سے کئی ایک امور پر مسلسل مشاورت رہی، اس دوران میں نے ان میں کام کرنے کا بے حد مثالی جذبہ پایا۔ وہ مشاورت سے آگے بڑھ کر تنفیذ کے قائل تھے۔ وہ مشورہ دینے کے بعد گھر جا کر بیٹھ جانے والوں میں سے نہیں تھے بلکہ وہ مسلسل پیچھا کرتے تھے تاکہ پیش رفت دکھلائی دے۔

مولانا مرحوم ملک میں نفاذِ اسلام کے لئے ہمہ وقت مصروفِ عمل رہا کرتے تھے، انہوں نے اس کام کو اپنی زندگی کا مشن قرار دے رکھا تھا، وہ اسے تدریجی انداز میں پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتے تھے، البتہ اس راستے کی تمام تر رکاوٹوں کا خاتمہ کرنے کے لئے وہ ہمہ وقت مستعد رہا کرتے تھے۔

Marfat.com

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ طبِ اسلامی کی ترقی کے لئے بھی ہر آن جدوجہد میں مصروف رہتے تھے۔ انہوں نے اطباء کو بہتر مقام دلوانے کی جدوجہد کی۔ ان کی کاوشیں صرف اپنے اداروں تک محدود نہیں رہتی تھیں، وہ دیگر اداروں کو بھی پروان چڑھانے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بات میں اثر بھی تھا اور ہر طبقے میں ان کا بے پناہ احترام بھی پایا جاتا تھا۔

مختلف میدانوں میں مولانا علیہ الرحمہ کی اَن تھک جدوجہد مستقبل میں تابناکیاں بکھیرتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہر آن اُن کی لحد پر برسیں اور جنت الفردوس میں انبیاء وصلحاء کی معیت انہیں نصیب ہو۔ آمین

۱۵۹۲۱۱

Marfat.com

جناب میاں طفیل محمد مرحوم
سابق امیر جماعت اسلامی، پاکستان
سابق صدر ادارہ معارف اسلامیہ، پاکستان

میرے لئے یہ اطلاع بڑی خوش آئند اور باعثِ مسرّت ہے کہ آپ محترم مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ صاحب مرحوم کی یاد تازہ کرنے اور اسے دوام دینے کے لئے پندرہ روزہ رسالہ المنبر کا ایک نمبر مرتب اور شائع فرما رہے ہیں، تاکہ حکیم صاحب مرحوم نے زندگی کے مختلف شعبوں میں جو مفید اور تادیر یاد رہنے والی یادگاریں چھوڑی ہیں، ان کو محفوظ کر دیا جائے۔ یہ بڑی نیکی اور آپ کے لئے اجر و ثواب کا اور خود حکیم صاحب مرحوم کے لئے بھی صدقۂ جاریہ کا کام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ صاحب سے میرا پہلا تعارف اور پھر کبھی نہ ختم ہونے والا تعلق غالباً 1945ء میں ان کے آبائی گاؤں ویرووال تحصیل ترن تارن ضلع امرتسر میں ہوا، جب میں ان کی دعوت پر ان کے گاؤں، ان کے گھر گیا۔ ایک بڑے سے کچے کوٹھے (کمرے) کے طاقوں میں انہوں نے دوائی کی چند شیشیاں سجا رکھی تھیں اور وہ دھوتی اور قمیض میں ملبوس اور سر پر کپڑے کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے اور میری ہی طرح بالکل نوجوان تھے۔ اُن سے یہ ملاقات اور ان کا یہ نقشہ میرے ذہن پر ہمیشہ نقش رہا ہے اور آج بھی اسی طرح ذہن پر نقش ہے۔ اس ملاقات کے بعد ان سے یہ تعلق بڑھتا اور گہرا ہوتا گیا اور ان کی نیکی، تقویٰ، اخلاص، خدا پرستی اور خدا ترسی کے بارے میں مجھے کبھی شک نہیں ہوا۔ 1957ء میں جماعتِ اسلامی سے علیحدگی کے باوجود بھی ان کے اخلاص کے بارے میں میری رائے میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ 1957ء میں جو کچھ جماعتِ اسلامی میں ہوا، شاید مشیّتِ الٰہی اور لوگوں کی آزمائش کے لئے ہی تھا۔ اس سانحہ کے نتیجہ میں، جماعتِ اسلامی اپنے نو سو پینتیس ارکان میں سے جن پندرہ ارکان سے محروم ہوگئی، ان میں سے جو پانچ چھ نمایاں حضرات تھے، ان میں جماعتِ

جناب میاں طفیل محمد علیہ الرحمہ 24 جون 2009ء کو رحلت فرما گئے۔

Marfat.com

اسلامی سے علیحدگی کے بعد مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کا طرزِ عمل سب سے معقول اور بہتر رہا۔ وہ جماعت سے علیحدگی کے بعد اپنے فنِ طبابت کو ترقی دینے اور دوسرے تعلیمی اور تعمیری کاموں میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ، جامعہ طبیہ اسلامیہ، اشرف لیبارٹریز، پندرہ روزہ المنبر اور ماہنامہ ''راہنمائے صحت'' ان کی سرگرمیوں، مسلسل محنت اور مثبت کارکردگی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

یہ امر واقعہ ہے کہ حکیم عبدالرحیم اشرف صاحبؒ ایک فرد نہیں، اپنی ذات میں ایک ادارہ اور انجمن تھے اور انہوں نے زندگی کے ہر میدان، انفرادی، اجتماعی، دینی، سیاسی، تعلیمی و معاشرتی، تبلیغی، صحافتی اور علمی میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ تحریکِ ختمِ نبوتؐ اور پاکستان کو اسلامی نظامِ زندگی سے ہمکنار کرنے کے سلسلہ میں بھی انہوں نے بھرپور حصہ لیا۔ جنرل محمد ضیاء الحق شہید کی مجلس شوریٰ کے بھی وہ رکن رہے ○ اور اس دوران میں جن لوگوں نے جنرل صاحب کا ذہن اسلام کے بارے میں صاف کرنے کے لئے کام کیا، ان نمایاں حضرات میں حکیم عبدالرحیم اشرف صاحبؒ بھی شامل تھے۔ حکیم صاحب کی ذاتی شرافت اور معقولیت کا اس امر سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ 1957ء میں جماعت کی پالیسی سے اختلاف کر کے اس سے علیحدگی اختیار کرنے والے پندرہ حضرات میں جو چھ سات نمایاں حضرات تھے ان میں مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ مرحوم وہ تھے جنہوں نے جماعتِ اسلامی سے اختلاف کرتے ہوئے کوئی بدنما صورت اختیار نہیں کی اور نہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ مرحوم پر کوئی نازیبا حملہ کیا۔ جماعت سے علیحدگی اور اختلاف کے باوجود ہم لوگوں سے ملتے ملاتے رہے۔ بعض دوسرے حضرات نے تو اس بارے میں کوئی حد بھی پار کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحبؒ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی کوتاہیوں سے درگزر فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ.

○ ابا جان علیہ الرحمہ کے بارے میں بالعموم یہی سمجھا جاتا ہے، حالانکہ وہ کبھی بھی مجلس شوریٰ کے رکن نہیں رہے۔ انہوں نے مجلس شوریٰ کی تشکیل میں اساسی نوعیت کا کردار ادا کیا تھا، لیکن اس کی رکنیت قبول کرنے کی بجائے پسِ پردہ کام کرنے کو ترجیح دی۔ (ز۔ا)

Marfat.com

جناب محمد اعجاز الحق
رکن قومی اسمبلی
صدر پاکستان مسلم لیگ (ضیاء الحق شہید)

برادرم زاہد اشرف نے مجھ سے حکیم مولانا عبدالرحیم اشرف صاحب کے بارے میں اپنی کتاب کا ذکر کیا تو ماضی کے جھروکوں سے اُن کی آئینہ صفت شخصیت اور کارناموں کا ایک مکمل عکس میرے ذہن میں آگیا۔

میں اپنے والد کے ساتھ اُن کی دلی وابستگی بلکہ میرے والد کے اُن کے ساتھ قلبی اور روحانی تعلق کا عینی شاہد ہوں۔ ان دونوں کا یہ تعلق، روابط اور وابستگی خالصتاً اللہ کے دین اور ملتِ اسلامیہ کی خاطر تھی۔

ملک میں نظامِ زکوٰۃ و عشر اور نظامِ صلوۃ کے قیام و ترویج کے علاوہ نفاذِ اسلام کے دیگر اقدامات میں مولانا عبدالرحیم اشرف کی مشاورت، راہنمائی اور مساعی کا بہت عمل دخل تھا۔

مولانا اور ان کے ہم عصر مفتی زین العابدین اور معروف صحافی مصطفیٰ صادق، ان تینوں کی ایک مثلث تھی جو اپنی بساط اور مقدور کے مطابق خدمتِ دین کے لئے ہمیشہ کمربستہ رہتی تھی۔ اس میں دنیاداری کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ یہ تینوں اصحاب رات گئے دیر تک میرے والد کے ساتھ طویل میٹنگیں کرتے اور مشورے دیتے۔

بہت دفعہ میرے والد نے اس تعلق کو کوئی سرکاری حیثیت دینا چاہی لیکن انہوں نے اپنے لئے کوئی سرکاری عہدہ یا سرکاری حیثیت لینا پسند نہ کیا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ایسی نابغہِ روزگار ہستیوں کے درجات بلند کرے جو ملتِ اسلامیہ کے لئے ایک نعمت اور گراں قدر اثاثہ تھیں۔

Marfat.com

جناب اقبال احمد خان مرحوم

سابق وفاقی وزیر

سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل

مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ پندرہ روزہ **المنبر** محترم حکیم صاحب کی ہمہ گیر، کثیر الجہات اور سعی وعمل سے بھرپور زندگی کو آنے والی نسلوں کے لئے مشعلِ راہ بنانے کی خاطر ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کر رہا ہے۔

حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ ان عظیم ہستیوں میں سے تھے، جن پر وطنِ عزیز کو ناز رہے گا۔ انہیں اپنے معاصر اعیان و اکابر میں سے یہ بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ مقام و مرتبہ دراصل ان خدماتِ جلیلہ کی وجہ سے حاصل ہوا ہے جو انہوں نے ملّی، قومی، دینی، طبّی اور تعلیمی میدانوں میں سرانجام دیں۔

محترم حکیم صاحب نے قومی و ملّی خدمات کے ساتھ ساتھ جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ، جامعہ طبیہ اسلامیہ، پندرہ روزہ **المنبر**، ماہنامہ راہنمائے صحت اور اشرف لیبارٹریز کے نام سے علم وعمل کے جو چراغ جلائے ہیں، ان کے فرزندانِ گرامی سے مجھے توقع ہے کہ وہ ان کی لَو کو مدھم نہیں ہونے دیں گے اور وہ علم وعمل اور جدوجہد میں اپنے گرامی قدر والد کے صحیح جانشین ثابت ہوں گے۔

مَیں اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ کے حضور دست بہ دعا ہوں کہ وہ مرحوم کی بشری لغزشوں سے دَرگزر فرمائے اور ان کی خدمات کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے، انہیں جنت الفردوس میں بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ درجات سے سرفراز فرمائے۔ آمین

Marfat.com

مولانا جان محمد عباسی مرحوم

سابق نائب امیر، جماعتِ اسلامی پاکستان

سابق امیر جماعتِ اسلامی، صوبہ سندھ

مجھے خوشی ہوئی کہ آپ اپنے والدِ محترم حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب مرحوم کی یاد میں اپنے مؤقر جریدہ ''المنبر'' کا خصوصی نمبر شائع کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ حکیم صاحبؒ بہر حال اسلام کی خدمات کے لحاظ سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ انہوں نے ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی بھر اپنی ذات کو اس نظریہ اور نصب العین کے تابع رکھا، جسے فی الواقع ہر مسلمان کا مقصدِ حیات ہونا چاہیے۔ مرحوم کی اس خصوصیت کو خراجِ تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ وہ زندگی کے ہر مرحلہ، ہر دور اور ہر صورتِ حال میں اعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ ادا کرتے رہے۔

حکیم صاحب مرحوم سے میری کئی مختصر ملاقاتیں ہوئیں، میں نے جس رُخ سے انہیں دیکھا، خوب سے خوب تر پایا، مسئلہ اسلامی نظام کے نفاذ کا ہو یا ختمِ نبوتؐ کا، پاکستان کی بقاء و سلامتی کا ہو یا اسلام دشمنوں کے مقابلہ کا، وہ ہر حال میں اسلام کی شمشیرِ برّاں بنے رہے اور کہیں کبھی کسی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ہمارے درمیان سے اچھے لوگوں کا اُٹھنا ہم سب کی آزمائش ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم صاحب مرحوم کو اجرِ عظیم سے نوازے گا۔

جناب مولانا جان محمد عباسی رحمۃ اللہ علیہ 28 اپریل 2003ء کو دارِ خلد کی جانب روانہ ہو گئے۔

Marfat.com

خلیفۃ اللّٰہ کے مقام پر
فائز ہونے کا واحد ذریعہ

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ

اہلِ علم سے مخفی نہیں ھے کہ جب حضور خاتم النبیین علیہ التحیۃ والتسلیم نے انسان کی عظمت کا عَلَم پھر سے بلند کیا تھا، اس وقت افرادِ انسانیت، ھر قسم کی ذلت و نکبت، ھلاکت و بربادی، اخلاقی انار کی اور سیاسی استعمار کے ھاتھوں شرفِ انسانیت سے محرومی تک جا پہنچے تھے اور معاشی اعتبار سے یہ حال تھا کہ معدودے چند افراد کے سوا کسی کو جَو کے ستُو اور میٹھا پانی تک میسر نہ تھا مگر آپؐ نے تمام سیاسی، معاشی، اقتصادی، معاشرتی، تمدنی، ثقافتی اور تہذیبی امور کو قطعی طور پر نظر انداز کرتے ھوئے صرف انسان کے فکر و عقیدہ کی اصلاح کا اہتمام فرمایا، اسے یہ سمجھایا کہ اس کی اصل معیشت، اپنے آقا کے غلام اور عبد ھونے کی ھے اور اس کا صحیح مقام یہ ھے کہ وہ خلیفۃ اللّٰہ ھے اور اس حیثیت و مقام پر پھر سے فائز ھونے کا واحد ذریعہ یہ ھے کہ انسان اللّٰہ ربّ السماوات والارض کے سوا، تمام باطل معبودوں کی عبادت و پرستش، تمام سرکش انسانوں کی اطاعت اور تمام مادی قوتوں کے خوف سے یکسر آزاد ھو جائے، اس دنیا کو عارضی پڑاؤ یقین کرے، آخرت کو اپنا گھر قرار دے اور تمام اطراف سے کٹ کر صرف اپنے رب سے جڑ جائے اور اس نے جو دین بھیجا اور جس رسولؐ کو مبعوث کیا ھے، اپنے آپ کو اس کی اطاعت کے حوالے کر دے۔

(المنبر، جامعہ نمبر، صفحہ:101)

Marfat.com

نِگارشات
عُلمائے کرام

Marfat.com

Marfat.com

نہ دبنے والے، نہ جھکنے والے

مولانا محمد ایوب بنوری مرحوم ☆

جناب مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے بارے میں اپنے تأثرات رقم کرتے وقت میں سوچ رہا ہوں، کہاں سے شروع کروں۔ ؎

جو بادہ کش ہیں پرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لا ساقی

مرحومِ مکرم اپنی لگن میں مگن ایک خودساز تاریخی شخصیت تھے، جن کی پُشت پر کوئی عظیم دیومالائی شخصیت نہ تھی۔ انہوں نے اپنی ذاتی کاوشوں اور انفرادی مساعی سے میدانِ مبارزت میں اپنی زندگی کا آغاز کیا، مگر اُس ذاتِ گرامی کو اپنے بندوں کو رجالِ کار بنا کر اپنی مشیّت کے مطابق کام لینا ہوتا ہے۔ اور پھر ایسے میں وہ لوگ چھپائے نہیں چُھپ سکتے۔ ؎

نُوْرَانِ لَيْسَا يَحْجُبَانِ مِنَ الْوَرٰى
كِرَامُ الطِّبَاعِ وَلَا جَمَالُ الْمَنْظَرِ

مرحوم کیا تھے اور کیا نہ تھے، تفصیلاً یہ تجزیہ کرنا فی الوقت کچھ مشکل ہے۔ البتہ میں کوشش کروں گا کہ ان کی فعّال زندگی کے چند اہم تر گوشوں کے کونوں کھدروں کو بے نقاب کرسکوں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کرم سے اپنی زندگی کو نافعانہ ڈھنگ میں

☆ سابق امیر جمعیت علمائے اسلام، سرحد۔ سابق مہتمم دارالعلوم سرحد، پشاور۔

مولانا محمد ایوب بنوری نے یہ مضمون 9 راگست 1998ء بمطابق 25 ربیع الثانی 1419ھ کو تحریر فرمایا تھا، اس کے محض تین روز بعد مورخہ 12 راگست 1998ء کو وہ خود بھی دارِ خُلد کی طرف چل دیئے۔

اللھم اغفرله مغفرة تامة من عندك وارحمه و عافه وادخله الجنة الفردوس۔ (آمین)

Marfat.com

ڈھالا۔ خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ.

نظرِ بظاہر وہ ابتداءً فنِ شریف کے دیوانے تھے۔ عربی کہاوت ہے: وَلِلْجُنُوْنِ فُنُوْنٌ۔ جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ، عِلْمُ الْاَبْدَانِ وَعِلْمُ الْاَدْیَانِ کو بھی ہم بغور دیکھیں تو اس میں بھی علم بدنی اور علم دینی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور یوں ہے بھی کہ علمِ ابدان بغیر علمِ ادیان کے جلبِ منفعت و دفعِ مضرت کے ابواب میں کوئی زیادہ نفع بخشی کا مظاہرہ نہیں کرسکتا۔ غیر متدیّن معالجین کی ذوات، لاریب ان کی اپنی دنیوی زندگی کو تو بادی الرائی میں آسائشات سے بھر دیتی ہیں مگر وہ اپنے زیرِ علاج مریضوں کے لئے کوئی زیادہ نفع آور جنس نہیں بن سکتیں۔ ہر دو فریق میں صرف دنیوی اور محض جلبِ زر ہی کا واسطہ ہوتا ہے، جیسا آج کے دور میں مشاہدہ ہو رہا ہے۔

اس کے ساتھ ہی ان کے اندر کا جو چھپا ہوا دین دار انسان تھا، اس نے بھی اپنے پَر پرزے نکالنے شروع کئے اور پھر چشم بددور دیکھتے ہی دیکھتے وہ مستور نفع بخش، ہمدرد انسان، اندر کی بوتل سے باہر کی فضا میں اپنے جلوے جذبے دکھانے لگا، اور انہوں نے آئندہ چل کر اپنی ٹھوس اور پختہ دین داری کے برتے پر فنِ شریف کے فنّی میدان میں بھی محض اپنی طبعی خداداد صلاحیتوں سے کام لے لے کر مآلِ کار رفعتوں کی آخری حدوں کو بھی چھولیا۔ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ نَّشَاءُ. یہ سب کچھ مقدّارت کے قبیل سے ہے۔ لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔

اس طرح سے مرحوم نے فن کے علاوہ دین داری کے طویل و عریض میدان میں بھی اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو منوالیا اور ایک عام سے خدمتِ خلق کے معمولی عملی کاروبار کو اپنی قابلیت، اہلیت، مروّت واحترام اور اپنی طبعی دل نوازیوں کے ہمراہ بہت ہی اونچے پائے تک پہنچا دیا۔ تا بہ حدے کہ بلادِ یورپ میں بھی اپنی طبّی مصنوعات کی دھاک بٹھائی۔ پھر بھی وہ جمود و سکون کو اپنا کر صابر و قانع نہ رہے۔ چونکہ ان کی عملی زندگی حرکت سے عبارت تھی، اس لئے سکون کو وہ موت اور حرکت کو حیات کے معنی میں لیا کرتے تھے۔

یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ ان کے قائم کردہ دیگر اداروں کو ایک مثالی ادارہ کا

Marfat.com

رُوپ دے کر عبدالرحیم اشرفؒ ٹرسٹ کی شکل میں محفوظ و مصئون کر کے قوم کے لئے نافع و مفید تر بنا دیا گیا۔

ان کے وصال کے بعد ان کی اولادِ امجاد نے اپنی نجابت کی راہ سے اس پُر خار راستے کو اپنایا اور اپنے اسلاف کے صالح اخلاف بنے۔ یہ مشاہدہ کر کے میرے دل کو بڑی فرحت محسوس ہوتی ہے۔ شروع میں مجھے مرحوم سے کوئی براہِ راست تعلق تھا، نہ جماعتی رابطہ ...... نہ ہی بوجہ دُوری ملاقات کا موقع میسر آ سکا۔ محض غائبانہ تعارف اور حسنِ ظن کی حد تک شناسائی تھی۔ مگر ساتھ ساتھ ان کے نکھرے ہوئے دینی ذوق کا وجدان مجھے مدینہ منورہ میں مل کر ہوا اور خوشی بھی ہوئی، کہ اب تو یہ جنس آج نایاب ہے، تب بھی یہ جنس کم یاب تھی۔

پھر ایک بار مجھے وفاق المدارس الاسلامیہ کے اجلاس کے سلسلہ میں دعوت پر فیصل آباد جانا ہوا اور وہاں دورانِ قیام مجھے کچھ تکالیف کی شدت نے ہراساں کرنے کی کوشش کی تو مولانا عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ سے رابطہ ہوا۔ اپنے وقیع فنّی شوروں سے ازرہِ تلطف نوازا اور ادویات کے علاوہ بھی بڑی دل جوئی فرمائی تھی۔

عرصہ سے ان کا پندرہ روزہ مجلّہ المنبر باقاعدگی سے نظر نواز ہوتا رہا ہے۔ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ اس جریدہ کے جملہ عنوانات و معنونات پر دینِ حنیف کا رنگ غالب تر ہوتا ہے ...... جو شمارہ اس وقت زیرِ نظر ہے، اس میں شامل مضامین کے عنوانات کی جھلک کچھ یوں ہے: کیا یہ ملک کے بہی خواہ ہیں؟، نبی رحمتؐ اور امنِ عالم، علاج و معالجہ کے نبویؐ اصول، یومِ طائف، غلبۂ کفر، طاغوت کس سے خوفزدہ ہے؟، سورۂ مائدہ ...... بلال احمد کشمیری وغیرہ، ان سب کو دیکھ لیجئے، دینی عنصر کس قدر نمایاں اور غالب و حاوی ہے۔

مجھے حیرت ہے کہ وہ جزو جو اس کل کا نصف بہتر حصہ ہے، یعنی فنِ طب وہ اس میں موجود تو ضرور ہے مگر مدھم، موہوم و مغلوب۔ کہیں کونوں زاویوں میں چھپا ہوا، O

O چونکہ "راہنمائے صحت" اور "خبرنامہ طب" کے نام سے دو طبی مجلّے باقاعدگی سے شائع ہو رہے تھے، اس لئے المنبر کے صفحات پر طب اسلامی کا زیادہ تذکرہ مناسب نہ تھا۔ (ز۔ا)

Marfat.com

زیادہ تر عنوانات دینی ہیں۔ آگے چلیں، جب بھی مجھے ان لمحات کی یاد آتی ہے تو واقعتاً میرے مشامِ جان کو معطر کر جاتی ہے۔ مرحوم صدر ضیاء الحق کے دور میں انٹرکان، پشاور میں کسی تقریب کے دوران ایک طویل دورانیہ تک، جو قریب قریب چار پانچ گھنٹے پر محیط تھا، مرحوم سے مجھے تبادلۂ افکار اور ردوکد کا ایک یادگاری موقع مل پایا۔

مرحوم نے مجھے بتاکیدِ اکید دلائل کے ساتھ شوریٰ میں شمول پر راضی کرنا چاہا۔ خود صدر مرحوم نے ان سے کہہ کر دعوت دلوائی تھی۔ وہ اس میں بھی صاف طور پر نقی الذہن تھے۔ چونکہ دینی رنگ میں ہر کام پر سوچنے کی عادت تھی، اس لئے اس عندیہ کے تحت اس پر زور دیا تھا کہ شاید اس طرح سے دینی کام اور نفاذِ اسلام کی کوئی ممکنہ صورت نکل آئے اور عرصہ بعد ہمارا وہ دیکھا ہوا پرانا خواب باتعبیر ہو جائے جس تعبیر کی آمد کے انتظار میں ہماری تقریباً تین نسلیں آسودۂ خاک ہو گئیں۔

تب میں نے مولانا مرحوم کے جواب میں، تعمیل سے بوجوہ انکار کیا تھا کہ میں جمعیت علماء اسلام کی صوبائی امارت کی وجہ سے جماعتی تحدیدات اور جماعتی ڈسپلن کے تحت انفرادی طور پر یہ تعمیل بغیر جماعتی رضامندی کے، کر سکنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ نہ ہی اس شمول کو اس وقت کے معروضی سیاسی حالات میں نفاذِ اسلام کے مثبت امکان کے حوالے سے زیادہ پُرامید تھا۔ چنانچہ تاحال وہ بےچارا نفاذِ اسلام زیرِ انتظار ہے۔

اب جن کے دیکھنے کو اکھیاں ترستیاں ہیں

لاریب مرحوم ایک منشرح الصدر، اپنی دھن کے پکے، دین کے داعی، طب کے ساعی، میادینِ عمل میں ایک سچے، راسخ العقیدہ، نہ دبنے والے نہ جھکنے والے، سرگرم انسان تھے، جس طرح سے ایک کامل واکمل مسلمان کی زندگی کو ہونا چاہیے کہ اس کی زندگی دین و دنیا کے دونوں متضاد و متصادم میدانوں میں خشیۃ اللہ، اتباعِ کتاب وسنت اور جذبۂ خدمت سے معمور ہو۔ محض دین کو لے کر خوفِ فسادِ خلق سے دنیا کو بالکل تیاگ دے کر پہاڑوں کے کونوں کھدروں میں جاگزیں ہو جانا اور خلقِ خدا سے کلی طور پر متبتل ہو جانا بھی رہبانیت

Marfat.com

ہے جو کہ کتاب وسنت میں ممنوع و مقبوح ہے۔ ادھر مقابلتاً صرف دنیا ہی کا ہو کر رہ جانا بھی باعثِ حلولِ فتنِ اُخرویہ ہے اور موجبِ نجاتِ عقبیٰ بھی نہیں بن پاتا۔ مرحوم نے عمر بھر بھرپور، مصروف، پاک وطاہر زندگی گزاری۔ نہ تو رہبانیت کے اختیار کو اپنا شعار بنایا، نہ دنیاداری کو مقدم کر کے دنیا ہی کے چہیتے بن پائے۔ آپ نے دنیا وعقبیٰ دونوں کو اپنی درست مساحتی سمت میں ہدف رکھ کر مصروفیت کے عملی اظہار کو اپنا دستور بنایا، اور خدا نے دین و دنیا کی دونوں نعمتیں عطا فرمائیں۔

شعبۂ طب سے ان کے میلانِ فطری کے توسّل سے ان کا انسلاک پکے دھاگے سے ہوا جو ان کے ارتحال تک بذاتہٖ و بجنسہٖ قائم رہا اور بحمد اللہ باقاعدہ تسلسل سے ترقی پذیر ہی ہوتا رہا۔ المنبر جاری کیا تو اس پر خالصتاً اوّل تا آخر دینی رنگ چڑھایا۔ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً بلکہ دین کا وہ رنگ ہی اس پر غالب آ کر چھایا رہا۔ طب وطبابت وحذاقت اس میں کم تر ہے اور جو ہے بھی وہ طبِ نبویؐ کے زیرِ عنوان ہوا کرتی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ ان کی اولاد امجاد نے بھی اسی میلانِ طبع کی رُو سے غلبۂ دین کو عبدالرحیم اشرفؒ ٹرسٹ کے رُوپ میں، اس کے مغفور بانی کے وصال کے بعد بھی، اس گئے گزرے زمانہ کی چیرہ دستیوں کے نامساعد ماحول میں اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

اپنے عروج کے ابتدائی زمانہ میں جو لمحات کسی کاروباری، خودکفیل، دردمند و دین دار فرد کے لئے لغزشات کے احتمال سے بمنزلہ ایک پُرخطر و خارزار وادی ہوا کرتے ہیں، انہوں نے حسبِ معمول اپنے دینی ذوق پر اپنے دنیوی حرص وآز کے میلان کو بخوشی یا بزور مسلط ہونے نہیں دیا۔

نتیجتاً آپ نے بڑے پیار ومحبت وشوق سے کھل کر جماعتِ اسلامی کا کھلے بندوں ساتھ دے کر عَلٰی وَجْهِ الْبَصِيْرَة اپنے دینی ذوق کی آبیاری کی۔ اسے دین کے کوثر وتسنیم کا اُجلا، مصفا، میٹھا پانی پلایا اور اپنے اس دنیاوی شوق کے تسلّط کو اپنے دینی عروج کے مرام

Marfat.com

کے حصول کی راہ میں اک سنگِ گراں بن کر آڑے نہیں آنے دیا۔ اپنی عملی زندگی میں کاروباری ترقیات سے صرفِ نظر کر کے جماعتِ اسلامی کا عملی ساتھ دیا جو کسی دنیوی لالچ کا رہینِ منت نہ تھا۔ دامے، درمے، قدمے، سخنے، عملی تھا۔ اور پھر لطف کی بات تو حصولِ استقامت کی ہے، جسے اولیاء کی زبان میں اَلْاِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ زندگی بھر اپنے فیصلوں پر ثابت قدم رہے۔

گو حصولِ دنیا بشکلِ زر، زن، زمین وغیرہ آج کے مادی دور کا ایک محبوب ترین مشغلہ ہے، الا من شاء اللہ۔

لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَابْتَغٰى ثَالِثَهُمَا. (بخاری: 6436)

یہ ایک بشری میلانِ عمومی ہے، مگر خدا کے ہاں جو دنیا کا معتد بہ بھرم ہے وہ محض اس قدر رہ کر ہی اپنی انتہا پا جاتا ہے:

لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى مِنْهَا كَافِراً شُرْبَةَ مَاءٍ. (ترمذی: 2320)

حکیم صاحب عملی عالمِ دین تھے اور اتباعِ راہِ حق میں حیرت ناک حد تک دیدہ دلیر۔ میں تو کہوں گا کہ اتباعِ راہِ حق میں وہ کچھار کا شیر تھے۔ جماعت سے انسلاک کو انہوں نے اپنے دیگر اُمورِ زندگی پر مسلّط کر کے دھڑلے سے نبھایا تھا۔ انہی ایام میں آپ نے بعنوان ''کیا جماعتِ اسلامی حق پر ہے'' ایک کتاب لکھی تھی، جس کا تعلق خاص طور پر، جماعتِ اسلامی پر شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے اعتراضات سے تھا۔ اب لطف کی بات یہ بھی ہے کہ مرحوم کو اپنے عقیدہ و عقدۂ قلبی کے اظہار میں کسی بھی نوع کا برہانِ تمانع مانع نہیں آ سکا اور ان کا یہ عمل بھی صرف احقاقِ حق ہی کے واسطے تھا۔

پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انہوں نے خود ہی بطیبِ قلب و خاطرِ عاطر بالکل اسی طرح سے علیٰ وجہ البصیرۃ کھلے بندوں اسے چھوڑ دیا، جس طرح علیٰ وجہ البصیرۃ

Marfat.com

جماعت کے نقرئی طلائی دروازہ میں محض اپنے جذبۂ دینی کے عملی مظاہرہ کے واسطے اس ایوان میں قدم رنجہ فرمایا تھا اور اس میں انہیں کوئی تکلّف بھی مانع نہ ہوسکا۔ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ۔ اپنے اس استرجاع سے، جو باری تعالیٰ کے امر سے تھا، کوئی بھی انہیں روک نہ سکا۔ کیونکہ مردِ مومن کا بغض و محبت، پسند ناپسند، ترک و اختیار، تتبع و تبتّل، تحسین و تقبیح سب ہی کچھ رضائے باری تعالیٰ کے لئے ہوا کرتی ہے۔ يَا اَبَاذَرٍّ! اَيُّ عُرَى الْاِيْمَانِ اَوْثَقُ؟ قَالَ: اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، قَالَ: اَلْمَوَالَاةُ فِي اللّٰهِ وَالْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ۔

(شعب ایمان: 9513)

مرضیٔ مولیٰ تعالیٰ از ہمہ اولیٰ۔ اصل اساس رضائے رب سبحانہٗ و تعالیٰ ہے۔

اور پھر سوچئے! یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر شے سے ہماری محبت ضروری بھی ہو اور جائز بھی، البتہ اپنی محبت کے جملہ چھوٹے بڑے زار و پُر خار راستے خدا کی محبت کی ہی جانب رواں دواں کر کے اپنی محبت کے دوسرے جملہ غیر راستوں کو خدا کی محبت پر قربان کر دینا چاہیے۔ تبھی کچھ بات بن سکنے کا یارا ہو سکتا ہے۔

اور پھر کمال ہے کہ اپنے زمانۂ انسلاک جماعت میں بھی مولانا مرحوم کا رجوعِ تفقّہی بھی اس وقت برصغیر کی اس مشہور و معروف شخصیت کی جانب ہوا جسے دنیائے علم شیخ الاسلام والمسلمین حضرت سید حسین احمد مدنی برّد اللہ مضجعہ کے نامِ نامی سے جانتی ہے۔

حضرت مولانا عبدالرحیم اشرف مرحوم نے اُس وقت مخالف کیمپ میں ہونے کے باوجود حضرت شیخ مدنی قدس سرہ کی دینی و قرآنی مثالی بصیرت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور افہام تفہیم سے احقاقِ حق کا ہدف حاصل کرلیا۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ مرحوم علیٰ وجہ البصیرۃ ہی سالہا سال کی رفاقت کے بعد جماعت سے جدا ہو گئے۔ اور صرف مولانا مرحوم ہی نہیں اور کئی اکابر علماء نے بھی یہی راستہ اختیار کیا، جن کے نام مولانا منظور نعمانیؒ نے ستر کے لگ بھگ گنائے ہیں۔ ان میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ، مولانا عبدالغفار حسنؒ، مولانا منظور احمد نعمانیؒ، مولانا سید ابوالحسن علی

Marfat.com

ندویؒ، مولانا عبدالرحیم اشرفؒ، غازی عبدالجبارؒ، ڈاکٹر اسرار احمدؒ، مولانا وحیدالدین خانؒ، مولانا سید محمد جعفر ندویؒ وغیرہ جیسے کئی نام وَر حضرات شامل ہیں، جنہوں نے اپنی واپسی بھی علٰی وجہ البصیرۃ فرمائی تھی۔ یہ سب نابغہ روزگار شخصیات ان لوٹنے والے حضرات میں شامل تھیں۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی واپسی کے بارے میں مدیر ''الفرقان'' لکھنؤ، مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نے اپنے رسالہ میں جلی عنوان دیا تھا کہ حال ہی میں جماعت اسلامی ایک بڑے حادثہ سے دوچار ہوئی ہے۔ یہ جماعت سے نوابغ شخصیات کی واپسی ہے۔ ان میں سے چار تو وقتاً فوقتاً جماعت کی امارت پر بھی فائز رہ چکے تھے۔ بعض مؤسسین سے اور بعض السابقون الاولون سے ہیں۔ بعض اراکینِ مشاورت تھے۔ بعض امیر و نائب امیر و قیّم تھے۔ اور پانچویں مولانا عبدالرحیم اشرفؒ اہم ارکانِ شوریٰ سے تھے۔

فی الوقت میرا موضوع یہ نہیں ہے۔ نہ ہی میری مراد جماعت کی تقبیح ہے۔ یہ تو ضمناً اظہارِ بیان زیرِ قلم آ ہی گیا، ورنہ یہ موضوع تو مولانا مرحوم کی زندگی کے چند پہلوؤں کو اجاگر کرتا تھا۔ ان کے جذبۂ حق پسندی کا اظہار ہے۔ کسی لگی لپٹی کے بغیر انہوں نے اپنے طویل جماعتی انسلاک والتصاق و خدمات و مساعی کے لمبے سلسلہ کا بھی پاس نہ رکھا۔ انہیں بے لوث و بے غرض حق کی طلب کا پاس تھا۔

آج بھی مرحوم و مغفور کی وفات کو عموماً و خصوصاً، انفراداً و اجتماعاً بطور اک عظیم خلاء کے محسوس کیا گیا ہے، دراصل اس کا باعث ان کی اپنی زندگی میں مرضیاتِ رب کے لئے کام کرنا تھا۔

قابلِ تحسین ہیں مرحوم کے اخلافِ کرام کہ خدا نے اب انہیں بھی عظیم بنا کر اپنے عظیم والد کے عظیم مشن کو، جو دراصل دینی پیغام ہے، دائمی و سرمدی اساس پر چلانے کے لئے بے سکون و بے چین کر رکھا ہے۔ دراصل یہ خود مرحوم کے معمولہ اعمال کی برکات بعد الممات ہیں، جو خود اک نامحسوس طریق سے انہیں گائیڈ لائن دیتی جا رہی ہیں، جوان

Marfat.com

کے لئے اور اب ان کی اولاد کے لئے بھی ایک عظیم صدقۂ جاریہ کی شکل میں متشکّل ہوتی جا رہی ہیں۔ مرحوم نے زندگی میں خود کو حیات بعد الممات کے لئے تیار کر لیا تھا، کیونکہ دنیا و آخرت کی منازل میں سے اصل منزل تو آخرت ہی ہے۔ دنیا تو آنی فانی ہے۔ عقبیٰ، دائمی اور جاودانی ہے۔

امید ہے کہ یہ مساعی بصورت صدقۂ جاریہ، حسنِ عمل و عظمتِ کردار و تذکارِ باریٔ تعالیٰ کا ایک منارۂ نور ثابت ہوں گی۔ خدا تعالیٰ مرحوم اور ان کے جانشینوں کی مساعی کو اخلاص و اخباتِ کامل کی اساس پر بار آور فرمائیں۔ ان کے مشن کی آب یاری میں ان کی روشن کردہ مشعلِ تاباں کو اپنی بشری جدوجہد سے وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے تھامے رکھیں، کہ خدا کرے تا ابد یہ شمعِ فروزاں اپنے نورِ باوفور سے کائنات کے مشتملات کو منوّر کرتی رہے۔

یہ دنیائے ہست و بود ایک آماجگاہ ہے۔ رفت و آمد کا یہ سلسلہ قدیم سے چلا آ رہا ہے اور نفخِ صورِ اسرافیل تک چلتا ہی رہے گا۔ موت پر نالہ و شیون کی بجائے زندگی کو مثمر و منفع و مثبت بنانا چاہیے جو خیر فی الدارین ثابت ہوگا۔ اسے پیشِ نظر رکھیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات پر حضرت صدیقہؓ نے ان کے مرقد پر جا کر یہ دعا کی تھی:

نَضَّرَ اللّٰهُ وَجْهَكَ وَ شَكَرَ لَكَ صَالِحَ سَعْيِكَ فَقَدْ كُنْتَ لِلدُّنْيَا مُذِلًّا بِاِدْبَارِكَ عَنْهَا، وَقَدْ كُنْتَ لِلْاٰخِرَةِ مُعِزًّا بِاِقْبَالِكَ عَلَيْهَا۔ وَاِنْ كَانَ لَاَجَلُّ الْاَرْزَاءِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ رُزْءُكَ وَاَكْبَرُ الْمَصَائِبِ فَقْدُكَ، وَاِنَّ كِتَابَ اللّٰهِ لَيَعِدُ بِجَمِيْلِ الْعَزَاءِ فِيْكَ، حَسَنَ الْعِوَضِ مِنْكَ، فَاَنْتَجِزُ مِنَ اللّٰهِ مَوْعِدَهٗ فِيْكَ بِالصَّبْرِ مِنْكَ وَاَسْتَخْلِصُهٗ بِالْاِسْتِغْفَارِ لَكَ۔

کاش! میں ایک طویل زمانہ سے مسلسل بیمار نہ ہوتا اور خود میں سکت پاتا تو ان کے حق میں کچھ تو لکھتا۔ بہر نوع اس تھوڑے وقفہ میں دل سوزی کی یہ چند مقصور و منقوص سطور مختصراً پیش خدمت ہیں۔ ہر چہ گیرید مختصر گیرید۔ خدا کرے یہ ان کی اولاد کے لئے

Marfat.com

باعث تسلیِ دلِ ناصبور و فگار ہوسکیں اور خدا تعالیٰ کے ہاں مولانا مرحوم کے اعلیٰ علیین میں درجات و مرضیات کا سلسلہ بن سکیں اور نیکی کے ہر میدان میں خدا تعالیٰ ان کا وارثِ کامل بنا کر خود ان سے یہ کام لے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَ عَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ الْفِرْدَوْسِ۔ اَللّٰهُمَّ اَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَ نَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ آمین۔ کیا بعید ہے۔

خدا کرے اس ذریعہ سے، مَیں ان مرحوم کی رفاقت کا کچھ جزوی حق ادا کر پاؤں تو اَلْوُجُوْدُ اَشْرَفُ مِنَ الْعَدَمِ، مجھے کچھ ذہنی تسکین حاصل ہوگی۔

Marfat.com

انسانی ہمہ گیریت کا حسین مرقّع

مولانا محمد اسرار الحق صدیقی قاسمی ☆

98-8-8 بروز ہفتہ، اتفاقاً مولائے مکرم استاذ العلماء حضرت مولانا سید محمد ایوب بنوری مرحوم مہتمم دارالعلوم سرحد پشاور، کی عیادت و پرسشِ احوال و اداءِ نیاز و تسلیمات حاضر ہوا۔ وہاں المنبر کا تازہ شمارہ نظر سے گزرا اور ساتھ ہی مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کے بارے میں خصوصی نمبر کے حوالہ سے دعوت بھی، تو بداھۃً اپنے اندر کے چند متلاطم جذبات کو خود سے محوِ مبارزت پایا۔ ماضی کی چند حسین و جمیل یادیں بھی اس موضوعِ جمیل سے وابستہ تھیں۔

وَحَدَّ ثْتَنِیْ یَا سَعْدُ عَنْهَا فَزِدْ تَنِیْ
جُنُوناً فَزِدْنِیْ مِنْ حَدِیْثِكَ یَا سَعْدُ

گویا میرا بھی ایک پرانا زخم ہرا ہو گیا۔ اس بارے کچھ تھوڑی سی کار آمد معلومات میرے علم میں تھیں۔ مناسب جانا کہ اخلاقاً مرحوم مکرم سے اپنی کسی بھی نوع کی دیرینہ وابستگی کے حوالہ سے ان کا اظہار کر دوں۔ گو بندہ اس سلسلہ میں براہِ راست مدعوین سے نہ تھا، اپنے آپ کو بکسر الدال دِعی محسوس کیا۔ وَهُوَ مَنْ لَمْ یُدْعَ اِلٰی مَادُ بَةٍ وَ مَعَ هٰذَا قَدْ حَضَرَهَا۔ اس کا ترجمہ قندِ پارس میں طفیلی سے کیا جا سکتا ہے۔ بہر نوع اک ہاتفِ غیبی نے اس بالواسطہ دعوت کی اجابت کا قائل کر دیا۔ ہمارا علم کسی بارے میں کیا کچھ ہے، ہم کیا بتلا سکتے ہیں کہ علیم تو کوئی اور ہے۔ کبھی بقراط نے کہا تھا کہ میرے علم کی معراج

☆ فاضلِ دیوبند، سابق معلم دارالعلوم، اکوڑہ خٹک، معروف طبیب۔

Marfat.com

یہی ہے کہ آخر الامر، میں نے جان لیا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ لَجَھْلًا ۔

تا بدانجا رسید دانشِ من
کہ بدانستم ہمیں کہ نا دانم

اک فرنگی دانا کے قول سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ معلوم دنیا میرے بارے میں کیا گمان کر رہی ہے، مگر اپنے آپ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایک نافہم بچہ سمندر کنارے نادانستگی سے چند خذف ریزوں سے مدہوش ہو کر کھیل رہا ہے اور علم کا ناپیدا کنار سمندر اس کے سامنے محوِ تلاطم ہے۔

اس دنیا میں ہماری اصل حیثیت اک مسافر یا عابرِ سبیل کی سی ہے۔

اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ وَ عُدَّ نَفْسَكَ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ،

وَمَا الدُّنْیَا بِبَاقَاۃٍ لِحَیٍّ
وَمَا حَیٌّ عَلَی الدُّنْیَا بِبَاقٍ

یہ آمدورفت اور مجیئت و ذھاب کا سلسلہ روزِ آفرینش ہی سے جاری ہے۔ موت وحیات کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ حیات کو موت سے مفر نہیں کہ موت از قبیل امور لا بدیات ہے۔ مگر جس طرح آمد کا سلسلہ ہر کسی کا جدا نوعیت کا ہوتا ہے، اسی طرح افراد کی موت کے سلسلے بھی جدا ہوتے ہیں۔ کوئی پھول تو جنگل ولق ودق صحرا کی تنہائی میں خود کِھل کر، بقول خلیل جبران، خود ہی مُرجھا کر ختم ہو جاتا ہے اور کسی کو کانوں کان اس کے کِھلنے کی، نہ ہی بکھرنے کی خبر مل سکتی ہے۔ کس نہ دانست کہ کیست۔ مگر بعض زندوں کی وفات پر زمین و آسمان رویا کرتے ہیں۔ ؎

کچھ ایسے بھی اس بزم سے اٹھ جائیں گے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے، مگر پا نہ سکو گے

گو ہم مرحومین صالحین کو تا ابد، ان کے حسنات و صدقاتِ جاریہ کے ضمن میں بعد الممات بھی اپنی صفوں میں پاتے ہی رہتے ہیں۔ وہ فنا نہیں ہوتے۔ ؎

Marfat.com

زندہ ست نامِ فرخ نوشیرواں بہ عدل
گرچہ بسے گزشت کہ نوشیرواں نہ ماند

یہ ان اَسلاف کی نجابت ہی تھی جس میں ان کا لتھڑا ہوا خون تازہ بتازہ، ان کے اَخلاف کی رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے اور ان کے بعد ان کی نیک اولاد میں۔ دوست پدر خویش پسر کے اصول کے تحت اپنے آباء کے متعلقین سے استدعا کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ ان کے بارے میں ان کے اَخلاف کو بتا کر ان کے علم میں اضافہ کریں۔

غزالاں مست ہو کچھ تو کہو مجنوں کے مرنے کی
کہ دیوانے کے مر جانے سے ویرانے پہ کیا گزری

مولانا عبدالرحیم اشرف مرحوم سے احقر کے تعلق کا آغاز کاروباری شناسائی سے ہوا۔ تشکیلِ مملکتِ خداداد پاکستان ہوئی تو دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد اکوڑہ خٹک میں (جہاں کا میں باسی تھا) شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی رفاقت میں مجھے ان کے دارالعلوم کے انصرام اور اعزازی خدمتِ تدریسِ درسِ نظامی کا شرف ملا۔ ساتھ ہی میں نے اپنے نفقۂ حلال کی نانِ جویں کے بطور مشغلۂ اکتساب، گاؤں میں ہی الکوثر میڈیکل ہال کے نام سے دواخانہ کا بندوبست کیا کہ بندہ مالیات و معاشیات کے باب میں بحمدہٖ مکتفی ہو کر احتیاج و اقتار کے اثراتِ مابعد و ماقبل سے محفوظ رہ سکے۔ اس دوران کچھ دیگر اداروں کے علاوہ اشرف لیبارٹریز سے بھی کاروباری تعلق کی ابتداء ہوئی۔ اشرف لیبارٹریز کی ایجنسی، طبّی کمپنی جامع مسجد روڈ، راولپنڈی کے مالک محترم جناب سید منیر اللہ شاہ مرحوم نے آپ کی بکنگ کا کام شروع کیا۔ نمائندہ بنے، پھر انسپکٹر ہوئے اور بڑی جاں فشانی سے ادارہ کے لئے کام کرتے رہے۔ آپ کے ادارہ کی مصنوعات کی بکنگ و سپلائی ان کے ذمہ تھی۔

بندہ بھی اپنے ابتدائی کاروباری دور میں تھا۔ صرف دوا فروشی نہ تھی، ساتھ پریکٹس کا معاملہ بھی تھا۔ آپ کے ادارہ کا بھی ترقی پذیر ابتدائی دور تھا۔ ادارہ کی ادویات کو

Marfat.com

زیادہ تر خالص اور مؤثر پایا، گو ابتداءً پیکنگ وغیرہ میں زیادہ تر نفاست کا بندوبست کم تر تھا۔ بعد میں آپ کی شہرت پانے والی حبوب ان دنوں شوگر کوٹڈ (Sugar Coated) نہیں ہوا کرتی تھیں۔ زیادہ تر بغیر کوٹنگ کے، سادہ ہوتی تھیں۔ بعد ازاں شوگر کوٹڈ ہونے لگیں۔ اس طرح ادارہ کی سیال ادویات، عروق و اشربہ اور تخصّصات کی پیکنگ میں زیادہ تر نظر نوازی آتی گئی۔ مصنوعات میں ظاہر و باہر، اندرونی و بیرونی حسن، اپنی چمک کو ان کی تاثیرات کے قرین کرتا رہا۔ مجھے آج بھی ان لمبے عدید سالوں کے بعد، گو مَیں شاہدِ عدل نہ سہی، مگر بطور ایک عملی شاہدِ معاین کے، یہ لکھنے میں خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ قرابا دینی مرکبات وغیرہ، جو قبل ازیں بوجہ مارکیٹ کے عدمِ اعتماد کے، پریکٹس کے باعث خود تیار کرنا پڑتے تھے، انہیں روک کر پورے اذعان و ایقان کے ساتھ ادارہ اشرف کے مرکبات کو معمول بنایا گیا۔ تاثیرات کے لحاظ سے سکون پا کر قلبی اطمینان بڑھتا گیا۔ سید منیر اللہ شاہ مرحوم اکثر بکنگ و سپلائی کے لئے عمومی دورہ پر تشریف لاتے، تو بندہ نے آس پاس کے دور دراز مضافات میں بھی اپنے حلقۂ احباب میں ادارہ اشرف کا کاروباری اعتماد اپنی سچی تصدیقات کی بِنا پر بنا دیا تھا۔ شاہ صاحب اپنے مکارمِ اخلاق، نرم مزاجی، ہمدردی، بردباری اور ہنسوڑ پن کی وجہ سے ہر دل عزیز تو تھے ہی، ساتھ ہی سونے پر سہاگہ اپنے کشمیری الاصل ہونے کے باعث محدثِ کبیر حضرت علامہ سید انور شاہ کاشمیری قدس سرہٗ کی ہم وطنیت کے باعث میرے پسندیدہ دوست بھی تھے۔ اب علائقِ کاروبار سے نکل کر وہ حدودِ محبت میں بھی آ گئے۔ ان کی خوش مزاجی، معاملہ فہمی، ہمہ صفت ہمدردی اور ساتھ بنیادی طور پر ادارہ کی پُر اثری کے تحت بہت سرور حاصل ہوتا تھا، تا آنکہ ادارہ کو سپین کے دارالحکومت ''میڈرڈ'' میں عالمی ایوارڈ و اعزاز (International Award) سے پذیرائی ملی اور حسنِ صنعت کے سلسلہ میں یہ ایک مزید سندِ صادق ثابت ہوئی۔ یہ سلسلہ بہ اطمینان چلتا رہا۔ ساتھ ساتھ بانئ ادارہ حکیم صاحب مرحوم کی ذاتی، شخصی نیک مصروفیات و مشاغل کے بارے لحہ بلحہ اطلاعات ملتی رہتیں اور ذہن میں ان شر القرون

Marfat.com

میں ان کے وَرع و تقدس کا ایک پھیلتا ہوا با معنی ہیولیٰ بنتا گیا۔ شاہ صاحب ہمارے لئے ان کے ایک حاضر عند المدرک نمائندہ و ترجمان تھے۔ میرے لاشعور میں ان کی نیکیوں میں رچا بسا ہوا تصوراتی خاکہ (Image)، ذہن میں جان پا کر زندہ شکل اختیار کرتا گیا۔ مرحوم کے پرانے تعلق پر دینی رنگ نے غالب آ کر ان کو اور بھی محبوب تر بنا دیا تھا۔ میرے یہاں المنبر، راہنمائے صحت و دیگر طبّی لٹریچر کی منشورات با قاعدگی سے بلا ناغہ اعزازاً آتی رہیں۔ آپ کی پرانی فائلیں بشرطِ موجودگی، میرے اس اعتراف کی شاہدِ عدل ہوں گی۔ کافی سالوں پر محیط یہ لمبا دورانیہ گزرتا گیا اور زندگی گھٹتی گئی۔ پھر شاہ صاحب کی تبدیلی سے باہمی ارتباط (Mutual Transaction) کے سلسلہ کی گرفت کچھ عرفاً ڈھیلی پڑتی گئی۔ شائد بوجوہ مصروفیت، کچھ ادارہ کھنچ گیا، کچھ ہم بھی مجبوراً کھنچتے گئے اور پھر ایسے میں ٹوٹ گیا وہ جو رشتہ تھا پیار کا۔ پھر 1985ء میں مجھے اپنے بچوں کی مزید تعلیم کے لئے مجبوراً اکوڑہ خٹک کی رہائش چھوڑ کر مستقلاً پشاور منتقل ہونا پڑا۔

خاکسار کو دورانِ ارتباط اور پھر اس کے بعد بھی یہ خوشی دواماً والتزاماً ہوتی رہی کہ مولانا مرحوم میں صرف کاروباری میلان ہی نہیں، ساتھ ساتھ اس سے بڑھ کر دین اور اہلِ دین سے بھی قوی مناسبت و مواخاۃ ہے اور شکر ہے کہ وہ پورے، 100 فیصد، مکمل، اوّل تا آخر بیوپاری نہیں، مستزاداً کچھ اور بھی ہیں۔ ان دنوں آج کی سی تجارتی کاروباری خیانت عام نہ تھی۔ اس دوران بھی مولانا مرحوم کی اندر باہر کی زندگی اپنے دینی میلانات، مذہبی رجحانات و رفاہی خدمات سے اوّل تا آخر بھر پور تھی۔

مولانا مرحوم کی کاروباری ساکھ، ادویہ سازی کی صنعت میں اصالت وسلاست، باہم کاروبار میں رزقِ حلال کی میزان میں موزوں، اصولِ اسلامی کی شدت سے پابندی سے سرفراز تھی۔ شکایات کا ازالہ (جو کبھی کم ہی برائے نام ہوئیں)، گاہک کی تسلی، دل جوئی، خوب سے خوب تر کی تلاش اور فنِ شریف کی ترقی کا ہدف ہمیشہ ہی پیشِ نظر ہوا کرتا تھا۔ یہ اُمور جس طرح ان کی قلبی روحانی فرحت کو بڑھایا کرتے، اسی طرح سے ہمیں بھی ان کی

Marfat.com

روحانی خوشی میں علی سبیل الاشتراک اپنے حصہ میں حظِ وافر ملتا رہتا تھا۔ کبھی رقوم کی کمی بیشی، ادویات کی مغرم ٹوٹ پھوٹ یا معیار سے گراوٹ کی کوئی شکایت اتنے زمانہ میں نظر میں نہیں آئی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ سلسلہ علاج الامراض میں ادارہ کی مصنوعات سے معالجین کو باساس اجزائے خالصہ و تأثیراتِ ترکیبی ایک نوع کا قابلِ ذکر اطمینان ہوا کرتا تھا۔ مستزاداً ایک اطمینان یہ ہوتا تھا کہ ایک فنی ادارہ ترقی پذیر ہے، ہوا ہی کرے، مگر ہمارے زیادہ سکونِ دل کا باعث یہ سوچ ہوتی تھی کہ ادارہ اشرف محض طبّی ادارہ ہی نہیں ہے، دینی و رفاہی اور دعوتی ادارہ بھی ہے۔

ادارہ کے مفردات و مرکبات، معاجین وایارجات، اطریفلات، جوشاندہ جات وخیساندہ جات، عروق واشربہ، قیروطیات، حبوب واقراص، اطلیات ودھنیات، مفرحات و خمیرہ جات، مسکنات ومبردات، مقویات، موانعِ حمیات ودوافع امراضِ متعدیہ وسعوطات و مراہم، جواہر وتکلیسات، مبہیات ومنشطات و دافعاتِ زیادتیٔ صفراء وبلغم اوردم و سوداء وغیرہ، تداوی امراض کے میدان میں کارآمد ونافع ہیں اور بعض تو برءالساعۃ ہیں۔ مگر ساتھ ساتھ یہ سب کچھ ثانویاً اشاعتِ دین ومالہ الدین کی مساعی کے بھی مساعد وموید ہیں، اور یہ سرمایہ ایک ذاتی نجی فرد کے بجائے قومی امانت کے بطور ہمدرد، مضبوط اور دین آشنا متدین ہاتھوں میں جا رہا ہے، جو فروختِ ادویات کے ساتھ ساتھ اشاعتِ دینِ متین کا فریضہ بھی اولاً و بالذات انجام دے رہا ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ وَ بَارِكْ لَنَا فِیْهِ۔ ادارہ نے اپنے زمانۂ عروج میں ہی رفاہی کام انجام دینا شروع کر دیئے تھے۔ حصولِ علمِ طب بظاہر روزگار اور بباطن خدمتِ خلق اور حسنِ نیت کے باعث، عبادت بھی ہے۔

جامعہ طبیہ اسلامیہ فیصل آباد کی تشکیل اور فاضل الطب والجراحت کے چار سالہ کورس کا اجراء، بھٹکتی ہوئی نئی بے روزگار نسل کے لئے ایک دینی، معاشی خدمت کی نوید تھی اور اب تو اونچی سوسائٹی میں بھی خدا کی دین سے اشرف برانڈ متعارف ہو چکا ہے۔ اور علاوہ بے شمار قرابادینی مرکبات کے مشہور تحقیقی ادویہ (Research Items) کے

Marfat.com

طور پر ریاحیات و عوارضِ معدہ میں گیسٹول، صدریات و بلغمیات میں لنگزول، مسکناتِ الم میں حبِ اذاراقی عنبری، دماغیات میں خمیرہ جاتِ عنبری و جدواری و ابریشمی و دماغ افروز وغیرہ اپنے فوری اثرات دکھانے لگیں۔

آج یہ سوچ کر تعجب ہوتا ہے کہ حضرت بانیٔ ادارہ مرحوم ایک فرد ہی تھے یا اجتماعی طور پر ایک منظم و منصرم انجمن تھے۔ نیکی، خدمت، جدوجہد اور دین کی اشاعت ان کے اساسی اصول تھے۔ وہ سب معاشرہ اور تمام اہلِ دین کے خیر خواہ خادم تھے اور ہر کسی کی خدمت کے لئے ہر وقت کمربستہ رہا کرتے تھے۔ شب و روز یہ جذبہ ان کو بے کل اور بے چین رکھتا تھا۔ خدمت کے میدان میں خود کو عوام الناس اور معاشرہ سے کبھی ماوراء نہیں رکھا۔

گو حضراتِ متقدمین نے میدانِ خدمت میں بھی مصلحتاً کچھ انفرادی مستثنیات رکھی ہیں:

قَالَ بَعْضُ الْعَلَمَاءِ لَا تَصْطَنِعُوْا مَعْرُوْفاً اِلٰی ثَلٰثَۃٍ: اَللَّئِیْمِ فَاِنَّہٗ بِمَنْزِلَۃِ الْاَرْضِ السَّبِخَۃ' وَالْفَاحِشِ فَاِنَّہٗ یَرٰی اَنَّ الَّذِیْ صَنَعْتَ اِلَیْہِ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اِنَّمَا ھُوَ لِمَخَافَۃِ فُحْشِہٖ، وَالْاَحْمَقِ فَاِنَّہٗ لَا یَعْرِفُ قَدْرَ مَا اَسْدَیْتَ اِلَیْہِ. فَاِذَا اصْطَنَعْتَ اِلَی الْکِرَامِ فَازْدَرِعِ الْمَعْرُوْفَ وَاحْصِدِ الشُّکْرَ، قَالَ وَمَنْ یَّصْنَعِ الْمَعْرُوْفَ فِیْ غَیْرِ اَھْلِہٖ کَالْمُسْرِجِ فِی الشَّمْسِ وَالزَّارِعِ فِی السَّبَخِ وَ مَثَلُہٗ اَلْبَیْتُ السَّائِرُ فِی النَّاسِ:

وَمَنْ یَصْنَعِ الْمَعْرُوْفَ فِیْ غَیْرِ اَھْلِہٖ
یُلَاقِ الَّذِیْ لَاقٰی مُجِیْرُ اُمِّ عَامِرِ

(البیان والتبیین)

مولانا مرحوم نہ صرف ایک قابلِ رشک طبیبِ لبیب تھے، فنِ شریف کی تحقیق و تدقیق کے جذبہ سے سرشار تھے، ادیبِ اریب بھی تھے، ایک عظیم داعیٔ دین بھی تھے۔ ان کی ہمہ گیریت کے پیشِ نظر، وہ بظاہر اس خود غرضی کے دور میں جنم لینے والوں سے نہ تھے۔

تو بہارِ عالمِ دیگری ز کجا بہ این چمن آمدی

Marfat.com

ایسے عبقری الفکر، قحط الرجال کے نامساعد ماحول میں، بغرضِ اصلاح و بہبود پیدا ہوا کرتے ہیں۔ گو ان کا فی صد تناسب زمانہ سعادت ہی سے کم چلا آ تا رہا ہے، مگر خدا کو ان سے کسی میدان میں کام لینا ہوتا ہے۔ وَقَلِيْلٌ مَا هُمْ. وَمَا آمَنَ مَعَهُ اِلَّا قَلِيْلٌ. وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشُّكُوْر. یہ کچھ کر گزرنے والے لوگ ہوا کرتے ہیں۔

They are sure to make a mark in the world.

ہم عوام تو سمجھتے ہیں کہ وہ ایک تشخیص رسیدہ، اچھے طبیب تھے، مگر ہر میدان میں ان کے کارہائے نمایاں بھرے پڑے ہیں۔ دراصل انہوں نے بڑا کام کیا اور ساتھ ہی بڑے کام بھی کئے۔

مصحفی ہم تو سمجھتے تھے کہ ہو گا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

آپ مشرقی اقدار و روایات کے امین و نقیب تھے۔ خود عملی نمونہ بن کر دکھایا۔ وہ ہماری اسلامی ثقافت کو ہر میدان میں فنا کرنے کے لئے مغرب کی بڑھتی ہوئی یلغار کو روکنے والوں میں سے تھے۔ وہ مغرب سے مرعوبیت کے قائل نہ تھے اور مشرق کو اپنی امانتی روایات کی حفاظت کا ایک عجائب گھر اور حفاظتی قلعہ جانتے تھے۔

کوئی صرف کسی کے کہنے سے بڑا نہیں بن سکتا۔ خود ان میں بڑے مناقب و فضائل (Guts) تھے۔ وہ خود ایک عظیم و کریم انسان تھے۔ ایک مثالی مسلمان تھے۔ ان کے روئے دل آرام کو کسی بھی مشاطہ کی حاجت و ضرورت نہ تھی۔

در محفلِ ما عطر میامیز کہ جاں را
ہر لحظہ بہ گیسوئے تو خوشبوئے مشام ست

مولانا مرحوم کے مناقبِ عدیدہ سے انتخاب مشکل ہے۔ کس منقبت کو لیا جائے، کس کو چھوڑا جائے۔ وہ تو اتنے کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ کارے دارد۔ حَفِظْتَ شَيْئًا وَ غَابَتْ عَنْكَ اَشْيَاءُ.

Marfat.com

ان کے وصال کے بعد ان کی اولاد کے کندھوں پر خدمتِ خلق کا بڑا متنوع بوجھ وہاں سے یہاں منتقل ہوگیا ہے۔ چونکہ یہ امانت ہے، اس لئے بھاری بھرکم ہے۔ ساتھ ہی یہ شے عبث نہیں، اک کارآمد بوجھ ہے، جو نافع بھی ہے، مُنفع بھی ہے۔ یہ محض مٹی کے بے مول ذرات نہیں، یورینیم و پلاٹینم سے انمول اور بیش بہا ذرات ہیں۔ گو یہ کوچہ پُرخار اور مشکل کوچہ ہے۔ مشکلات و ابتلاء و اختبار سے بھرا پڑا ہے۔ مَنْ وَلِیَ الْقَضَاءَ اَوْ جُعِلَ قَاضِیًا بَیْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِکِّیْن. (ترمذی: 1375) ان کے ارتحال کے بعد کَبِّرْ کُمْ مَوْتُ الْکُبَرَاءِ ۔اب ان کا مشن آپ کے ہاتھوں میں آ گیا ہے۔ عام نگاہ اسے نعمت جانتی ہے اور یہ درست بھی ہے، مگر ساتھ ہی یہ اصل میں ذمہ داری اور احتساب (Accountabilty) کا اک عظیم بارِ گراں ہے۔ Un-easy lies the head (that wears the crown.

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ، اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا. انسانی استطاعت سے ماوراء ہے، الّا ماشاء اللہ ؎

آسمان بارِ امانت نہ توانست کشید
قرعہ فال بنامِ من دیوانہ زدند

ہماری دعائیں آپ حضرات کے ہمراہ ہیں۔ خدا تعالیٰ اس ابتلاء میں آپ کو بھرپور کامیابی عطا فرمائے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ جوہرِ قابل موجود ہے۔ آپ کی اصالت، اجابت اور اتباعِ آباء کا جذبہ قابلِ پذیرائی ہے اور آپ کی کامیابی کا ان شاء اللہ ضامن ہے۔ ہم ان کے ارتحال پر سوگوار بھی ہیں اور آپ حضرات کی کامیابی کے امیدوار بھی ہیں۔

ادارہ اشرف لیبارٹریز نے طبی ادویات کے میدان میں اپنی ریسرچ کے ذریعہ، اپنی نتیجہ خیز خدمات کو اہلِ علم سے منوالیا تھا۔ بانیٔ ادارہ نے اپنی ذاتی قابلیت سے خدا کے بھروسہ پر کام کیا۔ نفاذِ اسلام اور دینی عصری فتنوں کے انسداد کی راہ میں بانیٔ ادارہ مرحوم نے

Marfat.com

کبھی اعتذار و تسلّل کی راہ کو نہیں اپنایا اور یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا کا مصداق نہیں بنے۔ قابلِ فخر تعلیمی، طبّی، اصلاحی، اسلامی اداروں کو متعارف کرایا۔ اعلاءِ کلمۃ اللہ کی ہر جدوجہد میں حصہ لیا۔ فرنگ کے کاشتہ پودے، قادیانیت کا خوب تعاقب کیا۔ دین کو ہر جگہ اگلی صف میں اوّل ہی رکھا۔ ثانویت وغفلت سے اسے بچایا۔ اپنی ایک اکیلی جان سے پوری مستعد جماعت کا کام کیا۔ لوگوں کے سقیم اجسام کے لئے ادویات کا بندوبست کیا، ساتھ میں ان کی مریض ارواح کی فہمیدہ و نافہمیدہ امراض کے علاج کی سبیل بھی نکالی۔

مرحوم، بانیٔ ادارہ عرصہ تک جماعتِ اسلامی کے دھارے میں شامل رہے۔ بعد میں جب جماعتِ اسلامی نے دعوت کا اپنا اصل میدان چھوڑ دیا تو دیگر اکابر علماء کی طرح وہ بھی جماعتِ اسلامی سے دست کش ہو گئے۔ آج کے دور میں وہ اک مثال ہی تو تھے جسے ہمیں اپنانے کی ضرورت ہے۔

آج ہماری دینی بے راہروی سے ہمارا ملک حسنات سے یکسر خالی وعاری اور سیئات میں پوری طرح ملوث ہو چکا ہے۔ ہمارا کوئی فرد، شعبہ، سرکاری وغیر سرکاری محکمہ، نجی ادارہ، پبلک و پرائیویٹ ہر دو سیکٹر بددیانتی، چوری، بدعنوانی، خیانت، کمیشن، رشوت، فحاشی، ڈکیتی اور نادہندگی سے عرش تا فرش محفوظ نہیں ہے۔ غضب ہے کہ ہم 20 کروڑ آبادی والے ایٹمی قوت بن کر بھی انفرادی سطح پر، الا ماشاء اللہ، نیکی کی تقلیدی مثال فخر سے پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

اصل میں ہمارے یہاں کے مسلسل 70 سالہ سودی نظام نے حکومتی سطح پر قانونی ترویج پا کر ہمارے خوردنی ارزاق کو مشتبہ وملوث بنا دیا ہے۔ یہ گند ہماری رگوں کے خون میں بھی مل چکا ہے، اور نتیجتاً ہمارا کشکولِ گدائی بجائے ٹوٹنے پھوٹنے اور چھوٹنے کے دن بدن اپنے حجم میں بڑھتے ہوئے ہماری گردنوں سے چپک گیا ہے۔ کبائر وصغائر گناہ سب ایسے میں جو فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ کا موجب ہیں۔ ایک کا ذکر قرآن میں ہے تو دوسرے کا حدیث میں۔ ایک تو سود ہے۔ دوم: خدا کے کسی محبوب بندے کی دشمنی۔

Marfat.com

مَنْ عَادَی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ . (بخاری:6502) ہم سود کو نہ چھوڑ کر روز بروز قعرِ مذلّت میں دھنستے جا رہے ہیں۔ وَمَا لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ .اب تو عالم یہ ہے کہ فکرِ آخرت کا تو ذکر ہی کیا، لوگ امن و امان کی چند گھڑیاں ملنے کو بھی ترس گئے ہیں اور فکرِ مال و منال سے بے نیاز ہو کر حفظِ جان کے متمنّی ہیں۔ اور حفظِ جان بھی بشمول کراچی ملک کے کسی شہر میں دست یاب نہیں ہے کہ اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ. (الانعام 82:6)

بانیٔ ادارہ مرحوم صدر ضیاءؒ کے دور میں بھر پور جد و جہد کرتے رہے کہ شاید نفاذِ اسلام کی کوئی امکانی صورت نکل آئے اور لوگوں کے جائز مسائل کو بروقت بہ سہولت حل کیا جا سکے، یہ بھی خدمتِ خلق تھی کہ جذبہ خدمتِ خلق تو اُن کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا مگر یہ تمنا بھی خام رہی۔ ؎

کَمْ حَسَرَاتٍ فِیْ بُطُوْنِ الْمَقَابِرِ

ان سینوں کے ساتھ ہی دفن ہو گئی۔ پھر ہر تمنا پوری بھی کب ہوا کرتی ہے۔

ہم اپنی مشکلات میں دیوانہ وار کبھی IMF، کبھی ورلڈ بنک اور کبھی عالمی سودی اداروں کی سماجت پر مجبور ہیں، اور یہ بھی اک سعی لا حاصل ہے۔ کبھی نئے منصوبوں کا سہارا لیتے ہیں۔ پرانے قرض کی ادائیگی کے لئے نیا قرض ڈبل سود پر لے لیتے ہیں جو مفرد سے مرکب بنتا جاتا ہے۔ ہمارا اوّلیں اور آخریں علاج اس نسخۂ کیمیا میں ہی ہے۔ مَا اَصْلَحَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلُحَ بِهٖ اَوَّلُهَا . نفاذِ اسلام کی فوری اور مکمل تنفیذ میں ہی ہماری نجات ہے۔ آخِرُ الْاَدْوَاءِ الْکَیُّ. کسی بھی اور دوا سے بگڑی نہیں بن پائے گی۔ ؎

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ

ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللٰہی

بانیٔ ادارہ، مرحوم نے اپنی جملہ تخلیقی تعمیری صلاحیتوں کو اپنے مختلف میادینِ حیات میں بانٹ رکھا تھا۔ اسی ارمان و تمنا سے ان کی، جماعت سے وابستگی بھی تھی کہ کاش

Marfat.com

سب دینی جماعتیں اکٹھی ہو کر نفاذِ اسلام کے لئے ایک تنفیذی ماحول بنا سکیں، گو بوجوہ بعض کوتاہیوں، غفلتوں اور حکمرانوں کی بدنصیبیوں سے ملک کو یہ روزِ سعادت دیکھنا نصیب نہ ہو سکا۔ کسی فعلِ انسانی کی فوز و کامرانی دستِ قدرتِ قادر و قیوم سے ہوا کرتی ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ، تکمیلِ کار امرِ خداوندی ہے۔ انسانی بس سے باہر ہے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا مَا آتَاھَا. البتہ دعوۃ الحق ہر مسلمان کا دینی مینی فیسٹو ہے۔ مسلمان پیدائشی داعی ہے۔ اور یہ بھی کہ ہماری تخلیق بے سود وعبث نہیں۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثاً......

مولانا عبدالرحیم اشرف مرحوم، اصول کے دھنی تھے۔ موت تک اصول کو اپنے سینہ سے لگائے رکھا۔ مخالفت، معاندت اور آندھی وطوفان کی کبھی پرواہ نہ کی۔ یہ اہلِ حق کی عادتِ راسخہ ہوا کرتی ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ نے عہد کیا تھا کہ جب تک ہندوستان آزاد نہ ہوگا، میں زمین نہ خریدوں گا۔ تا موت کرایہ کے مکان میں گزر بسر کیا۔

بانیٔ ادارہ مرحوم عہدِ حاضر کے مافوق الانسان تھے۔ کمالاتِ انسانی کے حامل تھے۔ ہمارا دور تو آج بھی جستجوئے آدمیت میں سرگریباں ہے۔ ع

آنکہ می بینی خلاف آدمند
نیستند آدم غلاف آدم اند

مرحوم دورِ حاضر میں انسانی ہمہ گیریت کا ایک حسین مرقع تھے۔ بنان ولسان و جوارح سب کو خدا کی راہ میں، خدمتِ دین میں استعمال کرتے رہے۔ کبھی اپنا وقت ضیاع پذیر نہیں ہونے دیا۔ ان کی صحافتی زندگی بھی اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ باعزیمت فرد تھے۔ سیاستِ دینِ متین کے مخالفین سے بے جگری سے عمر بھر برسرِپیکار رہے۔ کبھی باطل کو باطل جان کر راضی نامہ نہیں کیا۔

مرحوم نے اپنی اولاد کی تربیت دینِ حنیف کے محکم اصولوں پر کی۔ دینی وطبّی معاہد اور اداروں کا آغاز کر کے چالو حالت میں آپ حضرات کے سپرد کر گئے۔ پرانی عربی کی ایک جان دار کہاوت ہے: لِکُلِّ یُنْعَةٍ اِسْتِحْشَافٌ، ہر خام میوہ، محنت سے کبھی تو جا کر

Marfat.com

بحفاظت پک جایا کرتا ہے۔ باذن ربی پکنا، اس کا مقدر ہے۔ زہے نصیب! ان کی مفوضہ امانت ایک پختہ مرغوب پھل کی طرح آپ کے حیطۂ اقتدار میں ہے۔ وہ تو اپنی مراد پاکر اُمر ہو گئے۔ اب یہ آپ حضرات کی عزیمت کی راہ تک رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ سے پُر امید ہیں۔ اسلاف و اجداد اپنے بعد میں آنے والوں کی ہمہ صورت یک جہتی سے دارین کی بھلائی کے خیر خواہ ہوا کرتے ہیں اور ان کو خیر و میمنت کی وصیت کیا کرتے ہیں۔

خدا کرے، ابا جی مرحوم کے قلمی و علمی خیرِ کثیر کی نشر و اشاعت کے یہ زندہ جاوید چلتے پھرتے ادارے اب آپ کے ہاتھوں دن دگنی رات چوگنی ترقی پائیں اور آئندہ چل کر عظیم یونیورسٹیاں بن جائیں۔ (یہ ناممکنات سے نہیں ہے) اور آپ حضرات خدمتِ خلقِ خدا میں اپنے نئے مجوزہ اہداف، بتمام و کمال حاصل کر کے ان کے بڑھتے ہوئے صدقات جاریہ کو اور بھی آگے بڑھائیں۔ دراصل کسی شے کی ظاہری بان تو محض اس کے ترکیبی ڈھانچے سے ہوتی ہے، اصل میں اس کی باطنی نفاست و کمالات ہی اس کی روح ہوا کرتے ہیں، جنہیں ہر کسی کی آنکھ دیکھ بھی نہیں سکتی۔ وہ اہلِ باطن ہی کا کام ہے۔

نکہتِ گل را چہ کنم اے بادِ نسیم
بوئے آں پیراہنم آرزو ست

Marfat.com

دل سوز و دل نواز

مولانا ارشاد الحق اثری ☆

آج سے کچھ عرصہ پہلے پاکستان کے مانچسٹر، فیصل آباد میں علم و ادب، زہد و تقویٰ، ذکر و فکر، فہم و فراست، للّٰہیت و خدا خوفی، دل سوزی و دل نوازی میں جن پاک باز ہستیوں کا ذکرِ خیر اہالیانِ فیصل آباد کی زبان پر تھا، ان میں ایک ہمارے ممدوح حضرت مولانا عبدالرحیم اشرف مرحوم بھی تھے، جو اپنی ذات میں انجمن اور ایک ''اُمت'' کے مصداق تھے۔ ایک نحیف و نزار شخص اپنی پیرانہ سالی اور طبعی عوارضات کے باوصف جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ، جامعہ طبیہ اسلامیہ، ہفت روزہ المنبر، ماہنامہ ''راہنمائے صحت''، پندرہ روزہ ''خبر نامہ طب''، اشرف لیبارٹریز اور طبی بورڈ کی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ شہر کی علمی و سیاسی مجالس کے بھی میرِ محفل تھے۔ وَمَا ذَلِكَ اِلَّا بِتَوْفِيْقِهٖ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی۔

آہ! فیصل آباد میں مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کا جنازہ کیا اُٹھا، اتحاد و یگانگت کا جنازہ بھی اُٹھ گیا۔ کون نہیں جانتا کہ ان کی ذاتِ گرامی مختلف دینی فرقوں میں اتحاد و اتفاق کی علامت تھی۔ جب بھی ملک پر کوئی آفت آئی، انہوں نے ایک آواز لگائی تو سبھی اس پر لبیک کہتے ہوئے کشاں کشاں ان کے ہاں پہنچ جاتے۔ بھٹو دور میں اُٹھنے والی سوشلسٹ تحریک ہو یا سانحۂ سقوطِ ڈھاکہ، ختمِ نبوت تحریک ہو یا تحریکِ نفاذِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ، غرضیکہ جب بھی کوئی مرحلہ آتا تو ملک و ملت کے سبھی پاسبان ان کے گرد جمع ہو جاتے۔ پھر کیا ہوتا تقریباً شہر بھر کی تمام مساجد میں ایک ہی موقف، ایک ہی آواز اور ایک ہی پروگرام کے سبھی ہدی خواں

☆ مہتمم ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد۔ سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل۔ نامور محقق، مصنف اور عالمِ دین۔

Marfat.com

ہوتے۔ مگر افسوس ان کے بعد فیصل آباد اس نعمت سے محروم ہو گیا۔ یہی دیکھ لیجئے کہ کچھ عرصہ بیشتر جب پاکستان کو اس کی صحیح بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے، کتاب و سنّت کو بالادست قانون بنانے کی جو آواز ملک کے وزیر اعظم میاں نواز شریف نے اپنے دوسرے دورِ حکومت میں لگائی تھی، چاہیے تو یہ تھا کہ سبھی مل کر، یک جان و یک قالب کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا وزن وزیرِ اعظم کے پلڑے میں ڈال دیتے، مگر صد افسوس کہ یہاں ہر ایک اپنی اپنی بانسری بجاتا رہا۔ کتاب وسنّت جو سب کی مشترکہ متاعِ عزیز ہے، اس کے بارے میں بھی یگانگت نظر نہیں آتی۔ آج بھی کوئی رجلِ رشید نہیں جو کہے: ''تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ''...... آؤ! سب مل کر، سب کی مشترکہ میراث، کتاب وسنت کی بالادستی کا عَلَم بلند کریں۔

اَللّٰھُمَّ اَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا وَ انْصُرْنَا عَلٰی عَدُوِّكَ وَعَدُوِّنَا۔

ذکر و فکر اور ذوقِ عبادت

حضرت مرحوم کی رفاقت میں وقت بسر کرنے والے حضرات خوب جانتے ہیں کہ وہ محض علیم اللسان نہ تھے، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انہیں قلبِ شاکر اور لسانِ ذاکر کی بھی وافر نعمت عطا فرمائی تھی۔ تہجد اور شب بیداری ان کا معمول تھا۔ عموماً نمازِ فجر باجماعت ادا کر کے مسجد ہی میں ذکر و اذکار میں مصروف رہتے اور صلوٰۃِ اشراق پڑھ کر گھر تشریف لاتے۔ ان کی مجالس میں بیٹھ کر مجھے عموماً امام شافعیؒ کے شاگرد امام یوسف بن یحییٰؒ، ابو یعقوب البویطیؒ اور شیخ ابوالحسن داؤدیؒ یاد آجاتے، جن کے بارہ میں تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ ان کے ہونٹ ذکر اللہ سے ہمیشہ حرکت کرتے رہتے۔ شیخ ابوالحسن داؤدیؒ کے بارے میں تو حافظ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں ذکر کیا ہے کہ وہ حجامت بنوانے کے لئے حجام کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف تھے۔ مونچھوں کو تراشنے کی نوبت آئی تو حجام نے عرض کیا کہ جناب ہونٹوں کو حرکت نہ دیں تو انہوں نے فرمایا: ''قُلْ لِلزَّمَانِ حَتّٰی یَسْکُتَ۔ زمانے سے کہہ دو وہ اپنی رفتار روک لے۔''

Marfat.com

مقصد واضح ہے کہ کسی لمحہ کو بھی حتی المقدور ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ یہی کیفیت اکثر و بیشتر حضرت مولانا مرحوم کی تھی۔ لکھنے، پڑھنے اور بولنے کے علاوہ عموماً باقی لمحات میں ان کی زبان ''لَایَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا بِذِكْرِ اللّٰهِ'' کے ارشادِ نبویؐ کی عملی تعبیر تھی۔

اصحابِ ذکر سے ان کا تعلق

ذکر و فکر ہی کا نتیجہ تھا کہ ان کو اصحابِ ذکر و فکر سے خاص اُنس تھا۔ بالخصوص امیر المجاہدین حضرت صوفی محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید مولا بخش کوموی مرحوم سے تو انہیں تعلقِ خاطر تھا۔ کئی بار انہیں ان حضرات کی خدمت کا موقعہ ملا اور جی بھر کر ان سے دعائیں لیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ سیرت سازی کے لئے تنہا کتاب خوانی کافی نہیں، اس کے لئے کسی شیخِ کامل کی صحبت نہایت ضروری ہے۔ اللہ والوں کی مجالس، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی جانب توجہ اور اُن سے رابطہ و تعلق کا ذریعہ بنتی ہیں۔ دینی تعلیمات کی انقلابی قوت کو جو چیز حرکت میں لاتی ہے اور اس کی تاثیر میں اضافے کا باعث بنتی ہے وہ اہلِ اللہ کی مجالس ہیں۔ ذکر و فکر کی ان کے نزدیک اہمیت کیا تھی اس کا اندازہ اس سے لگا لیجئے کہ اس موضوع کو انہوں نے جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کے اہداف و مقاصد میں شامل کیا۔ اس سلسلے میں خود ان کے الفاظ ہیں:

> ''یہاں سے فارغ ہونے والے علماء، علم کی گہرائیوں سے بہرہ ور بھی ہوں اور انابت و خشوع، ذکر و فکر اور اوراد و وظائف میں انہماک کو وہ حاصلِ زندگی شمار کریں۔ احسان و تبتل الی اللہ ان کی محبوب ترین متاع ہو، اور وہ ان مجالس و اوقات کے لئے مضطرب و بے چین ہوں جن میں ذکرِ الٰہی کے وسیلے سے ملائکہ کی رفاقت اور ان کے سایۂ عاطفت کا وعدہ لسانِ رسالتؐ سے کیا گیا ہے۔''

نیز انہوں نے جامعہ کے بارے لکھا:

> ''یہ دارالعلوم جس مقصد کے لئے قائم کیا گیا ہے اس کا اہم ترین تقاضہ یہ ہے کہ یہاں کا ماحول اس دورِ زوال میں مسجد نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیمات کو

Marfat.com

اپنا محور تصور کرے۔ یہاں کے معلمین، منتظمین اور طلبہ، اللہ رؤوف و رحیم کے الطاف و عنایات سے اور اس کی عطا فرمودہ توفیق سے ایسا ماحول بنائیں جس میں فرائض کی پابندی، سنت کی اتباع، نوافل کا اہتمام، دین کے لئے محنت وایثار، مجالسِ ذکر و تعلیم کے چرچے بھی ہوں اور آنکھیں ان مناظر کو بار بار دیکھیں کہ علم و عمل اور ذکر و فکر کی ہم آہنگی کی طرح نو ڈالی جارہی ہے۔" (المنبر، جلد 14، شمارہ نمبر 33)

علم کے ساتھ ساتھ عمل اور ذکر و فکر کے اہتمام کا جذبہ ان کے الفاظ سے عیاں ہے۔ بلاشبہ سابقہ قرون میں ہمارے مدارس و شیوخ کرام علم کا خزانہ ہی نہ تھے بلکہ ان کی حیثیت عمل و تربیت کی بھٹی کی تھی، جو وہاں جاتا کندن بن کر نکلتا اور ہزاروں لاکھوں کے دلوں کو منوّر کرتا۔ مگر آہ

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرائضِ منصبی بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ (الجمعة (62) :2)

"وہ انہیں قرآن پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں، ان کا تزکیہ کرتے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم سے آراستہ کرتے ہیں۔"

اور بلا ریب حاملینِ منبر و محراب اور وارثانِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب تک اسی نصاب کو نصب العین نہیں بنائیں گے، منزلِ مراد کو نہیں پاسکیں گے۔

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضَى۔

مولانا مرحوم سے باقاعدہ تعارف

حضرت مولانا مرحوم سے غائبانہ تعارف تو الجامعہ السّلفیہ کے ایامِ طالب علمی ہی سے تھا۔ مگر ان سے باقاعدہ شناسائی تب ہوئی جب راقم الحروف ادارۃ العلوم الاثریہ میں حاضر ہوا۔ ادارہ کے ناظم حضرت مولانا محمد اسحاق چیمہ رحمۃ اللہ علیہ، جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ

Marfat.com

کے استادِ حدیث تھے۔ جامعہ ان دنوں جناح کالونی میں تھا اور جامعہ کے قریب ہی مولانا چیمہ مرحوم کا بھی مکان تھا۔ اسی قربِ مکانی وعلمی کی بنا پر ادارہ سے انہیں قلبی لگاؤ تھا کیونکہ دیگر جامعات ومدارس کی رسمی تعلیم سے ہٹ کر تخصص کے انداز میں اس میں تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مدارسِ دینیہ کو مؤثر اور انقلاب آفریں بنانے کے بارے میں جو تجاویز اس دور میں حضرت مولانا عبدالغفار حسنؒ سابق استادِ حدیث، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ نے دیں اور ان پر عمل کے لئے جو مقامات انہوں نے متعیّن فرمائے ان میں ایک یہی ادارۃ العلوم الاثریہ بھی تھا۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

''اسی طرح لائل پور (فیصل آباد) میں محترم مولانا عبدالرحیم اشرف صاحبؒ اپنے رفقاء کے تعاون سے جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ یا ادارہ علوم اثریہ میں اس سلسلے کا آغاز کر سکتے ہیں۔'' (المنبر، جلد 14 شمارہ نمبر 33)

جس سے ادارہ کے ساتھ ان کے تعلق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ادارہ اور اس کے طلبہ سے ان کے تعلقِ خاطر ہی کا نتیجہ تھا کہ راقم الحروف کا پہلا مضمون، جس کا عنوان خود انہوں نے ''الجمعة فی القری، ایک تحقیقی کاوش'' تجویز فرمایا تھا، اسے المنبر جلد 14 شمارہ نمبر 26، 11 ستمبر 1969ء میں شائع کیا۔ مگر یہ جان کر آپ حیران ہوں گے، جیسا کہ راقم الحروف خود اس کی اشاعت پر حیران وششدر رہ گیا تھا کہ یہ مضمون اور اس کا تمام تر مواد بلاشبہ میں نے ترتیب دیا، مگر بلا مبالغہ اس کے اسّی فیصد الفاظ اور اس کی ترتیب وتنقیح حضرت مرحوم نے کی۔ اور یہ محض ان کی ذرّہ نوازی تھی کہ انہوں نے ایک طالب علم کی حوصلہ افزائی فرمائی، جس سے لکھنے کا ڈھب معلوم ہوا اور پھر اس سلسلے میں مزید حوصلہ بڑھتا گیا۔

راقم سے ان کی شفقتوں کا باب بڑا وسیع ہے۔ ملاقات کے لئے جب بھی حاضر ہوا، بلا تکلف ملنے کی اجازت مرحمت فرماتے اور اپنی تمام تر مصروفیات کے باوصف دیر تک مختلف دینی مسائل پر گفتگو ہوتی۔ انہیں خاندانِ غزنویہ سے انتہائی عقیدت تھی۔ اسی بنا پر

Marfat.com

عالم باعمل حضرت مولانا محمد عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصویر دیکھی اور زیارت کر چکے

تھے۔ انہوں نے اپنے بچپن میں حضرت کے ساتھ شرکت کی۔ ایک مرتبہ راقم الحروف نے ان سے

حضرت غزنوی کے تلمیذ رشید حضرت مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ کی قلعہ میہاں سنگھ والی

سوانح عمری کا ذکر کیا۔ یہ کتاب اب نایاب ہو چکی ہے۔ راقم کو بڑی مشکل سے ملی ہے مگر ان دنوں

زیر طبع تھی۔ انہوں نے جب اس کا ذکر سنا تو تڑپ گئے اور بڑی ہی بے چینی سے اس کو

دیکھنے کا تقاضا کیا۔ میں نے دوسرا نسخہ خدمت میں پیش کر دیا۔ وہ کتاب پڑھ کر بڑی خوشی سے پھر یہ

کہتے ہوئے واپس کر دی کہ یہ امانت ہے ورنہ میں کتاب جلد کرنے کو نہیں دے سکتا۔

1977ء میں مولانا مرحوم نے جامعہ تعلیمات اسلامیہ میں ایک چالیس روزہ

تربیتی پروگرام منعقد کیا جس میں مختلف علاقوں سے علمائے کرام اور دانشوران ملت سے

وقت دیا جنہوں نے مختلف عنوانات پر مقالات پیش کیے۔ اس پروگرام سے شہر فیصل آباد اور

مضافات کے علماء، طلبہ اور عامۃ الناس نے بھرپور استفادہ کیا اور یوں جامعہ نے انہوں نے

علم و عمل کی بہتی گنگا بہا دی۔ اس سلسلے میں راقم کو بھی انہوں نے یاد فرمایا اور "امر بالمعروف و

نہی عن المنکر: کوتاہیاں اور صحیح طریق کار" کے عنوان سے مقالہ پیش کرنے کا حکم

دیا۔ جہاں اکابرین ملت اپنے علم و فضل کے موتی بکھیر رہے تھے، وہاں کسی قسم کی جرأت

پر طبیعت آمادہ نہ ہوتی مگر محض ان کی حوصلہ افزائی سے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کی توفیق

بخشی۔ بعد میں یہ مقالہ ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور کی جلد نمبر 23 کی تین اشاعتوں میں

طبع ہوا۔ والحمد للہ علی ذالك۔

حضرت مولانا مرحوم دینی علوم کے پہلو بہ پہلو، علم طب کے بھی ماہر تھے۔ جامعہ طبیہ اسلامیہ اور اشرف لیبارٹریز وغیرہ ان کی یادگار ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے طبی بورڈ بھی تشکیل دے رکھا تھا، جس سے فیصل آباد کے علاوہ دور دراز سے مریض آ کر استفادہ کرتے۔ تجویز و تشخیص میں ان کا ایک مقام تھا اور مختلف حکمائے کرام کی رائے کے بعد فیصلہ بالآخر وہ خود فرمایا کرتے تھے۔

Marfat.com

ایک بار میں معدہ و جگر کے عارضہ میں مبتلا ہوا۔ طبیعت سخت مضمحل رہنے لگی۔ ادھر ادھر سے علاج کرایا، مختلف ادویات استعمال کیں، مگر صحت سنبھل نہ سکی۔ اسی دوران ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ دیکھ کر خود پریشان ہوئے۔ ان کے رس بھرے الفاظ مجھے آج بھی یاد ہیں کہ ''میں تمہیں صحت مند و توانا دیکھنا چاہتا ہوں۔'' اس کے ساتھ فرمایا کہ اتوار کے روز میرے پاس اشرف لیبارٹریز میں آنا۔ میں طبی بورڈ سے تمہارے بارے میں مشورہ کروں گا۔ چنانچہ میں حسبِ حکم ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ مجھے مرحوم حکیم عبداللہ خاں نصر☆ کے پاس لے گئے اور ان سے فرمایا: حکیم صاحب! اس نوجوان سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں مگر یہ بیمار ہے، اسے ذرا غور سے دیکھیں اور علاج تجویز کریں۔ انہوں نے برجستہ فرمایا، بالکل ٹھیک، مگر شرط یہ کہ دوائی آپ وہ دیں جو میں خود تجویز کروں۔ آپ اس میں کوئی ردو بدل نہ کریں۔ مولانا مرحوم نے فرمایا: آپ جو دوائی تجویز کریں وہ خواہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہو، میں اسے دینے سے گریز نہیں کروں گا۔ چنانچہ حکیم صاحب نے بغور معائنہ کرنے کے بعد نبض متعین کی۔ مرض کی تعیین کے ساتھ ساتھ دوائی بھی تجویز فرمائی جو غالباً فولاد و مشک کا مرکب تھا۔ یوں اس دوائی سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے صحت بہت حد تک درست فرمادی۔ والحمد للہ علی ذلك۔

☆۔ یادش بخیر: حکیم عبداللہ نصر خاں مرحوم کا تعلق سوہدرہ وزیر آباد سے تھا۔ سخت گرمیوں کا مہینہ غالباً جون کا تھا اور میں مکتبہ سلفیہ لاہور میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک حکیم صاحب موصوف تشریف لائے۔ برادر محترم حافظ احمد شاکر نے بڑی محبت اور بے تکلفی سے عرض کیا: حضرت! کیا نوش فرمائیں گے؟ حکیم صاحب فرمانے لگے: آپ میری حسب منشا چیز لا کر نہیں دیں گے اور شائد وہ یہاں آسانی سے دستیاب بھی نہ ہو سکے۔ حکیم صاحب فرمانے لگے: مجھے میری مرضی سے کچھ پلانا ہے تو شکر کا سادہ شربت پلا دیجئے۔ چنانچہ حافظ صاحب نے شکر منگوا کر شربت بنوایا اور ان کی خدمت میں پیش کیا۔ حکیم صاحب نے اسے پیا اور اس کے فوائد بتلانے لگے اور ساتھ ہی سیون اپ، کوک وغیرہ کی سخت مذمت کی کہ یہ صحت کے دشمن ہیں۔ پھر دیر تک اپنی زندگی کے واقعات سناتے رہے۔ بالآخر اپنے رفقاء و معاصرین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، میری مثال تو اس لڑکی کی طرح ہے جو اپنی سہیلیوں کے ساتھ ایک درخت کے نیچے کھیلتی تھی۔ اس کی شادی دور دراز علاقہ میں ہوئی تو عرصہ بعد والدین کے گھر واپس آئی۔ وہ اس درخت کے پاس پہنچی، اسے مخاطب کر کے سہیلیوں کے بارے میں سوال کیا تو وہ جواب مع سوال پنجابی میں یوں تھا۔

ٹالئے مٹالئے نی دس کیتھے گیاں اوہ سیاں
کجھ پیکے کجھ سورے کجھ خاکیں رہ ل گیاں

یہ شعر پڑھا۔ سرد آہ بھری اور بڑی دیر تک افسردگی کے عالم میں بیٹھے رہے۔

Marfat.com

یہاں یہ واقعہ بھی یقیناً قارئینِ کرام دلچسپی سے پڑھیں گے کہ ایک بار غالباً 1970ء میں دسمبر جنوری کی راتوں میں راقم الحروف، شیخ الاسلام امام المناظرین حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا ہفت روزہ ''اہلحدیث'' دیکھ رہا تھا۔ 1945ء میں ''اہلحدیث'' میں حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ کا ایک مضمون ''مسلک اہلحدیث اور تحریکاتِ جدیدہ'' کے عنوان سے 2، 9، 16 مارچ کے تین شماروں میں شائع ہوا۔ حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ، ان دنوں جماعتِ اسلامی سے وابستہ تھے، بلکہ اس کے بڑے سرگرم رکن تھے۔ مولانا مودودی مرحوم اوائل میں بالکل داڑھی کے بغیر تھے۔ پھر کچھ عرصہ بعد انہوں نے بہت مختصر سی داڑھی رکھ لی، تاہم سر پر انگریزی بال بھی رہتے تھے۔ اس سلسلے میں مولانا محمد منظور نعمانی مرحوم اور ہمارے ممدوح حکیم صاحب مرحوم کی کوششوں سے بالآخر مولانا مودودیؒ نے داڑھی اور بالوں کی اصلاح کر لی۔ مولانا سلفیؒ کا یہ مضمون جماعت اسلامی کے حلقہ میں ناگوار سمجھا گیا تو اس کے جواب میں جن حضرات نے قلم اُٹھایا اُن میں ایک مرحوم حکیم صاحبؒ بھی تھے۔ چنانچہ انہوں نے جماعت اسلامی کے چہار روزہ اخبار کوثر، لاہور میں ''مسلکِ اہلحدیث اور جماعتِ اہلحدیث'' کے عنوان سے اپریل 1945ء کی تین اشاعتوں میں اس کا جواب لکھا۔ جس کا پھر جواب الجواب حضرت مولانا سلفیؒ نے دیا، جو پانچ قسطوں پر مشتمل تھا اور جون 1945ء کے شمارہ میں خاص طور پر ''مولوی عبدالرحیم اشرف صاحب ویرووال سے خطاب'' کے عنوان سے حکیم صاحب سے مخاطب ہوئے، جس میں انہوں نے خداداد صلاحیتوں کی بنیاد پر یہاں تک لکھ دیا کہ

> ''اب کے پٹھان کوٹ کے اجتماع میں داڑھی کے مسئلہ پر حضرت مولانا مودودیؒ کے تخاطب سے جو تلخی پیدا ہوئی، آپ کا طویل تخلیہ، حضرت مولانا عبدالتواب ملتانی مدظلہٗ کا طویل ناصحانہ خط، ساری چیزیں معلوم ہیں۔ تسکینِ قلب کے لئے جس مجتہدانہ اصول کی آپ حضرات پناہ لے رہے ہیں وہ آپ کی تکلیف اور دردمندی دونوں کا پتہ دیتا ہے۔ لیکن مجھ جیسے کم سواد یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ آپ حضرات بہ جبر ایسے قالب میں فِٹ

Marfat.com

ہونے کی کوشش فرما رہے ہیں جو ہزار خوبی کے باوجود آپ کے لئے نہیں۔ یا آپ خود بگڑیں گے یا قالب کو توڑ دیں گے۔''

مستقبل نے ثابت کر دیا کہ مولانا سلفی مرحوم نے جو پیش گوئی بیان کی تھی، وہ درست ثابت ہوئی اور ایک وقت میں ''کیا جماعتِ اسلامی حق پر ہے؟'' لکھنے والے ہمارے حکیم صاحب مرحوم بعد میں اخلاص کے باوصف اس قالب میں فِٹ نہ رہ سکے۔ خود ہی نہیں بلکہ اپنے رفقاء سمیت ایسے ''بگڑے'' کہ اس قالب میں دراڑیں پڑ گئیں مگر یہ ساری داستان نہایت طویل ہے، لیکن فی الوقت ہمارا موضوع نہیں ہے۔ اس داستان سرائی کا مقصد صرف یہ تھا کہ راقم تقریباً، دسمبر جنوری کی راتوں میں ایک رات مولانا سلفی مرحوم کا یہی جوابی مضمون پڑھ رہا تھا، رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی۔ ڈیڑھ، دو بجے کا وقت ہو گا کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں پریشان ہو گیا کہ یا اللہ! خیر ہو، اس وقت کون فون کر رہا ہے۔ رسیور اٹھایا تو کیا سنتا ہوں کہ فون پر محترم حکیم صاحب بول رہے ہیں۔ سلام وغیرہ کے بعد انہوں نے فرمایا، اس وقت کیا ہو رہا ہے؟ یہ سن کر میں اپنی ہنسی روک نہ سکا اور معاً عرض کیا، لیجئے! جو پڑھ رہا ہوں وہ آپ بھی سن لیجئے۔ چنانچہ میں نے ''اہلحدیث'' کی مذکور الصدر عبارت پڑھ دی۔ یہ سن کر فرمانے لگے: ''تم ہمارے کچے چٹھے کب سے ادل بدل کر رہے ہو۔'' میں نے عرض کیا کہ بحمداللہ ''اہلحدیث'' کی تقریباً بیس پچیس سال کی فائلیں دیکھ چکا ہوں۔ ان دنوں اس کی جلد نمبر 42 زیر مطالعہ ہے، اسی میں یہ سارا سلسلہ ہے تو وہ خوش ہوئے اور دعا و سلام کر کے بات کو ختم کر کے ٹیلی فون بند کر دیا۔

حکیم صاحب کے اہداف میں ایک بڑا ہدف دشمنانِ اسلام کی بیخ کنی بھی تھا، بالخصوص قادیانیوں کے ناسور کا آپریشن کرنے اور اسے جڑ سے کاٹ پھینکنے کے لئے تقریر و تحریر کے ذریعہ جو جدوجہد کی، اس کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ المنیر اور اس کے بعد المنبر میں انہوں نے انگریز کے اس خودکاشتہ پودے کو بے نقاب کرنے کی جتنی کوشش کی، وہ بہت کم کسی کے حصہ میں آئی ہے۔ 1974ء میں ختمِ نبوت تحریک کے دوران قادیانیوں کو

Marfat.com

غیر مسلم قرار دینے میں بھی بنیادی کردار ادا کیا۔ انہی دنوں منشی محلّہ کی جامع مسجد میں جہاں وہ خطبۂ جمعہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے، مغرب کی نماز کے بعد قادیانی عقائد و افکار کے خلاف نوجوانوں کو تیار کرتے اور قادیانی کتابوں سے براہِ راست حوالہ جات لکھواتے۔ خود راقم بھی اس تربیتی مجلس میں شریک ہوتا، مگر افسوس کہ یہ سلسلہ دو اڑھائی ماہ سے زیادہ جاری نہ رہ سکا۔

حکیم صاحب کی دینی، ملّی، سیاسی خدمات، بالخصوص مرحوم صدر ضیاء الحق کے دور میں اسلامائزیشن کے بارے میں ان کی ہمہ جہتی خدمات کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے۔ انہیں رات دن بس ایک ہی لگن تھی کہ اسلام کے نام پر حاصل کردہ اس ملک پاکستان میں اسلام کا مکمل نظام نافذ کر دیا جائے۔ اس بارے میں ضیاء مرحوم سے ان کے روابط بے لوث اور لوجہ اللہ تھے، جس کا اعتراف خود ضیاء الحق مرحوم کو بھی تھا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ان تمام خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ بشری لغزشوں سے صرف نظر کرتے ہوئے انبیائے کرام، صدیقین، شہدائے عظام اور اولیاءِ کرام کی معیّت نصیب فرمائے۔ آمین۔

Marfat.com

ملّی شخصیت

مولانا مجاهد الحسینی ☆

اللہ تعالیٰ نے بعض شخصیات کو مختلف النّوع محاسن و اوصاف سے نوازا ہوتا ہے۔ ان میں مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کی شخصیت نمایاں اور ممتاز نظر آتی ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے نام وَر شاعر علامہ انور صابری کا ایک عظیم شخصیت کی بابت مصرعہ ہے۔ ع

"بھرے ہیں خدا نے کمال کتنے نحیف و کمزور آدمی میں"

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کی ذاتِ گرامی اس کا صحیح مصداق تھی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بعض شخصیات اعلیٰ صلاحیتوں سے متصف تو ہوتی ہیں، لیکن معاشرے کے لئے وہ سود منداور فیض رساں نہیں ہوتیں۔ انفرادی محاسن اس فرد کے لئے کتنے ہی مفید کیوں نہ ہوں جب تک معاشرہ اکتسابِ فیض نہیں کرتا، اس کی اجتماعی قدر و منزلت نہیں ہوتی۔ اس زاویۂ نگاہ سے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی ذاتِ گرامی معاشرے کے لئے بے حد مفید اور فیض رساں تھی۔

میری ان سے پہلی ملاقات 47-1946ء میں قیام پاکستان سے قبل ضلع جالندھر، ریاست کپورتھلہ کے مشہور اور تاریخی مقام سلطان پور لودھی میں اس وقت ہوئی تھی جب انہوں نے ضلع امرتسر کے قصبہ ویرووال سے ترکِ سکونت کر کے سلطان پور کو اپنا مسکن و مرکز

☆ ایڈیٹر ماہنامہ "صوت الاسلام" فیصل آباد۔ سابق ایڈیٹر روزنامہ "آزاد" لاہور۔
سابق سرپرست عالمی رابطہ ادب اسلامی، فیصل آباد۔ صدر ندوۃ العلماء پاکستان۔ ممتاز مصنف، صحافی، دانش ور اور عالم دین۔

Marfat.com

بنالیا تھا۔ یہ شہر سلطان ابراہیم لودھی نے ایک خود رواں، خوش نما ندی کے کنارے تعمیر کرایا تھا۔ گورونانک کی بہن نانکی بھی اسی شہر میں بیاہی گئی تھی۔ ''ہٹ صاحب'' کے نام سے سکھوں کا مشہور گوردوارہ آج بھی موجود ہے۔ یاد رہے کہ سکھوں کا یہ وہی متبرک مقام ہے جہاں پر گورونانک نے اپنی بہن کے ہاں مہمانی کے دوران اس کے سسرال کی ہٹی میں گندم فروخت کرتے وقت گاہک کو تیرہ تیرہ شمار کرتے ساری جنس ترازو میں تول دی تھی۔ اسی شہر میں جہانگیر کی سرائے کے نام سے ایک تاریخی قلعہ بھی موجود تھا اور گورونانک نے ندی (بئیں سیاہ) کے کنارے درخت کے سائے میں بیٹھ کر مسواک کی تھی۔ اس کی مناسبت سے سکھوں کا تاریخی ''گوردوارہ بیر صاحب'' بھی اسی شہر میں واقع ہے۔ گوردوارے کے ساتھ ہی مجذوب صوفی پیر اللہ دتا برہنہ کی قبر ہے، گورونانک جس کے پاس بیٹھ کر اسلامی تصوف و سلوک کی بابت معلومات حاصل کرتے اور اکتسابِ فیض کی کوشش کیا کرتے تھے۔ اسی گوردوارے کے سامنے ندی کے اس پار ''حدیرہ'' نامی مغلیہ دور کی ایک پُرشکوہ اور تاریخی عمارت موجود تھی۔ غرضیکہ سلطان پور لودھی، کھجوروں کے گھنے باغات میں گھرا تاریخی شہر تھا۔ چند مؤرخین نے لکھا ہے کہ بعض مغل حکمرانوں کی اولاد کے اتالیق اسی شہر میں آباد تھے۔ یہ علاقہ مسلمانوں کی اکثریت کا تھا۔ خود ریاست کپورتھلہ کی آبادی ستّر فیصد مسلمانوں کی اکثریت پر مشتمل تھی، لیکن حکمران مہاراجہ جگجیت سنگھ تھا۔

مجلسِ احرارِ اسلام کے بانی صدر چودھری افضل حق نے اپنی کتاب تاریخِ احرار میں سلطان پور اور ریاست کپورتھلہ میں رونما ہونے والے بعض المناک واقعات اور مسلمانوں کے مطالبات پر مشتمل نہایت وقیع معلومات فراہم کی ہیں۔ یہ انقلابیوں کا شہر اور علم و فضل کا مرکز تھا۔ بہر نوع سلطان پور لودھی کی تاریخی اہمیت بیان کرنے کا مقصود یہ ہے کہ قارئین مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کی اس شہر میں، سکونت اختیار کرنے کے محرکات اور پس منظر سے واقف ہوسکیں۔

راقم الحروف 1944ء میں دارالعلوم ڈابھیل سے سندِ فراغت پاکر پہلے مدرسہ

Marfat.com

خیر المدارس، جالندھر میں ابتدائی کتب کا مدرس اور طلبہ کو تحریر و تصنیف کی تربیت دینے پر مأمور تھا۔ بعدازاں تحریکِ آزادی میں شدت آنے پر اپنے گھر سلطان پور واپس آ گیا اور شہر میں واقع انجمن تعلیم القرآن کے زیرِ اہتمام تاریخی درس گاہ میں صدر مدرس مقرر ہوا۔ اسی اثناء میں ایک روز شہر کے پوسٹ آفس کی جانب گزر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ''اشرف میڈیکل ہال'' کے نام سے شہر میں ایک نیا طبی مرکز قائم ہوگیا ہے۔ بورڈ پڑھ کر دواخانے کے اندر گیا تو ایک باوقار، متین اور خوبصورت شخصیت سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ پُر تپاک سلام و مصافحے کے بعد باہم دگر تعارف ہوا۔ مل کر دونوں نے اظہارِ مسرت کیا۔ بعد ازاں ملاقاتوں کا سلسلہ ایسا دراز ہوا کہ ہم دونوں گہری دوستی اور اخوتِ اسلامی کے مضبوط رشتے میں منسلک ہوگئے۔

جلیل القدر دینی و علمی شخصیات کی تشریف آوری

ان دنوں ریاست کپورتھلہ میں سیاسی جماعتوں کی سرگرمیوں پر اگرچہ کڑی پابندیاں تھیں، بایں ہمہ سلطان پور کے مدرسہ اسلامیہ، واقع عید گاہ میں مسلمانوں کے عظیم الشان جلسے منعقد ہوا کرتے تھے۔ راقم الحروف کو طالب علمی کے زمانے میں 1937ء سے 1947ء تک ان جلسوں میں خطاب کرنے والی عظیم شخصیات امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا عبدالجبار ابوہری، آغا شورش کاشمیریؒ، شاعرِ احرار عبدالرحیم عاجز امرتسری، جانباز مرزاؒ اور آزاد ہند فوج کے جنرل شاہنواز اور کرنل عزیز احمد بیگو والوی کی معرکہ آراء تقاریر سننے کا موقع مل چکا تھا۔ اس اثناء میں حضرت امیرِ شریعتؒ اور قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کی ولولہ انگیز اور وجد آفریں خطابت سے متاثر ہونے کے ساتھ ساتھ امیرِ جماعتِ اسلامی سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی زیارت اور ''سلامتی کا راستہ'' کے زیرِ عنوان آپ کا تاریخی خطاب سننے کا بھی موقع ملا تھا۔ نیز اسی دور میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کے رفیق اور ناظم نشر و اشاعت اور بانیٔ جماعتِ اسلامی سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے اوّلین ساتھی مستری محمد صدیق سلطان

Marfat.com

پوری کی زیارت اور تحریکِ اقامتِ صلوٰۃ وغیرہ میں ان کی قیادت اور حسبِ ہدایت کام کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

تحریکِ آزادی میں حصہ لینے اور مجلسِ احرارِ اسلام کے پلیٹ فارم پر کام کرنے والوں میں چودھری فتح محمد کمبوہ کا نام خصوصاً قابلِ ذکر ہے۔ ان دنوں علاقہ سلطان پور میں جلیل القدر علمی اور دینی شخصیت مستری محمد صدیقؒ ہی کی ذاتِ گرامی تھی، جن سے ملاقات کے لئے اکثر ہندوستان کی بڑی علمی و دینی شخصیات کی سلطان پور میں آمدورفت رہتی تھی۔ حیدر آباد دکن کے مشہور مفسّر مولانا ابوصالح محمد مصلح بھی ایک مرتبہ تشریف لائے تھے اور مدرسہ عیدگاہ میں درسِ قرآن کریم کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مستری محمد صدیقؒ کے خصوصی رفقاء میں سے پاکستان کے ممتاز قانون دان اور گراں قدر علمی شخصیت رانا عبدالرحیم خان آف لاہور کے والد ماجد صوبیدار عنایت اللہ خان اور ماسٹر ولی اللہ تھے۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی متحرک شخصیت

سلطان پور کے اسی علمی اور دینی ماحول میں جب مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ تشریف لائے تو آپ نے گوشہ نشین اور عافیت کوش دینی و علمی حلقے کو متحرک کرنے کے لئے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ ادھر مستری محمد صدیقؒ نے سلطان پور میں اپنی ''تحریکِ اقامتِ صلوٰۃ'' کو تیز کر دیا۔ (یعنی نماز کی ادائیگی صحیح مفہوم کے ساتھ اور ترجمہ سمجھ کر ہونی چاہیے) چنانچہ مختلف مساجد میں نماز کی ادائیگی کے بعد نمازیوں کو نماز کے ترجمہ اور با مقصد عبادت کی تعلیم دی جانے لگی۔ راقم الحروف بھی مستری صاحبؒ کی حسبِ ہدایت تحریک میں کام کیا کرتا تھا۔ ایک روز گورنمنٹ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر کے محلے میں واقع مسجد میں نماز ادا کرنے کے بعد جب ہمسائے میں مقیم مسلمان ہیڈ ماسٹر کے سامنے نماز کی فرضیت واضح کرتے ہوئے نماز ادا کرنے کی ترغیب دی گئی تو شیعہ مسلک کے ہیڈ ماسٹر اور ان کے ساتھیوں نے مستری صاحبؒ پر حملہ کر کے انہیں زخمی کر دیا، اس پر مستری صاحبؒ نے شہر سے مایوس ہو کر کپورتھلہ روڈ پر چار پانچ میل کے فاصلے پر واقع آدھی کھوئی پر اپنا ڈیرہ قائم

Marfat.com

کرلیا۔ مستری صاحبؒ کا موقف تھا کہ موجودہ معاشرہ اسلامی تعلیمات پر صحیح طور پر عمل پیرا ہونے کو آمادہ نظر نہیں آتا، اس لئے ایک ایسی بستی کی تعمیر کی جائے جس میں رہائش پذیر افراد ضروریاتِ زندگی خود تیار کریں، اور موجودہ شہروں اور بستیوں میں آباد لوگوں میں سے جو افراد اپنی زندگی صحیح اور اسلامی سانچے میں ڈھالنے کو تیار ہوں، انہیں اس نئی بستی (جس کا نام انہوں نے ''دائرہ امن و سلامتی'' رکھا تھا) میں رفیقِ مسکن بنایا جائے۔ بازاروں سے رابطہ صرف نمک حاصل کرنے کے لئے ہو، باقی اشیاء وضروریاتِ زندگی، خورونوش اور لباس وغیرہ خود تیار کریں۔ ان افراد کی اولاد کی تربیت صحیح خطوط پر کی جائے گی تاکہ آئندہ ایک مہذب اور تربیت یافتہ سچی مسلم سوسائٹی معرضِ وجود میں آسکے۔

مستری محمد صدیقؒ کی اس تحریک کے رفقاء میں خطیب جامع مسجد کپورتھلہ مولانا جعفر پھلواری، ماسٹر عزیز الدین اور چوہدری محمد حسین (سابق سینٹر طارق چوہدری کے والد) اور دیگر معروف شخصیات شامل تھیں، لیکن مستری صاحبؒ کے صحیح ہم قدم اور رفیقِ سفر ہونے کا اعزاز مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کو حاصل تھا۔ چونکہ یہ ابھی نظریاتی مرحلہ تھا اس لئے مستری محمد صدیقؒ کے علاوہ دائرہ امن و سلامتی میں دوسرا کوئی سکونت اختیار نہیں کرسکا تھا۔ صرف مستری صاحبؒ کی رفیقۂ حیات اور ان کے فرزند فضل الرحمٰن (رحمان صدیق) جو ابھی عہدِ طفولیت میں تھے، وہاں رہائش پذیر تھے۔

مستری محمد صدیقؒ پر قاتلانہ حملہ

ایک روز اس نئی بستی کے چھوٹے سے کمرے کی دیوار پر راقم الحروف بُرش کے ساتھ مستری صاحبؒ کی حسبِ ہدایت ''دائرہ امن و سلامتی'' لکھ کر ابھی سلطان پور واپس گیا تھا کہ حسبِ معمول مولانا عبدالرحیم اشرفؒ، مستری صاحبؒ سے ملنے آدھی کھوئی پہنچ گئے۔ وہ کچھ دیر ٹھہر کر ابھی واپس راستے میں ہوں گے کہ 22 مئی 1947ء کو دو ہندو نوجوان غالباً جن کے نام پرکاش چند بھنڈاری اور ہری دیو برہمن تھے، قریباً چار بجے شام مستری صاحبؒ کے ڈیرے پر آ کھڑے ہوئے۔ دونوں موٹر سائیکلوں پر سوار تھے۔ انہوں

Marfat.com

نے آتے ہی مستری صاحبؒ سے پینے کے لئے پانی طلب کیا جو ان کے قاتلانہ ارادے اور درندگی کا آئینہ دار تھا۔ مستری صاحبؒ ٹھنڈے مزاج اور مرنجان مرنج شخصیت تھے، ہمیشہ میٹھے اور دھیمے لہجے میں بات کرتے۔ آپ نے فوراً ''اچھا بھائی! ابھی لاتا ہوں'' کہہ کر سامنے رکھے مٹی کے گھڑے سے پیالے میں پانی لا کر دیا۔ پانی پی چکنے کے بعد مستری صاحبؒ نے دریافت کیا: ''بھائی! اور لاؤں؟'' انہوں نے ہاں ...... کی صورت میں سر ہلایا۔ ابھی مستری صاحبؒ پلٹے ہی تھے کہ انہوں نے ریوالور سے مستری صاحبؒ پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ گولی شانہ چیرتی ہوئی دوسری جانب نکل گئی۔ مستری صاحبؒ نے ''بھائی! یہ کیا؟'' کہتے ہوئے اپنا ہاتھ ان کی جانب اٹھایا تو ہاتھ اور ٹانگ فائر کی گولی سے زخمی ہو گئے، اور امن وسلامتی کا یہ علمبردار زخموں سے چور چور ہو گیا۔ مستری صاحبؒ کی بیوی اور بچے کے شور مچانے کے ساتھ ساتھ مستری صاحبؒ کی پالتو، بڑی بطخیں بھی ''کاں کاں'' کے شور کے ساتھ سراپا احتجاج بن گئیں۔ آس پاس کے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ اتنے میں سلطان پور کی جانب سے ایک ٹرک آیا جو لوگوں کا ہجوم دیکھ کر رک گیا۔ سفید ریش، نورانی چہرے مہرے کا ایک بزرگ چارپائی پر خون میں لت پت پڑا لوگوں کو صبر وسکون کی تلقین کر رہا تھا۔ چند حضرات نے مستری صاحبؒ اور افرادِ کنبہ کو ٹرک کے ذریعے کپورتھلہ کے ہسپتال پہنچایا۔

مستری صاحبؒ پر قاتلانہ حملے کی خبر آناً فاناً برق رفتاری کے ساتھ سلطان پور، کپورتھلہ اور ضلع جالندھر کے بڑے شہروں کے علاوہ پورے ملک میں پھیل گئی۔ سلطان پور سے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ، چودھری فتح محمدؒ اور دیگر حضرات کپورتھلہ ہسپتال پہنچ گئے۔ ریاست کپورتھلہ کا حکمران سخت خفا اور مشوش ہوا کہ اس کی ریاست میں اگر اسی طرح ہندو مسلم فسادات کی آگ بھڑک اٹھی تو خرمنِ امن کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے گی۔ چنانچہ مستری صاحبؒ کے علاج معالجے اور اس سلسلے میں مؤثر تدابیر اختیار کرنے کی خصوصی ہدایات جاری کیں۔ چونکہ مستری صاحبؒ کے زخمی ہونے کی خبر لاہور کے اخبارات زمیندار، ملاپ، ویر بھارت وغیرہ میں نمایاں طور پر شائع ہوئی تھی، اس لئے ہندوستان بھر میں اس کا سخت

Marfat.com

ردِعمل ظاہر ہوا اور واقعے کی ہر طرف سے مذمت کی قراردادیں شائع ہونے لگیں۔

اللہ کے فضل و کرم سے مستری صاحبؒ جلد ہی رُوبصحت ہو گئے۔ ہسپتال سے فارغ ہو کر مستری صاحبؒ سلطان پور تشریف لائے۔ ان کی آمد پر جامع مسجد عیدگاہ میں مسلمانانِ ریاست کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوا۔ یہ سلطان پور کے تاریخی اجتماعات میں سے منفرد حیثیت کا حامل تھا۔ قبل ازیں صرف امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا وجد آفرین اور ولولہ انگیز خطاب سننے کے لئے مسلمانوں کے دوش بدوش دیگر مذاہب کے لوگوں کا ایسا اجتماع دیکھنے میں آیا تھا۔ اس تاریخی اجتماع میں مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ نے جو خطاب کیا، وہ بھی اپنی نوعیت کا منفرد اور بے حد رقّت آمیز تھا۔ لوگوں نے چونکہ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ صاحب کا پہلی مرتبہ خطاب سنا تھا اس لئے ہر کوئی سراپا استفسار تھا کہ ایسا ایمان افروز خطاب کرنے والی شخصیت کون ہے؟ راقم الحروف نے مولانا اشرفؒ صاحب کی بہت سی تقاریر سُنی تھیں لیکن اس روز انسانوں کے موج زن سمندر میں مولانا نے ایک ماہر شناور کی طرح جس طرح اپنے جوہرِ خطابت کا مظاہرہ کیا تھا، اس نے میرے دل و دماغ پر جو گہرے نقوش ثبت کئے وہ آج بھی روشن ہیں۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کے خطاب کے بعد سفید ریش، سفید کھدر پوش، احرام کی مانند دو چادروں میں ملبوس درویش مستری محمد صدیق صاحبؒ جب سٹیج پر تشریف لائے تو سارے مجمع نے کھڑے ہو کر نعرۂ تکبیر کی گونج میں مستریؒ صاحبؒ کو خراج عقیدت و محبت پیش کیا۔ مستری صاحبؒ نے حمد و ثناء کے بعد اپنی تقریر کے آغاز میں فرمایا کہ ریاست کپورتھلہ کے پُرامن ماحول کو فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنانے کی ابتداء مجھ پر قاتلانہ حملے کی صورت میں ہو چکی ہے، بایں ہمہ بحیثیت مسلمان، ہم امن و سلامتی کا عَلَم کسی صورت میں سرنگوں نہ ہونے دیں گے۔ آؤ! اس خونی ڈرامے اور کھیل کے بعد بھی اکٹھے ہو کر ہم خوفناک انقلابی لہروں کا رخ موڑ دیں اور اپنے علاقے کو خون خرابے سے بچانے میں کامیاب ہو جائیں۔

Marfat.com

فسادات کا آغاز

ابھی چند روز گزرے ہوں گے کہ پورے ملک میں ہندو مسلم فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔ نتیجتاً سلطان پور بھی فساد کی لپیٹ میں آ گیا۔ امن کمیٹی کی سرتوڑ کوشش کے باوجود راولپنڈی سے وہاں گئے ہوئے شرنارتھیوں نے سرکیاں بُننے والوں کے محلے ''مہتاں'' میں مسلمانوں کے گھروں کو نذرِ آتش کر دیا۔ امن کمیٹی کا اجلاس راقم الحروف کی رہائش گاہ کے عقب میں واقع جامع مسجد محلّہ شیخوشاہ میں منعقد ہوا تھا جس میں مسلمانوں نے اپنے تحفظ کی تدابیر وضع کیں۔ صبح دس بجے اجلاس ختم ہوا، حاضرین ابھی اپنے گھروں میں نہ پہنچے ہوں گے کہ بستی کمبواں میں ہندو سکھ درندوں نے حملہ کر دیا، جس پر چودھری فتح محمد اور مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے فوری طور پر رہائش گاہیں چھوڑ کر پاکستان کی جانب ہجرت کرنے کا فیصلہ کر لیا اور یہ بستی آناً فاناً خالی ہو گئی۔ ہم اپنے ہاں مطمئن تھے کہ سارا شہر آباد ہے اور مسلمان اجتماعی طور پر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ نماز ظہر کا وقت ہو گا کہ راقم الحروف پورے اطمینان کے ساتھ بستی کمبواں کی جانب روانہ ہوا تو یہ خوفناک منظر دیکھ کر دل برداشتہ ہوا کہ سارا شہر خالی ہو گیا ہے اور ہندو سکھ درندے تلواریں، بھالے، برچھے لہراتے بازاروں و گلیوں میں پھر رہے ہیں، اِکّا دُکّا مسلمانوں کو شہید کر رہے ہیں۔ میں نے سمجھا کہ یہ محض عارضی منظر ہے۔ لیڈروں سے مشاورت ہو گی تو حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ چوہدری فتح محمد اور ان کے بھائی چوہدری فضل محمد صدر بلدیہ کی بیٹھک کے سامنے اپنی کتابوں کی دکان پر پہنچا تو مسلح سکھوں کا ایک ٹولہ میری جانب آ گیا۔ میں جلدی سے گلی سے ہوتا ہوا اپنے گھر واپس چلا گیا۔ ہمارے محلے کے مکین ابھی اپنے گھروں میں آباد تھے۔ رات کو اس پر بھی بموں اور گولیوں کی بوچھاڑ ہو گئی۔ صبح کو پتہ چلا کہ سلطان پور کے اردگرد کے دیہات بھی مسلمانوں سے خالی ہو گئے ہیں اور وہ تلونڈی چودھریاں کے راستے عازمِ پاکستان ہو چکے ہیں۔ میری رہائش گاہ کے عقب میں محلّہ لوہاراں واقع تھا۔ ہندو سکھ یہ سمجھتے تھے کہ اس محلے کے لوگوں نے خطرناک اسلحہ تیار کر رکھا ہے۔ اس لئے وہ دور سے ہی حملہ آور ہوتے تھے۔

Marfat.com

پاکستان کی جانب ہجرت

ہمارے محلے کے لوگوں نے بڑی جوانمردی اور ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہندو سکھ درندوں کا خوب مقابلہ کیا۔ حالات کی سنگینی کے پیشِ نظر انتظامیہ نے پُرامن طریقے سے پاکستان پہنچانے کا جھانسہ دے کر لوگوں کو گھروں سے نکال کر عیدگاہ کے وسیع صحن میں جمع کیا۔ عورتوں کو سامنے ہی واقع بورڈنگ ہاؤس میں رکھا۔ عصر اور مغرب کے درمیان باقی ماندہ رہنماؤں کو بحفاظت پہنچانے اور تسلی کی خاطر ان سے اسّی اسّی روپے کرایہ وصول کر کے، چند حضرات کو ایک ایسی گاڑی میں سوار کرا دیا جس کا ڈرائیور اور حفاظتی دستہ سکھ تھے۔ اس میں شہر کی مشہور قد آور شخصیتیں مرزا سیادش بیگ، مولانا محمد یعقوب اور ان کا لڑکا مولوی محمد یوسف (جو اہلحدیث تھے اور مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کے گہرے دوستوں میں سے تھے)، احمد حسن گھڑی ساز، رکن جماعتِ اسلامی وغیرہ اس گاڑی میں سوار ہو گئے۔ مجھ سے اور حکیم نواب الدین آہلی والے سے کرایہ وصول کر لیا گیا تھا، مگر ہم دونوں نے اس گاڑی میں بیٹھنے سے پہلوتہی کرتے ہوئے کہا کہ ہم عیدگاہ میں موجود تیس چالیس ہزار مسلمانوں کے ساتھ ہی سفر کریں گے۔ اگر اللہ نے انہیں بچا لیا تو ہم بھی بچ جائیں گے ''ورنہ ہرچہ بادا باد۔'' لاری میں کرایہ لے کر سوار کیے گئے تمام افراد شہید کر دیئے گئے۔ ان میں سے صرف دو شخص بابا عزیز الحسن اور نوازش علی شاہ کو زندہ چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ اپنے ساتھیوں کے حشر سے دوسروں کو مطلع کر سکیں، مرزا سیادش بیگ کی لاش تو میں نے خود دیکھی تھی جسے ہمیں دکھلانے کے لئے سڑک پر پھینک دیا گیا تھا...... بابا عزیز الحسن شاہ فیصل آباد میں آ کر آباد ہو گئے۔ ان کی قبر جھنگ روڈ پر واقع ہے۔ بابا صاحب کا لڑکا اظہر حسین ضلع کونسل میں ملازم تھا۔

بہرنوع نمازِ مغرب کے بعد ہمیں شہر چھوڑنے پر مجبور کر کے باہر نکال دیا گیا۔ ان کا پروگرام یہ تھا کہ اتنی بڑی تعداد میں جب مسلمانوں کا قتلِ عام ہو گا تو شہر میں سخت تعفن اور بُو پھیل جائے گی اور لاشیں اٹھانے کا مسئلہ اس پر مستزاد ہو گا۔ قصہ کوتاہ ہم پر نمازِ مغرب کے

Marfat.com

بعد چاروں جانب سے حملہ کر کے قتلِ عام شروع کر دیا گیا۔ کسی نے ندی میں چھلانگ لگا کر، کسی نے اِدھر اُدھر بھاگ کر جان بچائی۔ سڑک پر لاشوں کا ڈھیر تھا۔ ہر جانب چیخ و پکار تھی۔ کچھ لوگ واپس سلطان پور میں پیروں کے ڈیرے میں چلے گئے تھے جو بعد میں ٹرک کے ذریعے پاکستان پہنچے۔ ہم پہلے آدھی کھوئی (مستری محمد صدیقؒ کے ڈیرے پر) پہنچے اور پھر وہاں سے کپور تھلہ کے پاس نہر گھراٹ اور پل کانجلی پر تلواروں اور بندوقوں کے ساتھ حملوں سے بچتے ہوئے بھلانہ کیمپ، وہاں سے جرنیلی سڑک کے ذریعے امرتسر سے ہوتے ہوئے پاکستان میں پہنچ گئے۔ یہ خونی داستان بڑی طویل اور دل دہلا دینے والی ہے۔ مقصود پسِ منظر بیان کرنا ہے کہ کن گھمبیر اور دل سوز حالات میں پاکستان تک کا سفر ہوا تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد مولانا عبدالرحیم اشرفؒ سے رابطہ

قیامِ پاکستان کے بعد راقم الحروف چند روز والٹن کیمپ لاہور میں رہ کر، خان گڑھ میں امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ شاہ صاحب کے بڑے فرزند مولانا سید عطاء المنعم بخاریؒ، جالندھر کے مدرسہ خیر المدارس میں میرے ہم درس و ہم جماعت تھے۔ اس تعلقِ خاطر کی بنا پر مظفر گڑھ میں میری رہائش ہوئی۔ بعد ازاں سیلاب کے بعد شاہ صاحب خانگڑھ سے ملتان آ کر آباد ہو گئے۔

1948ء میں راقم الحروف نے ملتان سے ہفت روزہ ''غریب'' کا اجراء کیا، جس میں قادیانیوں کے خلاف ایک نظم شائع ہوئی تو ملتان کے مرزائی ڈپٹی کمشنر ایس ایم حسن نے ڈیکلریشن منسوخ کرنے کا فیصلہ کیا۔ مسلمان عملے کی اطلاع پر راقم نے زرِ ضمانت مبلغ پانچ سو روپے واپس لے کر ہفت روزہ بند کر دیا۔ انھی دنوں آغا شورش کاشمیری نے روزنامہ ''آزاد'' لاہور، کی ادارت سے الگ ہو کر اپنا رسالہ ''چٹان'' شائع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ''آزاد'' سے شورش صاحب کی علیحدگی کے بعد، پہلے چوہدری افضل حق کے عزیز چوہدری ظہور الحق اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ پھر ڈاکٹر صابر ملتانی اور ماسٹر تاج الدین انصاری نے ادارتی ذمہ داریاں ادا کیں۔ بعد ازاں حضرت شاہ صاحب کے حکم پر راقم الحروف

Marfat.com

نے روزنامہ ''آزاد'' کی ادارت سنبھالی۔ اخبار کی پیشانی پر جب میرا نام شائع ہوا تو مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ نے مجھے چنیوٹ سے خط لکھا، جس سے مجھے پتہ چلا کہ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ اپنے خاندان کے ہمراہ چنیوٹ میں مقیم ہیں اور ''اشرف میڈیکل ہال'' ہی کے زیرِ عنوان حسبِ سابق سرگرمِ عمل ہیں۔ تھوڑے ہی عرصے بعد مولانا، چنیوٹ سے لائل پور منتقل ہوگئے اور اشرف میڈیکل ہال کے ساتھ ساتھ انہوں نے المنبر کے نام سے ایک ہفت روزے کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ صاحب نے ان دنوں مجھے جو مکتوب گرامی ارسال کیا اس میں لکھا تھا:

ہاں اب معلوم ہوا کہ آپ کہاں ہیں، گزشتہ دنوں روزنامہ ''آزاد'' لاہور نظر نواز ہوا تو اس کی پیشانی پر آپ کا نام پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی۔ فرمایئے کب اور کہاں ملاقات ہوگی۔ والسلام

عبدالرحیم اشرف

لائل پور میں مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی خدمات

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ، چنیوٹ سے لائل پور (حال فیصل آباد) کی مشہور آبادی منشی محلّہ کے بعد ماڈل ٹاؤن میں منتقل ہوگئے، پھر جناح کالونی کو اپنا مرکز بنایا اور ایک متحرک اور مجاہدانہ زندگی گزارنے کے بعد اسی مقام سے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی سفرِ آخرت پر روانگی ہوئی، بقول خلیق قریشی ؎

ہم نہ ہوں گے تو ہمیں یاد کرو گے یارو!
تذکرے ہوں گے یہی جب بھی ملو گے یارو!

مولانا اشرفؒ کو فیصل آباد میں اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لینے اور ملک و ملّت کی خدمت کے بھرپور مواقع میسر آئے، اور علامہ انور صابری کا مصرعہ جوان سطور کے آغاز میں تحریر ہے کہ ع

بھرے خدا نے کمال کتنے نحیف و کمزور آدمی میں

Marfat.com

اس کا صحیح عکس اور مظاہرہ یہاں پر دیکھنے میں آیا ہے۔ راقم الحروف مبالغہ آرائی اور مبنی بر غلو تحریر اور حاشیہ آرائی کا سخت مخالف ہے۔ نہ ہی میرا مقصد چاپلوسی اور کوئی مقصد براری ہے۔ نہ میں نے کبھی مادّی مفادات کے لئے دامن پھیلایا ہے۔ بحمد اللہ اس نوعیت کی تمام آلائشوں سے میرا دامن پاک صاف ہے۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی ذاتِ گرامی کی بابت آج یہ سطور ان کے داغِ مفارقت کے بعد اس لئے تحریر کر رہا ہوں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کی تعمیل ہو سکے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اُذْكُرُوا مَوْتَاكُمْ بِالْخَيْرِ کہ مرنے والوں کو تم اچھے اور خیر کے الفاظ کے ساتھ یاد کیا کرو۔

حکیم مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے اشرف لیبارٹریز کو جس سلیقے کے ساتھ جدید خطوط پر استوار کیا ہے، محتاجِ تذکرہ نہیں ہے اور غالباً حکیم عبدالرحیم اشرفؒ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے طبابت میں اجتماعیت اور مشاورت کو رواج دیتے ہوئے مریضوں کے صحیح اور تسلی بخش علاج کے لئے طبّی مشاورتی بورڈ قائم کرنے کی بنیاد ڈالی۔ ان کے قائم کردہ بورڈ میں مریض صرف ایک ہی طبیب کے رحم و کرم پر نہیں ہوتا تھا، بلکہ چند حکماء اور اطباء مل کر اجتماعی صورت میں مرض کی تشخیص اور علاج کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ نے ادویات کی پیکنگ وغیرہ میں دورِ جدید کے تقاضے ملحوظ رکھ کر ایسا معیار قائم کیا کہ ان کے ادارے کو پوری دنیا میں زبردست پذیرائی ملی اور ٹریڈ لیڈرز کلب، سپین نے اوّل ایوارڈ کا مستحق ٹھہرایا۔ یہ بڑا اعزاز ہے جو حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے ادارے کی مستحسن اور اعلیٰ خدمات کے اعتراف کے طور پر عطا ہوا ہے۔

دینی خدمات

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ بنیادی طور پر ایک عالمِ دین اور مذہبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ان کا پیشہ اگرچہ طبابت کا تھا مگر اسلام کی تعلیم اور تبلیغ و اشاعت سے کبھی غافل نہیں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامِ پاکستان سے قبل جب جماعتِ اسلامی ابھی اپنے ابتدائی دور میں قدم رکھ رہی تھی، تو اس جماعت کے چند اوّلین اساسی رہنماؤں

Marfat.com

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور مستری محمد صدیقؒ کے ساتھ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ شانہ بشانہ اور ہم قدم نظر آتے ہیں، تاآنکہ آپ جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ کے اہم ترین رکن شمار ہونے لگے۔ 1953ء کی پہلی اور سب سے بڑی دینی تحریکِ ختمِ نبوت ہمہ گیر ہوئی تو مولانا اشرفؒ نے نہ صرف اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بلکہ قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ اسی تحریک کے منطقی نتیجے میں جب 1974ء میں پھر قادیانیوں کے خلاف تحریک کا آغاز ہوا تو اس میں بھی آپ نے قید و بند کے مراحل طے کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی قیادت و رہنمائی کا بھی حق ادا کیا تھا۔

بھٹو حکومت کے خاتمے کے بعد جنرل محمد ضیاء الحقؒ کا دور آیا تو یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے اور جنرل محمد ضیاء الحقؒ نے اخباری نمائندوں کے سامنے اس کا اعتراف بھی کیا تھا کہ ملک بھر میں واحد دینی و علمی شخصیت مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی ہے جس سے میں فکری و نظری راہنمائی حاصل کرتا ہوں۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ، جنرل ضیاء الحقؒ کے معتمد ترین رفقاء اور مشیروں میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔

مولانا اشرفؒ کو صرف اندرون ملک ہی نہیں بلکہ سعودی عرب کے شیوخ و اکابرین میں بھی زبردست پذیرائی اور اعزاز و اکرام حاصل تھا۔ علاوہ ازیں دنیائے اسلام کی عظیم شخصیات، مصر، اردن، شام، سوڈان اور بھارت وغیرہ ممالک کے جلیل القدر علماء، شیوخ اور دانش ور، فیصل آباد میں مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کے ساتھ بغرضِ ملاقات اور اکتسابِ علم و حکمت کے لئے تشریف لاتے رہتے تھے۔

مثالی تعلیمی ادارے

ملک کے مختلف دینی اور طبّی اداروں کی کارکردگی اور ان کے نظامِ کار کی بابت معلومات حاصل کر لینے اور ان کی خدمات کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت واضح ہوگی کہ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی ہمہ جہت خدمات اور کارکردگی مثالی اور منفرد حیثیت کی حامل ہیں۔
دینی تعلیم کے لئے جامعہ تعلیمات اسلامیہ ہے، اطباء کی تعلیم و تربیت کی خاطر

Marfat.com

طبیہ کالج ہے۔ عوام کی فکری و نظری راہنمائی اور ذہنی بالیدگی و روشنی کے لئے المنبر کے نام سے دینی رسالہ، طبی راہنمائی کے لئے ماہنامہ ''راہنمائے صحت'' اور اصلاحِ عقائد کے لئے بے شمار کتب کی تدوین و تصنیف کا ایک وقیع سلسلہ بھی قائم کر رکھا ہے۔ غرضیکہ راقم الحروف کے حافظے اور حاشیۂ خیال میں جتنے شعبے سما سکتے ہیں، ان کا تذکرہ تو میں نے کر دیا ہے۔ حقیقت میں ان کی ہمہ گیر، ہمہ جہت اور گوناگوں کارکردگی کا مکمل احاطہ تو مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے ہونہار فرزندِ ارجمند ذی صلاحیت، علم و فضل اور دانش و حکمت کی اعلیٰ صلاحیتوں سے متصف ڈاکٹر حکیم زاہد اشرف ہی کر سکتے ہیں کیونکہ وہی اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ کا صحیح مصداق ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے علمی و تحقیقی صلاحیتوں سے خوب خوب نوازا ہے۔ اللہ مزید توفیق سے نوازے۔ آمین

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کے ہونہار فرزندوں میں سے علم و تحقیق کے مشکل کام کو ڈاکٹر زاہد اشرف نے اور طبی تحقیق و فروختِ ادویہ کے نظام کو طارق اشرف نے اور تیاریٔ ادویہ کے نظام کو حامد اشرف نے خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دینے میں خوب محنت کی ہے۔ اسی طرح مولانا کی بچیاں بھی علم و حکمت اور دانش و دانائی کے زیور سے آراستہ، نہایت سلیقہ شعار اور تہذیب و شائستگی سے مالا مال ہیں۔ بہر نوع ان چند غیر مربوط معلومات کے ساتھ اپنے نہایت ہی محترم بھائی اور ہم وطن و ہم فکر مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کی شخصیت کو خراجِ عقیدت پیش کر رہا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کی اولاد اور اہلِ خاندان کو ایک عظیم دینی و ملی شخصیت کے معرکہ آراء کارناموں کو اجاگر کرنے اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں علم و دانش کے جو فانوس روشن کئے تھے، انہیں تابندہ تر کرنے کی توفیق سے نوازتا رہے۔ آمین

Marfat.com

کشادہ ذہن وسلیم الطبع

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی ☆

اللہ غریقِ رحمت کرے، جون ۱۹۹۶ء کی ۲۸ تاریخ کو اپنے شہر فیصل آباد میں انتقال فرما گئے۔ اپنے شہر کے تو بہت ہی نمایاں، اور خود پاکستان کی بھی معروف شخصیتوں میں تھے۔ اپنے خاص فن، طب کی خدمت کے ساتھ ساتھ دین وملت کی بھی خدمت بظاہر برابر ہی کے درجے پر کرتے رہے اور عمر بھی بفضل خدا اسّی (۸۰) کے لگ بھگ پائی۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور رحمتوں سے نوازے۔

حکیم صاحب سے اپنے تعلق کی عمر کم وبیش چالیس سال ہوتی ہے۔ اگر چہ ادھر پندرہ سال سے کوئی رابطہ نہ رکھ سکا تھا، اسی لئے انتقال کی خبر بھی یکایک ۸ جولائی کو پاکستانی اخبار جنگ کے ایک کالم نگار کی تحریر سے ہوئی۔ چونکہ بطور خبر یہ بات نظر سے نہ گزری تھی اور کالم میں تاریخ وغیرہ کا کوئی ذکر نہ تھا، اس لئے پوری تحقیق کے لئے مقامی جمعیۃ اہلحدیث (برطانیہ) کی طرف رجوع کیا۔ امید یہ تھی کہ وہ حضرات باخبر ہوں گے، مگر وہاں سے جواب یہ ملا کہ یہ تو شاید سال بھر پرانا واقعہ ہے۔ تاہم مزید تحقیق کر کے جواب دیں گے۔ اس جواب کے انتظار کو ایک ماہ گزر گیا تھا کہ ان حضرات کا ماہنامہ بابت ماہ اگست آیا، تب اس میں حکیم صاحب پر شائع ہونے والے ایک تعزیتی مضمون سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ جون کی ۲۸/۲۷ کی شب میں پیش آیا۔ افسوس کہ اس تحقیق طلبی کی ضرورت کے نتیجے میں حکیم صاحب جیسے محبّ ومحسن اور مردِ مومن کی تعزیت الفرقان میں اتنی موخر ہوگئی۔ اگر چہ حکیم صاحب کے صاحبزادے کو خط تو جبھی لکھ دیا گیا تھا۔

☆ ممتاز دینی سکالر، مصنف اور دانش ور۔ مدیر اعزازی ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ (بھارت) مقیم لندن۔

Marfat.com

حکیم صاحب سے واقفیت کا آغاز ان کے ہفتہ وار ''المنیر'' سے ہوا تھا جو الفرقان کے تبادلے میں آیا کرتا تھا۔ (اور بعد میں اسی کا نام ایک نقطے کی کمی سے ''المنبر'' ہو گیا) المنیر کب سے آنا شروع ہوا؟ یہ تو یاد نہیں، البتہ ۱۹۵۸ء کا ان کا ایک مضمون الفرقان میں نقل ہوا تھا جو اس وقت سامنے ہے۔ اور اسی سے زیادہ گہرے تعلق کی داغ بیل پڑی۔ اس کی بنیاد پر اتنا تو قطعی ہو جاتا ہے کہ المنیر کی آمد کا آغاز ۱۹۵۸ء سے پہلے کی بات ہے۔

حکیم صاحب سے واقفیت کا آغاز ہوا تو وہ جماعت اسلامی پاکستان کے سرگرم ارکان بلکہ ارکانِ شوریٰ میں تھے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کہ مسلکاً اہلحدیث تھے۔ مگر کچھ ایسی کشادہ ذہنی اور سلامتیِ طبع اللہ کے بندے نے پائی تھی کہ گویا دین کا رشتہ ان کے لئے اصل رشتہ تھا اور باقی تمام باتیں ضمنی اور اس کے کچھ حقوق کی ادائیگی کا ذریعہ۔ چنانچہ ان کی تحریروں میں جہاں دین کے لئے درد و سوز ہوتا تھا وہیں بڑا توازن اور وسیع تر دینی رشتوں کا لحاظ بھی۔ اسی چیز نے حکیم صاحب کے لئے ایک اُنس طبیعت میں پیدا کیا۔

غالباً ۱۹۵۶ء کی بات ہے کہ جماعت اسلامی پاکستان ایک بڑے بحران سے دوچار ہوئی اور اس کا خاتمہ جماعت کے ایک خاصے حصے کی علیحدگی پر ہوا، جس میں اربابِ قیادت اور ارکانِ شوریٰ کا حصہ خاص طور پر زیادہ تھا، اور اسی حصے میں حکیم صاحب بھی آتے تھے، یعنی وہ جماعت سے الگ ہوئے۔ بحران کی اصل بنیاد ۵۱ یا ۱۹۵۲ء میں پنجاب اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینے کے تجربے سے گزر کر پیدا ہونے والا یہ سوال تھا کہ کیا انتخابات میں حصہ لینے کی پالیسی جماعت کے لئے مناسب ہے؟ اور اس کے ذریعے امکان ہے کہ اقامتِ دین کا مقصد حاصل ہو جائے؟ یا بجائے یہ مقصد حاصل ہونے کے جماعت اپنا دینی اور اخلاقی سرمایہ بھی خدانخواستہ کھو بیٹھے گی؟ امیرِ جماعت سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو انتخابات میں حصہ لینے کی پالیسی جاری رکھنے پر اصرار تھا اور اس اصرار کے نتیجے میں کچھ دوسرے تنظیمی اور دستوری مسائل بھی کھڑے ہو گئے۔ حکیم صاحب وغیرہ کی علیحدگی کے بعد مودودی صاحب نے اپنے نقطۂ نظر کے حق میں تحریروں کا ایک سلسلہ شروع فرمایا تو بیرونِ جماعت کے ایک صاحب نے اس نقطۂ نظر کے بعض پہلوؤں کی خطرناکی پر ان کو توجہ دلانے کی کوشش کی جس کے جواب میں

Marfat.com

مودودی صاحب نے تحریکوں کے مزاج کا ایک فلسفہ بیان کیا جس کی رو سے تحریکِ اسلامی کے قائد کو بھی عملی حکمت اور مصلحت کے ماتحت بعض وقت لازم اور ناگزیر ہوگا کہ وہ عام شرعی اصول وضوابط سے صرفِ نظر کرلے۔ کچھ تحریری سلسلہ حکیم صاحب کے المنبر میں بھی چل رہا تھا، اسی ضمن میں حکیم صاحب نے اس موضوع پر ایک مضمون ''دین کو تحریک سمجھنے کی ہلاکت آفرینیاں'' کے عنوان سے تحریر فرمایا۔

حکیم صاحب کے اس مضمون کا حاصل یہ نکلتا تھا کہ یہ غلطی خود اُن کی تھی کہ مودودی صاحب جب ابتداء ہی میں دین کو ایک تحریک کے عنوان سے پیش کر رہے تھے تو وہ اور اُن جیسے دوسرے لوگ اس بات کا ادراک نہ کرسکے کہ اس لفظ میں ایک دینی جماعت کے لئے وہ تمام ہلاکت آفرینیاں پنہاں تھیں جن کو آج اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر وہ حیران ہو رہے ہیں کہ یہ کہاں سے آگئیں!

حکیم صاحب کا یہ تجزیہ نظر سے گزرا تو اپنے ذہن کی ایک بڑی گرہ کھل گئی۔ وہ یہ تھی کہ ہمارے سارے ہی بزرگ (بزرگانِ دیوبند) جو اس تحریک سے سخت اختلاف کر رہے ہیں، ان کے دلائل کچھ دل کو نہیں لگتے، لیکن اُن میں ایسی ایسی ہستیاں ہیں کہ ان کی شدتِ اختلاف کو نظر انداز کردینا بھی آسان نہیں۔ حکیم صاحب کے تجزیے نے یہ گرہ اس طرح کھولی کہ گویا علامہ اقبال کی زبان میں یہ ''اُو را خبر ما را نظر'' اور ''او دردنِ خانہ ما بیرونِ در'' والی بات تھی یعنی ان حضرات کے قلوبِ مصفّٰی پر وہ برگ وبار کسی درجے میں منعکس (Reflect) ہوگئے تھے جو اس تحریک کے پودے پر مستقبل میں نمایاں ہونے والے تھے، پس ان بزرگوں کی شدتِ اختلاف اسی انعکاس (Reflection) کی وجہ سے تھی۔ اگرچہ معاملہ پوشیدہ ہونے کی بنا پر دلائل اُن کے ہاتھ صحیح صحیح نہیں لگ رہے تھے۔

حکیم صاحب کی تحریر سے اپنا یہ تأثر ظاہر کرنے کے لئے الفرقان میں ایک مضمون ''قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید'' کے عنوان سے لکھا گیا۔ (رمضان، شوال ۱۳۷۷ھ) اس میں حکیم صاحب کی تحریر بھی نقل ہوئی، اور اس نقل میں کہیئے کہ وہ دو آتشہ ہوگئی۔ اس دو آتشہ کا

Marfat.com

قدر دان حکیم صاحب سے بڑھ کر کون ہو سکتا تھا؟ مزید یہ ہوا کہ الفرقان کے اس مضمون کا جواب خود مودودی صاحب ہی کے قلم سے ان کے ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' میں نکلا اور اس میں انہوں نے سیرت و شریعت کے حوالے سے نو دس مثالیں اپنے اس نظریے کی تائید میں پیش فرمائیں کہ عملی حکمت و مصلحت کے تحت قائدِ تحریکِ اسلامی کو اساسیات (Basics) کے سوا ہر اصول و ضابطے کی پابندی نرم یا نظر انداز کر دینے کا حق ہے۔ اس پر الفرقان میں ایک مفصل مضمون ''دین میں حکمتِ عملی کا مقام'' لکھا گیا جو چار قسطوں میں مکمل ہوا۔ [1]

واقعات کا یہ پورا سلسلہ حکیم صاحب کے دل میں بڑی محبت آفرینی کا باعث بن گیا۔ جس کا پورا اظہار اس وقت ہوا جب چند ہی مہینے کے بعد راقم السطور کو الفرقان کے ایک کام سے لاہور کا سفر کرنا پڑا۔ حکیم صاحب وہیں آکر ملے۔ پھر لائل پور (حال فیصل آباد) کی دعوت دی، اور وہاں حاضری پر بڑا ہی اعزاز و اکرام فرمایا۔ اور پھر بحیثیتِ طبیب وہ ایک عرصہ دراز میرے محسن و معالج بنے رہے۔

میری صحت بچپن سے ہی کچھ مضبوط نہ تھی۔ الفرقان کی ذمہ داری کی شکل میں لکھنے پڑھنے کا شغل حصے میں آیا تو دماغی و اعصابی کمزوری اور اس کے ساتھ قبض زندگی کا حصہ بن گئی۔ لائل پور کے دو ڈھائی روزہ قیام میں موصوف میری ان شکایات سے واقف ہوئے، تو وہ چونکہ حکیم ہی نہ تھے ایک بڑے طبی ادارے اشرف لیبارٹریز کے مالک بھی تھے، اس لئے اپنے دواخانہ کی تیار کردہ کچھ دوائیں عنایت فرمائیں۔ اور پھر جب لکھنؤ سے دواؤں کے مفید اثر کی اطلاع حکیم صاحب کو شکریے کے ساتھ دی تو کچھ کچھ وقفے کے بعد ان دواؤں کے پیکٹ بذریعۂ ڈاک حکیم صاحب کے یہاں سے آنے کا ایک سلسلہ بندھ گیا۔ ان میں سے بعض دواؤں کے بارے میں تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ نہایت قیمتی تھیں۔ یہ سلسلہ کب تک

---

[1]: پورا قصہ مجھے پاکستان کے گزشتہ انتخابات کے موقع پر بہت یاد آتا رہا، جبکہ موجودہ امیر جماعت اسلامی پر خود جماعت کے بزرگوں نے، جن میں میاں طفیل محمد سب سے پیش پیش تھے، یہ اعتراض کیا کہ انہوں نے الیکشن جیتنے کی خاطر ہر طور طریق کو جائز رکھا، مجھے یہ یوں یاد آتا رہا کہ آخر قاضی حسین احمد صاحب پر ان اعتراضات کا جواز کیا ہے؟ جبکہ ان کے عمل کے لئے اصولی جواز تو بانیٔ جماعت کے نظریہ حکمتِ عملی میں موجود ہے؟ رہا تفصیلات کا معاملہ تو اس میں آدمی سے اجتہادی غلطی بھی ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

جاری رہا؟ اب اچھی طرح یاد نہیں خیال یہ ہے کہ جب تک میں نے یہ نہ لکھا ہوگا کہ میری شکایات نے بالآخر آپ کی دواؤں کے اثر سے بھی حسبِ دستور نپٹ لینے میں کامیابی حاصل کر لی ہے، اس وقت تک عنایاتِ اشرفی کا یہ سلسلہ ضرور جاری رہا ہوگا۔ دعا ہے کہ اللہ کے دربارِ کرم سے ان مخلصانہ عنایات کا بیش از بیش صلہ مرحوم کو میسر آئے۔

حکیم صاحب کے انتقال کی خبر ''جنگ'' کے جس کالم نگار کی تحریر سے ملی تھی، اس میں ان کے محاسن کے ضمن میں اس بات کا خاص طور سے ذکر تھا کہ اللہ نے ان کو اپنے دواخانے کے ذریعے جس کشائش و فراخی سے نوازا تھا، ویسے ہی دل بھی بہت فراخ دیا تھا، اور اس بارے میں کئی اصحاب کے نام سے، جن میں سے بعض آج بہت معروف لوگ ہیں، متعدد واقعات و بیانات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔

....

افسوس ہے کہ ۱۹۷۶ء میں لندن آجانے کے بعد حکیم صاحب سے رابطہ نہ رہ سکا۔ وہ ایک مرتبہ انگلستان تشریف لائے تو میں ہندوستان گیا ہوا تھا۔ واپس آکر سنا تو بڑا افسوس ہوا۔ یاد نہیں کہ میرے لندن آنے کے کتنے دن کے بعد اپنا المنبر مجھے بھیجنا شروع کر دیا تھا۔ بہت عرصے تک آتا رہا۔ مگر میرا وہ وقت کچھ ایسی بدمزگی کے عالم میں گزر رہا تھا کہ شکریے تک کا ایک خط بھی حکیم صاحب کو نہ لکھ سکا۔ کئی سال تک آتے رہنے کے بعد بالآخر بند ہو گیا۔ غالباً ۸۲۔۸۳ء سے مراوہ عالم بدلا تو کسی وقت حکیم صاحب کو معذرت کا خط لکھا۔ مگر اللہ جانے وہ پہنچا نہیں یا کیا ہوا کہ اس کا کوئی جواب نہیں آیا، اور یہ انقطاع باقی ہی رہ گیا۔

اخبار جنگ کے جس کالم سے حکیم صاحب کی وفات کی خبر ملی، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ادھر چند سال سے حکیم صاحب کی یادداشت کھوگئی تھی۔ اس سے مزید افسوس ہوا کہ پہلے سے پتہ ہوا ہوتا تو صاحبزادگان سے اس بارے میں اظہارِ ہمدردی کا موقع مل جاتا، مگر یادداشت کھوجانے کے باوجود یہ بات، جیسا کہ کالم نگار نے لکھا ہے کہ وہ باقاعدہ مطب کرتے رہے۔ اور اس کا مشکل ہی سے کسی کو اندازہ ہوتا تھا کہ وہ پہچان نہیں رہے ہیں۔ اسے ایک غیر

Marfat.com

معمولی فضلِ الٰہی ہی کہا جا سکتا ہے۔ امید ہے کہ اللہ نے موت کے بعد ان کو مزید ایسے ہی غیر معمولی افضال سے نوازا ہوگا۔

یہ تو حکیم صاحب کی میرے ساتھ محبت و عنایات کی داستان تھی۔ والد ماجد رحمہ اللہ کے ساتھ اُن کے حسب مرتبہ اور بھی زیادہ تعلق تھا۔ والد ماجد کا پاکستان کا آخری سفر غالباً جنرل ضیاء الحق" کے ابتدائی دور میں رابطۂ عالمِ اسلامی کی کانفرنس (کراچی) میں شرکت کے لئے ہوا تھا۔ حکیم صاحب اس وقت سعودی عرب میں تھے۔ پتہ چلا کہ ہندوستان سے مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی بھی کراچی آئے ہوئے ہیں تو اپنا سفر مختصر کر کے اس لئے کراچی پہنچے کہ ان حضرات کو فیصل آباد پہنچائیں۔ چنانچہ والد ماجد کو تو وہ لے جانے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ جلسہ ہوا تو حکیم صاحب اس میں شرکت کے لئے ہندوستان تشریف لے گئے اور پھر خاص طور سے ملاقات ہی کے لئے لکھنؤ کا بھی سفر فرمایا۔

....

حکیم صاحب کے دواخانے کا ذکر ضمناً تو اوپر آیا، لیکن وہ اس سے زیادہ کا مستحق ہے۔ یہ اشرف لیبارٹریز کے نام سے دراصل ہمدرد دواخانے کی طرز پر طبی تحقیقات کا ایک ادارہ تھا۔ اور اگر ہندوستان کا ہمدرد حکیم محمد سعید صاحب کے ذریعے پاکستان نہ پہنچ گیا ہوتا تو بظاہر یہ پاکستان کا سب سے بڑا طبی ادارہ ہوتا۔ حکیم صاحب کی شخصیت میں اس کے تمام علمی و عملی لوازمات موجود تھے۔ اس ادارے میں اللہ نے ان کو جو برکت و فراوانی عطا فرمائی تو دوسری فیاضیوں اور فراخ دستیوں کے علاوہ انہوں نے فیصل آباد میں دینی تعلیم کا ایک ادارہ جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ بھی اپنے دینی رفقاء مولانا عبدالغفار حسن صاحب وغیرہ کے تعاون سے قائم فرمایا۔ اور اس میں راقم السطور کی نظر سے خاص طور پر دیکھے جانے اور قدر کیے جانے کی بات یہ ہے کہ اپنی اور اپنے رفقاء کی اہلحدیثیت کے باوجود مرحوم نے اس کے نام میں "سلفیہ" یا "اثریہ" وغیرہ کا کوئی عام طور پر مروجہ جزو شامل نہیں کیا جس کے ذریعے عام مسلمانوں کے بیچ میں

Marfat.com

اپنے ایک جداگانہ تشخص (اور بالفاظ دیگر دینی فرقہ واریت) کا اظہار ہوا کرتا ہے۔ کاش حکیم صاحب کی یہ مثال قبولِ عام حاصل کرتی۔

مگر یہ کام اور یہ وصف کہاں ایسا آسان ہے؟ ابھی ایک دو ماہ کا عرصہ ہوتا ہے، ایک کتاب نظر سے گزری ''اسباب اختلاف الفقہاء'' شروع میں مصنف کی کچھ علمیت کا تأثر ہوا تو ذرا آگے تک پڑھی، اور پھر افسوس کے ساتھ بند کر دی کہ یا اللہ اس زمانے میں بھی ایسے فرقہ وارانہ تعصب کی ذہنیت اہلِ علم میں کارفرما ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اگر کسی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اُن کے بارے میں کچھ محدثین کی یہ رائے واقعے کے مطابق نہیں کہ وہ علمِ حدیث میں کمتر تھے یا حفظ اور ضبط کے اوصافِ محدثین اُن میں کمزور تھے تو اس کی تردید میں ایک علمی فریضہ ادا کرنے کے طور سے ایک کتاب لکھی جائے۔ الغرض اس کتاب کا اصل موضوع یہی نکلا۔ اب حکیم صاحب کی اس معاملے میں خصوصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ کتاب پوری یاد آ گئی کہ اس کے مصنف کا جو نام تھا (اور فیصل آباد ہی ان کا مقام تھا) وہی نام دیکھا کہ حکیم صاحب کی نماز جنازہ کی امامت فرمانے والے محترم کا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ حکیم صاحب کے رفقاء اور اہلِ خانہ کے لئے ضرور کوئی نہایت محترم بزرگ شخصیت ہوں گے، جو امامت کا مقام اُن کو حاصل ہوا، مگر اس قرب و تعلق اور پھر علمیت کے باوجود وہ اس وصفِ کمیاب و بلند سے قرب حاصل نہ فرما سکے جو حکیم صاحب کی خصوصیت تھی۔ اور ایسے ہی ہمارے یہاں (برطانیہ) میں ایک حکیم صاحب جیسے ہی وصف اور شہرت کے بزرگ عالم کے صاحبزادے ہوتے ہیں (خود بھی صاحبِ علم اور جامعِ قدیم و جدید ہیں) کہ ایک سال ڈیڑھ سال پہلے امریکہ کا دورہ کر کے آئے تو ہم لوگوں کو جو خاص خوشخبری امریکہ کے بارے میں ملی وہ یہ تھی کہ وہاں سلفیت الحمدللہ خوب تیزی سے پھیل رہی ہے۔ تو یہ شئی ایسی کمیاب ہے کہ باپ سے بیٹے میں منتقل ہونا بھی ضروری نہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ حکیم صاحب کو اعلیٰ ترین مغفرت و رحمت سے نوازے، خاص طور سے بندوں کے ساتھ ان کی بھلائیوں کا بھرپور بدلہ ان کو عنایت ہو، اور کاش ان کی مثال بھی قائم ہو سکے۔ آمین یا اکرم المکرمین۔

Marfat.com

مجاہدِ اسلام

مولانا عبدالمالک ☆

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ ان علماء میں سے تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت اور فقہ اسلامی میں گہرا فہم عطا فرمایا تھا۔ وہ علمِ دین کی اشاعت کے لئے فکرمند رہتے تھے۔ اس میدان میں انہوں نے بڑی محنت کی، مسلسل دوڑ دھوپ اور دن رات ایک کرنے کے بعد انہوں نے جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ قائم کیا، اسے علمی لحاظ سے معیاری مقام تک پہنچایا۔ آج وہ پاکستان کی دینی جامعات میں ممتاز مقام رکھتا ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے فکرمندی، فعالیت اور نصب العین کے لئے جدوجہد اور رابطوں کی صلاحیت سے نوازا تھا۔ وہ اُمت کی تعمیر و ترقی، اسلامی اقدار و روایات کے فروغ اور فرقِ باطلہ کے شر سے اُمت کو بچانے کے لئے سوچتے رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں وہ اندرون و بیرون ملک کی علمی شخصیات اور مراجع سے مسلسل رابطہ میں رہتے تھے۔ مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، داعیٔ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی، مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع، حضرت مولانا یوسف بنوری، سعودی عرب کے مفتیٔ اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور دیگر سعودی علماء کرام، غرضیکہ عرب و عجم کے اساطینِ علم و دعوت سے ان کا رابطہ قائم رہتا تھا اور اس طرح وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ مفتی سید سیاح الدین کاکاخیل، مفتی زین العابدین، مولانا عبدالغفار حسن اور مولانا تاج محمود

☆ شیخ الحدیث جامعہ مرکز علوم اسلامیہ، منصورہ، لاہور۔ صدر جمعیت اتحاد العلماء پاکستان۔ ناظم اعلیٰ رابطہ المدارس الاسلامیہ پاکستان۔ سابق ممبر قومی اسمبلی۔ سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل، پاکستان۔

Marfat.com

رحمہم اللہ تعالیٰ تو ان کے شریکِ کار کی حیثیت رکھتے تھے۔

وہ ان کے ذریعہ ہمہ وقت تبلیغی جماعت، جماعتِ اسلامی اور تحریکِ ختمِ نبوتؐ کے حالات، پروگرام اور پالیسیوں سے باخبر رہتے تھے۔ اپنے مشورے مسلسل ان تک پہنچاتے رہتے تھے اور ان سے مشورے لیتے رہتے تھے۔ قادیانیت اور پرویزیت کے مسلسل تعاقب میں رہتے تھے اور اس وجہ سے وہ قادیانیت اور قادیانی نواز افسروں کا نشانہ بنتے تھے۔

1963ء سے لے کر 1967ء تک مَیں جامعہ عربیہ، چنیوٹ میں تھا۔ مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کو اللہ تعالیٰ نے قادیانیت کے خلاف کام کرنے کا بڑا جذبہ دیا تھا۔ وہ اپنی سرگرمیوں کے سلسلہ میں حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ رکھتے، ان سے تعاون لیتے اور تعاون کرتے۔ انہوں نے حیاتِ مسیح علیہ السلام پر شیخ عبدالعزیز بن بازؒ سے فتویٰ حاصل کیا، جسے المنیر میں شائع کرایا۔

مرحوم نے فیصل آباد میں دعوتی، تعلیمی اور تربیتی مجالس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان دعوتی، تعلیمی اور تربیتی پروگراموں کے روحِ رواں تو وہ خود ہی ہوتے تھے، لیکن دوسرے علماء کرام خصوصاً مولانا شریف اشرف مرحوم، جو جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ میں استاد رہ چکے تھے، اور مولانا عبدالغفار حسنؒ (مولانا بھی کافی عرصہ مدینہ طیبہ میں استاد رہ چکے تھے) ان کی زینت اور کشش کا ذریعہ ہوتے تھے۔ فیصل آباد زرعی یونیورسٹی، منشی محلّہ کی مسجد اور جامع مسجد اہلِ حدیث امین پور بازار اور شہر کے دوسرے علاقے ان اہلِ علم و دانش کا مرجع ہوتے۔ امین پور بازار کے بعد جناح کالونی اور جناح کالونی کے بعد سرگودھا روڈ تک کا سفر طے ہونے میں کافی وقت لگا، لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے پوری رفتار سے سفر جاری رکھا، جس کے نتیجے میں جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ اور جامعہ طبیہ اسلامیہ عظیم الشان چشموں کی حیثیت سے آج تشنگانِ علوم کو سیراب کر رہے ہیں۔ وہ خود تو اس دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن ان کا سلسلۂ عمل جاری و ساری ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فروعی اور اختلافی مسائل میں اُلجھنے اور کسی مسلک کی مذمت

Marfat.com

میں صلاحیتیں صرف کرنے کے قائل نہ تھے۔ وہ اپنی تمام صلاحیتوں اور وسائل کو اسلام کی بالادستی میں کھپانے کا جذبہ رکھتے تھے۔ اس لئے ان کے کام کا بہت بڑا حصہ ''اتحادِ اُمت'' کے لئے وقف تھا۔ اس کام میں وہ پیش پیش رہتے تھے۔ ملک کی ممتاز علمی شخصیات کو فیصل آباد میں جمع کرتے اور ''اتحادِ اُمت'' کے نصب العین کو آگے بڑھانے اور اس مشن کو تحریک کی شکل دے کر پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں سرگرم عمل رہتے۔ مفتیٔ اعظم پاکستان محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس موضوع پر ایک اہم تقریر ''وحدتِ اُمت'' جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ، جناح کالونی میں ہوئی تھی جسے پہلے المنبر میں اور بعدازاں پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا گیا۔ جمعیت اتحاد العلماء پاکستان اتحادِ اُمت کے سلسلہ میں اُن کے علم و فضل سے استفادہ کرتی، اس غرض سے ان سے رہنمائی لینے کے لئے ان کے ہاں حاضری دی جاتی۔ مفتی سیاح الدین کاکا خیلؒ، مولانا گلزار احمد مظاہریؒ اور علامہ عبدالرشید ارشدؒ کی معیّت میں بارہا حکیم صاحب سے ملاقاتیں ہوتیں، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی میزبانی سے لطف اندوز ہوتے اور عزائم وارشادات سے تقویت حاصل کرتے۔ اتحادِ اُمت اور غلبۂ اسلام کے لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کاوشوں کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اسے سمیٹنے کے لئے ایک بڑی کتاب چاہیے۔

لادینی تحریکوں کی مزاحمت

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جماعتِ اسلامی کے پلیٹ فارم سے جو خدمات سرانجام دیں، اس کی تعریف عام و خاص کی زبان پر ہے۔ جماعتِ اسلامی سے علیٰحدگی کے بعد اپنے طور پر جو کام کیا وہ بھی ایک وسیع داستان ہے۔ مختصراً دورِ ایوبی اور اس کے بعد کے چند اہم کارناموں کا تذکرہ درج ذیل ہے:

جنرل محمد ایوب خان نے اپنے دور میں بہت سے لادینی کام کئے۔ اسلام کے عائلی قوانین میں تبدیلی ان کا سیاہ ترین کارنامہ ہے۔ اس میدان میں وہ انگریز سے بھی بازی لے گئے۔ علماء نے متفقہ طور پر ان تبدیلیوں کو مسترد کیا، اس کے خلاف تحریک برپا کی۔ مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اور

Marfat.com

دیگر اکابر نے اس کے خلاف علماء کو منظّم کیا۔ جماعتِ اسلامی اور دینی جماعتوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر و تحریر اور تحریک کے ذریعہ ایوب خان کے اس سیاہ کارنامے کے خلاف بھرپور جدوجہد کی۔ جنرل صاحب پاکستان کو صرف جمہوریہ پاکستان کا نام دے کر اسے سیکولر ریاست بنانا چاہتے تھے، ان کے اس منصوبے کو اہلِ دین نے ناکام بنایا۔ حکیم صاحب نے اس باب میں زبردست جدوجہد کی۔ جنرل صاحب کے خلاف تحریک برپا ہوگئی اور وہ زوال سے دوچار ہوگئے۔

سوشلزم کے خلاف تحریک

جنرل ایوب خان کا زوال شروع ہوا تو مغرب نے مغربی پاکستان میں سوشلزم، اور مشرقی پاکستان میں بنگلہ قومیت کے نام سے سیاست کے سٹیج پر ذوالفقار علی بھٹو اور شیخ مجیب الرحمٰن کو ایوب خان کے متبادل کے طور پر لا کھڑا کیا۔ پھر کیا تھا، ایک طوفانِ بدتمیزی تھا جو برپا ہوا۔ کوچہ و بازار، شہر و دیہات، ترنگے جھنڈوں کی گندگی سے آلودہ ہو گئے لیکن اہلِ دین نے اس طوفان کا مقابلہ کیا۔ وہ ڈٹ کر میدان میں کھڑے ہو گئے۔

مغربی پاکستان میں سوشلزم اور مشرقی پاکستان میں بنگلہ قومیت کے طوفان نے ملک کو دولخت کر دیا۔ پاکستان سے بنگلہ دیش وجود میں آ گیا۔ مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو، ماؤزے تنگ بن کر ابھرا، اور مشرقی پاکستان میں مجیب الرحمٰن بنگلہ بندھو بن کر برسرِ اقتدار آ گیا۔ اس شیطانی طوفان کے نتیجے میں دنیائے کفر اور اس کے ایجنٹوں نے اسلامی تحریک و علماء کو نشانۂ تضحیک و تحقیر بنایا۔ وہ یہ امیدیں لگائے بیٹھ گئے کہ آج کل میں اسلام کے عَلَم برداروں کا کام تمام ہونے والا ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ سوشلزم اور نیشنلزم کے طوفان کا بے سروسامان لوگ کب تک مقابلہ کریں گے، لیکن دنیا نے اس گئے گزرے دور میں بھی یہ منظر دیکھا کہ فرزندانِ اسلام اور علماءِ اُمت نے نہ صرف طوفان کا رخ پھیر دیا بلکہ انہیں هَبَاءً مَّنْثُوراً کر کے رکھ دیا۔ ان باطل تحریکوں کے دورِ آغاز 1970ء سے لے کر 1977ء تک جو عظیم جدوجہد کی گئی اس کے نتیجہ میں 1977ء میں تحریکِ نظامِ مصطفیٰ

Marfat.com

طوفان بن کر اُٹھی۔ مسلمان بلا تمیزِ مسلک و مشرب، لا دینیت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، حتیٰ کہ عورتیں، بوڑھے اور بچے بھی سوشلزم پر اللہ کا غضب بن کر ٹوٹ پڑے جس کے نتیجہ میں سوشلزم کا بچھڑا پاش پاش ہوگیا اور بنگلہ قومیت کے پجاری کے بعد سوشلزم کا سامری اپنے عبرتناک انجام سے دوچار ہوا۔

سوشلزم کے خلاف تحریک اٹھانے میں جن شخصیات نے نمایاں کردار ادا کیا، ان میں حکیم صاحب کے زبان و قلم سے رابطوں اور منظّم جدوجہد کا بہت بڑا حصہ ہے۔

1968-69ء میں ملک بھر میں سوشلزم کے خلاف مرکزی جمعیت علماءِ اسلام کو منظّم کیا گیا، اس کے لئے مولانا احتشام الحق تھانویؒ کو فیصل آباد بلایا گیا۔ مدرسہ اشاعت العلوم لکڑ منڈی میں علماء کا اجتماع ہوا۔ مولانا مفتی جمیل تھانویؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے ہمراہ تنظیم سازی کر رہے تھے۔ فیصل آباد میں تنظیم قائم کرنے کے لئے جو جدوجہد کی گئی اسے نظر انداز کر کے تنظیم بنائی جا رہی تھی، مفتی سیاح الدینؒ ناراض ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ناراض نہ ہوں، حکیم عبدالمجید نابیناؒ اور حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کو بلائیں اور ان کے مشورے سے کوئی قدم اٹھائیں۔

ان دونوں شخصیات کو بلایا گیا، میں نے ان کے سامنے صورتِ حال بیان کی، دونوں بزرگوں نے پوچھا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ مولانا اسحٰق چیمہؒ کو صدر اور مولانا شمس الرحمٰن افغانیؒ کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا جائے۔ دونوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ چنانچہ حکیم عبدالمجید نابینا صاحبؒ جو صدر جلسہ تھے، نے سٹیج سے تنظیم کا اعلان کر دیا اور سٹیج کی صدارت صدر کو اور سیکرٹری شپ سیکرٹری کے حوالے کر دی۔ مفتی جمیل احمد تھانویؒ اور فیصل آباد کے تمام علماء نے ان دو شخصیات کے فیصلہ کو صدقِ دل سے تسلیم کیا۔ یہ تھا ان کا اثر و رسوخ اور مقام و مرتبہ۔ مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے مولانا محمد اسحٰق چیمہ مرحوم کی صدارت میں خطاب کیا اور سٹیج سیکرٹری مولانا شمس الرحمٰن افغانیؒ نے افتتاحی تقریر کر کے، مولانا احتشام الحقؒ کو خطاب کی دعوت دی۔ مولانا تھانویؒ نے ، گھنٹے

Marfat.com

تقریر کی اور تنظیم کی منظوری دے دی۔ جب تک مرکزی جمعیت علماءِ اسلام قائم رہی اس وقت تک یہی تنظیم کام کرتی رہی۔

تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ میں قربانی

اپریل 1977ء تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ کا دورِ عروج تھا۔ اسی مہینہ میں دھوبی گھاٹ سے غلام محمد آباد کے قبرستان تک ایک تاریخی جلوس دس علماء کی قیادت میں نکالنے کا فیصلہ ہوا۔ پروگرام کے مطابق دھوبی گھاٹ میں جلسہ ہوا۔ ممتاز علماء کرام نے خطاب کیا۔ جلسے اور جلوس کا منتظم یہ ناچیز تھا۔ محترم حکیم صاحب کی تقریر باقی تھی کہ حضرت مولانا تاج محمود صاحبؒ نے فرمایا: جلوس روانہ کیا جائے۔ مَیں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا کی تقریر رہتی ہے۔ انہوں نے فرمایا، مولانا کی تقریر جلوس کے اختتام پر کرادی جائے۔ چنانچہ دس علماء کی قیادت میں جلوس قبرستان پہنچا۔ ان علماء میں مولانا تاج محمودؒ، مولانا صاحبزادہ فضل رسول، صاحبزادہ فضل کریم، حکیم صاحب مرحوم اور دیگر علماء کرام شامل تھے۔ قبرستان پہنچے تو میں نے جماعت کے کارکنوں سے کہا کہ وہ محترم جناب حکیم صاحب کو دیوار پر کھڑا کریں تاکہ دعا سے پہلے وہ خطاب فرمائیں۔ مولانا کو دیوار پر چڑھایا گیا تو اس کے ساتھ ہی گولیاں برسنا شروع ہوگئیں، جس پر مولانا تاج محمودؒ نے فرمایا کہ دعا کرادی جائے۔ مولانا نے دعا کرائی کہ اتنے میں وسیع پیمانے پر شیلنگ کی وجہ سے سراسیمگی پھیل گئی۔ ہمیں صورتحال کا کچھ پتہ نہ تھا، صرف گولیوں کی بوچھاڑ سے کان کے پردے پھٹ رہے تھے۔ گولیاں قریب سے گزر رہی تھیں۔ قبرستان کے شیڈوں پر ان کے گرنے سے خوف و ہراس میں اضافہ ہو رہا تھا۔ میں نے مرزا عبدالحمید (ڈھڈی والا والے) کو باہر سڑک پر صورتحال معلوم کرنے کے لئے بھیجا تو وہ ایک کارکن، جس کی ٹانگوں میں گولیاں لگی تھیں، کو اٹھائے بھاگتے ہوئے واپس آئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ زخمی کو کسی قریبی گھر میں پہنچادیں تاکہ وہاں ابتدائی مرہم پٹی کے بعد ہسپتال پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ ہم قبرستان کے قبوں اور شیڈوں کی پناہ میں آگے بڑھتے ہوئے قبرستان کی دیوار کے اس حصے کے قریب پہنچ گئے

Marfat.com

جو زرعی یونیورسٹی کی جانب تھی اور جہاں اساتذہ کی کوٹھیاں تھیں۔ حسنِ اتفاق کہ پہلی کوٹھی جو ہمارے سامنے آئی وہ ہمارے دوست پروفیسر عبدالقیوم کی تھی۔ ہم ڈی ٹائپ کالونی کے زخمی کارکن کو لے کر ان کی کوٹھی میں داخل ہوئے، انہوں نے ہمارا خیر مقدم کیا اور زخمی کی مرہم پٹی اور علاج معالجہ کے سلسلہ میں تسلی دی۔ ہم نے اس کے گھر فون کے ذریعہ اطلاع دی۔ بعد ازاں پروفیسر صاحب سے کہا کہ گاڑی نکالیں تاکہ ہم اسے ہسپتال پہنچائیں۔ پروفیسر صاحب نے فرمایا: یہاں دائیں بائیں پولیس اور فوج نے گھیراؤ کیا ہوا ہے، آپ اونچی آواز میں بات نہ کریں اور باہر بھی نہ نکلیں، لیکن میں نے اور میرے ساتھیوں نے اصرار کیا کہ ہم زخمی کو ہسپتال پہنچائیں گے۔ پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ آپ کو اصرار ہے تو میں گاڑی لے آتا ہوں۔ وہ گاڑی لے آئے، مرزا عبدالحمید زخمی کو لے کر پیچھے بیٹھ گئے، میں آگے بیٹھ گیا اور پروفیسر صاحب نے ڈرائیونگ شروع کر دی۔ گاڑی ان کے گھر سے بیس قدم کے فاصلے پر چوک میں پہنچی تو چاروں طرف سے پولیس سے بھرے ہوئے ٹرکوں نے گھیراؤ کر لیا۔ پھر پولیس کی ایک جیپ نے ہمارے گاڑی روک کر اترنے کو کہا۔ ہم نے زخمی کو ہسپتال پہنچانے کا عذر پیش کیا لیکن پولیس نے کہا کہ زخمی کو ہم خود لے جائیں گے، آپ گرفتار ہیں۔ چنانچہ ہمیں گرفتار کر لیا گیا۔

گرفتار کر کے ہمیں تھانے میں لے گئے تو سڑک اور تھانے کے درمیان دو تین فرلانگ تک دو رویہ پولیس والے کھڑے تھے۔ تھانہ پہنچے تو کربلا کا منظر تھا۔ جلوس میں شریک علماء اور کارکن زخموں سے چُور تھے اور تھانے کا صحن زخمیوں سے بھرا ہوا تھا۔ لوگ زخموں سے کراہ رہے تھے، جن سے خون جاری تھا۔ جسم سوج گئے تھے اور حکیم صاحب اپنے چند افرادِ کنبہ کے ساتھ زخموں سے نڈھال تھے۔ خود زخمی، حکیم صاحب کے بھائی عبدالمجید صاحب زخمی،، ہونہار اور معصوم صاحبزادے بھی زخموں سے چُور چُور تھے۔ یہ دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے کہ آج اس موقع پر ظلم کی انتہا ہو گئی، پولیس نے پورے علاقے کا محاصرہ کر لیا اور جلوس کے شرکاء اور عام لوگوں پر تشدد کی انتہا کر دی۔

Marfat.com

گولیاں اتنی زیادہ برسائی گئیں کہ بے شمار لوگوں کے قتل کی افواہیں پھیل گئیں، جو ایک مہینہ کے بعد کہیں جا کر رفع ہوئیں۔

تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ نے بھٹو کا تختِ اقتدار اُلٹ دیا اور اسے تختۂ دار پر لٹکا دیا۔

جنرل ضیاء الحقؒ کا دور

جنرل محمد ضیاء الحقؒ تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ کے نعرہ کو عملی جامہ پہنانے کے دعوے کے ساتھ برسرِ اقتدار آئے، چنانچہ جنرل صاحب نے تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ کی قیادت کو اقتدار میں شمولیت کی دعوت دی جسے قبول کر لیا گیا۔ اس دوران میں حدود کے قوانین تیار ہوئے جنہیں نافذ کر دیا گیا۔ قومی اتحاد نے جنرل صاحب سے اتنا کام لینے پر اکتفا کرتے ہوئے اقتدار میں مزید شرکت سے معذرت کر لی اور وزارتوں سے استعفے دے دیئے۔

قومی اتحاد سے علیحدگی کے بعد جنرل محمد ضیاء الحقؒ نے ملک کے علماءِ کرام اور دینی جماعتوں سے تعاون مانگا، مجلسِ شوریٰ قائم کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس دوران میں جنرل صاحب نے علماء کے تعاون سے دستور میں اسلامی دفعات شامل کیں، دینی مدارس کی سندات کی علمی حیثیت کو تسلیم کیا۔ اس تعاون میں جن علماء کا نمایاں حصہ ہے ان میں میاں طفیل محمد سابق امیر جماعتِ اسلامی پاکستان، مولانا مفتی سیاح الدین کاکا خیلؒ، مولانا محمد مالک کاندھلویؒ، مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک اور مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔

اس دور میں حکیم صاحب نے فرقہ واریت کو روکنے، علماء کو مشترکہ بنیادوں پر جمع کرنے اور اس کے لئے جنرل صاحب کے اثر و رسوخ کو استعمال کرنے میں سب سے زیادہ موثر کردار ادا کیا۔

جنرل ضیاء الحق کی شہادت کے بعد مفتی محمد حسین نعیمیؒ اور راقم الحروف نے عورت کی حکمرانی اور بھٹو کو شہید قرار دینے کے خلاف سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ میں رٹیں دائر کیں۔ سماعت کے موقع پر بڑے بڑے علماء کو دعوت دی جاتی تا کہ عدالت کے سامنے

Marfat.com

یہ بات واضح ہو جائے کہ تمام علماء کا مؤقف یکساں ہے۔ محترم جناب حکیم صاحب کئی مرتبہ فیصل آباد سے لاہور مقدمہ کی سماعت کے دوران میں تشریف لائے۔ میں نے ایک موقع پر عرض کیا، جناب آپ کی طرف سے رٹ دائر ہونی چاہیے تو حکیم صاحب نے فرمایا: ''میں ان عدالتوں کو نہیں مانتا۔'' اس وقت مجھے حکیم صاحب کی اس بات پر حیرانگی ہوئی، لیکن جلد ہی حکیم صاحب مرحوم کی بات کی حقانیت سامنے آ گئی، اور ہماری رٹیں خارج کر دی گئیں۔ وقت نے ثابت کر دیا کہ حکیم صاحب کی بات ٹھیک تھی۔

حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جنرل صاحب کے ساتھ اصلاحِ حکومت، اصلاحِ معاشرہ اور اتحادِ اُمت کے لئے رابطہ رکھا جس کے نتیجے میں بہت اہم اصلاحات ہوئیں۔ یہ سارے اُمورِ خیر حکیم صاحب کے صدقۂ جاریہ اور ترقیِ درجات کا ذریعہ ثابت ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔

نیک اولاد ایک انسان کا صدقۂ جاریہ ہوتی ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بجا طور پر اپنی زندگی میں اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت پر توجہ دی، انہیں اپنی زندگی میں وہ کام سپرد کر دیا جس سے انہیں شغف تھا۔ یہ ایک رسمی جانشینی نہ تھی بلکہ حقیقی جانشینی تھی۔ انہوں نے علمی اور عملی دونوں لحاظ سے اپنی اولاد کو تیار کیا اور اپنی زندگی میں ان کے کام کا معائنہ کر کے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور اس حال میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے کہ وہ پوری طرح مطمئن تھے کہ علم و دعوت کی جو گاڑی وہ چلا رہے تھے، اب اس کی ڈرائیونگ ان نوجوانوں کے ہاتھ میں ہے جو انہی کی طرح جذبۂ علم و عمل اور صلاحیتوں سے مزین ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ محترم حکیم صاحب اپنے دور کے ان علماء میں شامل ہیں جو اپنے دور کے لحاظ سے کارِ خیر میں ''السابقون'' کا مصداق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے اور ان کے صاحبِ علم صاحبزادوں کو ان کی طرح حساس، فکرمند اور صاحبِ کردار بنا دے۔ آمین

Marfat.com

گوہرِ شب چراغ تھا، نہ رہا

مولانا عبدالرشید ارشد مرحوم ☆

چند موتی ہی سہی لیکن بیاد رفتگان
ٹوٹ کر پلکوں سے ہوتے ہیں گراں مایہ بہت

28 جون 1996ء جمعۃ المبارک کی صبح ایک دوست نے یہ انتہائی المناک اور روح فرسا خبر سنائی کہ ملک کے نام وَر عالمِ دین، معروف دانش وَر اور حکیمِ حاذق مولانا عبدالرحیم اشرف انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ ایک وقیع، بامقصد، باوقار، بااصول، جہد و عمل سے بھرپور اور سعیٔ پیہم سے معمور زندگی گزار کر اللہ کو پیارے ہوئے۔ رَحِمَہُ اللّٰہُ رَحْمَۃً وَاسِعَۃً۔

اسلامی فکر سے آراستہ و پیراستہ شفاف ذہن، کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی اور علم و فضل میں گندھی ہوئی زبان، قلم و قرطاس کی دنیا میں اسلامی تہذیب و ثقافت کی نقیب تحریریں، بے دینی اور اباحیت پسندوں کے خلاف سراپا احتجاج، اسلامی عقائد و نظریات کا مدلّل ترجمان، مخصوص لہجے اور طرز کا خطیب، صاحبِ عزمِ صمیم اور داعیٔ دینِ مبین، حق و صداقت کا امین اور شرافت و متانت کا پیکرِ حسین، ان صفات کے مجموعے کا نام تھا، جناب مولانا حکیم عبدالرحیمؒ۔

مولانا مرحوم نے برصغیر کے اس فرقہ وارانہ ماحول میں تعلیم و تربیت پائی تھی

☆ آپ ناظم اعلیٰ جمعیت اتحاد العلماء پاکستان اور مہتمم مدرسہ اشاعت العلوم، فیصل آباد، کے مناصب پر فائز رہے۔ ممتاز تعلیمی و دینی اور سماجی راہنما تھے۔ ایک ٹریفک حادثے میں 17 راگست 2002ء کو خالقِ حقیقی سے جا ملے۔
اللّٰھم اغفرلہ واکرم نزلہ وارفع درجتہ فی العلّیین۔

Marfat.com

جہاں چند باہمی اختلافی اور نظری مسائل کو غیر معمولی اہمیت دی جاتی تھی اور انہی فقہی مسائل و مِلّی ترجیحات کو مدارِ دین سمجھا جاتا تھا۔عموماً اپنی تمام تر علمی صلاحیتوں کو ایسے ہی فروعی مسائل کی نذر کر دیا جاتا تھا۔ فارغ التحصیل ہونے والے علماء بالعموم انہی اختلافی مسائل پر اپنے اپنے نقطۂ نظر سے ترجیحات پر مبنی دلائل سے مسلح ہو کر میدانِ عمل میں اُترتے تھے اور پھر اسی طرزِ فکر کو جہاد اور اسلام کا دفاع قرار دیا جاتا تھا، جس کے نتیجے میں اُمتِ مسلمہ اپنے اصل فریضہ اقامتِ دین، ابلاغ اور احیائے دین سے بے خبر، غافل اور نابلد ہوتی جا رہی تھی۔ اسی عہدِ زبوں میں اللہ رب العالمین نے اپنی خاص حکمت اور رحمت سے برصغیر پاک و ہند میں ایک ایسی شخصیت کو پیدا کیا جس نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور اپنے مدلّل، پُرشکوہ اور جاذبِ فکر و نظر اسلوبِ نگارش سے اُمت کو پھر وہ بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور لوگوں کو ان فروعی، سطحی اور محدود اندازِ فکر کی بجائے اسلام کا جامع اور مکمل نظامِ حیات اپنانے کی دعوت دی۔ چنانچہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ کی دعوت پر ابتدائی عہد میں لبیک کہنے والے خوش قسمت لوگوں میں سے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ بھی تھے۔ چونکہ مولانا مرحوم خود بھی ایک ذہین و فطین عالمِ دین تھے اور انہوں نے قرآن و سنت کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا تھا، اس لئے انہیں اس نتیجہ پر پہنچنے میں کوئی تأمل نہ ہوا کہ اسلام ایک کامل و مکمل ضابطۂ حیات اور نظامِ زندگی ہے، جو دنیا میں غالب ہونے کے لئے آیا ہے، اور غلبۂ دین کی کوشش کرنا اور اس کوشش کے سفر میں شریک ہونا، دین کا اصل تقاضا ہے، تو انہوں نے کسی لیت ولعل اور پس و پیش کے بغیر اپنے آپ کو تحریکِ اسلامی کے حوالے کر دیا۔ پھر انہوں نے اس وادیٔ پُرخار میں اس لگن، دل جمعی، بیدار مغزی، دل سوزی، جفاکشی اور سعیٔ پیہم سے بادہ پیمائی کی کہ وہ بہت جلد جماعتِ اسلامی کے صفِ اوّل کے قائدین میں شمار ہونے لگے۔ اگرچہ کچھ عرصہ بعد جماعتِ اسلامی کی بعض پالیسیوں سے اختلاف کی وجہ سے دیگر کئی ساتھیوں سمیت الگ ہو گئے، تاہم وہ احیائے دین کے لئے سراپا اضطراب بنے رہے۔ یہ بجا ہے کہ فرد کا قیام ربطِ ملّت کا مرہونِ منت ہوتا ہے مگر مولانا عبدالرحیم اشرفؒ

Marfat.com

نے یہ ثابت کر دیا کہ اگر فرد باصلاحیت ہو، اپنے مشن سے مخلص اور بے لوث ہو، جذبۂ صادق رکھتا ہو، علم و عمل میں ہم آہنگ اور خلوت و جلوت میں ہم رنگ ہو، نیز عزیمت و استقامت سے بہرہ ور ہو تو وہ خود ہی ایک ادارہ، خود ہی ایک انجمن اور خود ہی ایک جماعت کا روپ اختیار کر لیتا ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں کہا گیا ہے: اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ كَانَ اُمَّةً (کہ بے شک ابراہیم علیہ السلام ایک پوری اُمت تھے۔)

مولانا مرحوم نے جماعت سے علیحدگی کے بعد اشاعتِ اسلام اور احیائے دین کے لئے گوناگوں اور ہمہ جہت محاذوں پر کام کیا اور بڑے تسلسل کے ساتھ کیا، جس پر بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں

غرض کہ مرحوم اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ مولانا اشرفؒ بیک وقت ایک زرخیز فکر، بے باک اور سلجھا ہوا قلم اور صاف و شفاف اظہارِ بیان کی قدرت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی تمام خداداد صلاحیتوں کو زنگ آلود نہیں ہونے دیا بلکہ ان سے اس قدر فراوانی سے کام لیا کہ یہ صلاحیتیں کثرتِ کار سے اور زیادہ روشن اور تابناک ہوتی چلی گئیں۔ بظاہر ان کے قد و قامت اور کارکردگی میں توازن کو تلاش کرنا بہت مشکل ہے کہ اس نحیف بدن کے ساتھ مختلف جہات میں اتنے اور اس قدر کام کیسے انجام دیئے ہوں گے؟ اس کے سوا اس کی کوئی اور توجیہہ شاید قرینِ انصاف نہ ہو کہ اس تمام تر ناقابلِ فہم جدوجہد کر گزرنے کے پیچھے ایمان کی پختگی، نصب العین کی بلندی، ذاتی اولوالعزمی، نصرتِ الٰہی پر اعتماد اور یقینِ محکم کا جذبہ کارفرما تھا۔

مولانا مرحوم کے تعارف اور کارکردگی کا دائرہ صرف فیصل آباد تک محدود نہ تھا بلکہ وہ ملک کے تمام دینی و تعلیمی حلقوں میں متعارف اور قابلِ احترام تھے۔ اپنے فکر کی اشاعت کے لئے مناسب وسیلے اختیار فرماتے۔ کبھی کبھار ملک کے نامور اصحاب علم و فضل اور اربابِ فکر و نظر کو مدعو کرتے اور ان کی وساطت سے اُمت کی شیرازہ بندی کا اہتمام کیا جاتا۔

Marfat.com

اسی کام کو آگے بڑھانے کے لئے مدرسہ اشاعت العلوم، جامع مسجد کچہری بازار کے مہتمم مولانا مفتی سید سیاح الدین کاکاخیلؒ کے ایماء اور مشاورت پر انہوں نے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کو فیصل آباد آنے کی دعوت دی۔ ان کا شہرہ آفاق کتابچہ ''وحدتِ اُمت'' دراصل اس خوبصورت، دل نواز اور فاضلانہ تقریر ہی کا مجموعہ ہے جو انہوں نے جناح کالونی، فیصل آباد میں جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کے زیرِ اہتمام علماء اور دانشوروں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کی تھی، جو پہلے المنبر میں شائع ہوئی اور بعدازاں معمولی حک و اضافہ کے ساتھ کتابی شکل میں شائع ہوئی اور مسلسل شائع ہو رہی ہے۔ اب کئی ایک ادارے اس کی بے پناہ افادیت کے پیش نظر از خود اسے شائع کر رہے ہیں۔

یوں تو مرحوم کی ہمہ پہلو زندگی ایک تفصیلی سوانحِ حیات کی متقاضی ہے اور توقع کی جا سکتی ہے کہ ان کے ہونہار فرزندِ ارجمند جنابِ زاہد اشرف اس فریضے کو ادا کریں گے جو اس کی بھرپور صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ تاہم اس مختصر مضمون میں ان کی چند امتیازی خصوصیات کے ذکر پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

مولانا مرحوم کی زندگی کا اہم مقصد ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دینا بلکہ حتی الامکان فرقہ واریت کا خاتمہ تھا، جو وہ بڑی حکمت، تدبر اور تسلسل کے ساتھ ادا کرتے رہے۔ ان کے اپنے ذاتی فقہی رجحانات بھی تھے۔ وہ ان پر عمل پیرا بھی تھے، مگر کبھی انہیں وہ اپنی شناخت یا اسلام کی اساس قرار نہیں دیتے تھے۔ وہ عمر بھر اسی رواداری کو تمام مکاتبِ فکر میں پیدا کرنے کی سعیٔ مشکور فرماتے رہے جس کی وجہ سے فرقہ واریت پر زیادہ اعتماد رکھنے والے بعض حضرات ان سے عمل میں ہم آہنگی کے باوجود انہیں ''اپنا'' نہیں سمجھتے تھے۔ وہ اُمت کی وحدت کے نقیب اور داعی تھے اور اُمت کی تمام مشکلات کا حل اس میں پنہاں سمجھتے تھے کہ اُمت ان فرقہ پرستانہ تنگنائیوں سے نکل کر اسلام کی کشادہ راہ پر گام زن ہو۔ ان کی کشادہ ظرفی اور وسیع النظری کا یہ نتیجہ تھا کہ تمام فرقوں کے اصحابِ علم کے ہاں ان کی توقیر کی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں ان کے خاص ہم مشرب و ہم

Marfat.com

مسلک رفیق مولانا تاج محمود رحمۃ اللہ علیہ تھے جو بڑے دیدہ ور عالمِ دین، قادر الکلام خطیب اور عوام کے گہرے نبض شناس تھے۔ بعض دیگر احباب کی رفاقت میں ان دونوں بزرگوں نے فیصل آباد کو ہمیشہ فرقہ وارانہ کشیدگی سے پاک اور امن کا گہوارہ بنائے رکھا اور ہر مشکل وقت میں ان کی مشاورت اور حقیقت پسندانہ رائے عقدہ کشا بنی رہی۔

1977ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے جب عام انتخابات میں غیر دانش مندانہ اور بے تحاشا دھاندلیاں کیں تو اس کے ردِ عمل کے طور پر ملک میں ایک ہمہ گیر تحریک اٹھ کھڑی ہوئی اور لوگ اس دھاندلی کے خلاف بے تابانہ سڑکوں پر نکل آئے۔ قریہ قریہ، بستی بستی، ہڑتالیں اور احتجاجی مظاہرے ہونے لگے۔ اس وقت کی مؤثر اور متفق دینی قیادت نے اس تحریک کا رُخ نظامِ مصطفیٰؐ کی طرف پھیر دیا۔ چنانچہ نظامِ مصطفیٰؐ کے نفاذ کا مطالبہ ایک متفقہ قومی مطالبہ بن گیا۔ اس کے لئے قوم نے بے پناہ اور لازوال قربانیاں دیں۔ کلمہ پڑھتے ہوئے سرخ لائنیں عبور کی گئیں۔ چلتی گاڑیوں کے سامنے لیٹ کر جسم کے پرخچے اڑوا لئے گئے مگر نظامِ مصطفیٰؐ کے مطالبہ کی شدت میں کمی نہ آنے دی۔

مولانا مرحوم اگرچہ موجودہ انتخابی سیاست میں براہِ راست حصہ نہیں لیتے تھے اور اس آلودگی سے ہمیشہ دامن کشا رہتے تھے، تاہم جب اس انتخابی دھاندلی کے خلاف اُٹھنے والی تحریک نے نظامِ مصطفیٰؐ کا عنوان اختیار کر لیا تو مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے اس تحریک میں بڑی جرأت و جسارت اور تندہی سے شرکت کی، یہاں تک کہ آپ کو سخت جسمانی اذیتوں سے بھی دوچار ہونا پڑا اور پولیس کے ناہنجار اور کندۂ ناتراش نوجوانوں نے حسبِ روایت، وحشت و دہشت اور سفّاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اتنی لاٹھیاں برسائیں کہ جسم لہولہان ہو گیا اور انہیں کئی روز ہسپتال میں رہنا پڑا، لیکن ان کے عزائم میں کوئی تزلزل نہ آیا۔

مولانا مرحوم کی علمی وجاہت، باہمی مروت، دعوتِ اتحاد، خلوص و محبت، راست روی و راست بازی اور قبولِ عام شخصیت کا بالفعل مظاہرہ ان کی نمازِ جنازہ کے موقع پر ہوا،

Marfat.com

جس میں شہر کے تمام مکاتبِ فکر کے معروف علماء و مشائخ نے شرکت فرمائی۔ مدت مدید کے بعد ایسا جنازہ دیکھنے کو ملا جس میں اتنی بڑی تعداد میں علماء کرام نے شرکت کی ہو۔ علماء و مشائخ کے علاوہ شہر کی تمام اہم سیاسی و سماجی شخصیات اور عوام الناس نے بھرپور شرکت کی۔ نمازِ جنازہ مولانا ارشاد الحق اثری نے پڑھائی اور وہ تمام دعائیں جو مختلف احادیث میں جنازے کے سلسلے میں منقول ہیں، ان سب کو جمع کر دیا۔ دعائیں مسنون ہوں، میت کے ساتھ عقیدت ہو، مسبوقین میں بڑی تعداد میں علماء ہوں تو سوز و گداز میں اور اضافہ ہو جاتا ہے چنانچہ مولانا اثری نے بڑے رقت آمیز لہجہ اور رندھی ہوئی آواز میں دعائیں کیں جن میں ''اصرار'' اور تکرار دونوں تھے اور حاضرینِ جنازہ ہر دعائیہ فقرہ کے آخر میں بآواز بلند آمین کہتے تو محسوس ہوتا کہ بس دعا قبولیت کی منزل پا رہی ہے، اور مغفرت و بخشش بہرِ استقبال آ رہی ہے، جس پر جناب ڈاکٹر محمد نواز چوہدری اور جناب قاری محمد اکبر صاحب بے ساختہ کہنے لگے۔: ''جنازہ تو یہ ہوا نا''

ان کا دوسرا اہم مشن فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی تھا جس کا انہوں نے مروّجہ عامیانہ اور روایتی انداز سے ہٹ کر خالص علمی انداز میں اس طرح اس کا تعاقب کیا کہ وہ اہلِ علم و دانش کو یہ باور کرانے میں کامیاب رہے کہ خاتم المرسلینؐ کے بعد دعوائے نبوت قرآن و سنت کے خلاف اور اجماعِ اُمت کے منافی ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے قادیانی نقطۂ نظر کو براہِ راست ان کی تألیفات سے لیا اور اہلِ انصاف کے سامنے قادیانیت کی حقیقی اور جیتی جاگتی تصویر پیش کر دی۔ ساتھ ہی ساتھ قادیانیوں کی وطن دشمن سرگرمیوں کو طشت از بام کیا اور اُمتِ مسلمہ کو قادیانیوں کے ان پس پردہ منصوبوں سے آگاہ کیا جو وہ یہود و ہنود سے ساز باز کر کے ملّتِ اسلامیہ کو زک پہنچانے کے لئے تیار کرتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ارکانِ اسمبلی سے لے کر صدرِ مملکت تک کو بریف کیا اور قادیانیت کے دجل و فریب کا پردہ چاک کیا۔ انسدادِ قادیانیت آرڈیننس کی تیاری میں آپ کی ذاتی کاوشوں کا بھی گہرا دخل تھا۔ غرض کہ مولانا مرحوم نے قادیانی فتنہ کی پسپائی میں اہم کردار ادا کیا، اور اس کے لئے کئی

Marfat.com

مفید کتابچے نہایت مؤثر اور مدلل انداز میں ترتیب دیئے اور پھر ان کی اشاعت کا بندوبست کیا۔ مولانا مرحوم اگرچہ جماعتِ اسلامی سے تنظیمی طور پر الگ ہو چکے تھے تاہم ہر مشکل گھڑی میں جب بھی معاونت کی ضرورت محسوس ہوئی تو قرآنی حکم تَعَاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے انہوں نے جماعتِ اسلامی کی طرف دستِ تعاون بڑھایا۔

ایک دفعہ راقم الحروف سے گفتگو کے دوران فرمایا کہ جب ایوبی دورِ آمریت میں جماعتِ اسلامی کو خلاف قانون قرار دیا گیا اور اس کی پوری قیادت کو پسِ دیوارِ زنداں ڈال دیا گیا تو پولیس کے کھاتوں میں میرا (مولانا مرحوم) نام جماعت کے قائدین کے ساتھ بدستور درج تھا چنانچہ میری گرفتاری بھی متوقع تھی۔ میں نے تہیہ کر لیا کہ اگر پولیس مجھے جماعتِ اسلامی سے متعلق سمجھ کر گرفتار کرنے آئے گی تو میں انہیں ہرگز ہرگز نہیں کہوں گا کہ اب میرا جماعتِ اسلامی سے کوئی تنظیمی تعلق نہیں، بلکہ گرفتاری پیش کر دوں گا۔ یہ طرزِ فکر ان کی جماعت کے ساتھ ذاتی نوع کی مخاصمت کی بجائے دیانت دارانہ اختلاف کی نشاندہی کرتا ہے جو نہ تو اپنی دیانتدارانہ سطح سے آگے بڑھتا ہے اور نہ ہی فی سبیل اللہ فساد کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کا سلسلۂ عمل ختم ہو جاتا ہے۔ ہاں، تین طریقے ایسے ہیں کہ مر جانے کے باوجود سلسلۂ عمل جاری رہ سکتا ہے۔ ایک صدقۂ جاریہ، جو انسانیت کی فلاح اور بہبود کے کام آئے، دوسرا نفع رساں علم، جس سے لوگ بالواسطہ یا بلاواسطہ فیض یاب ہوں اور تیسرا نیک اولاد، جو دعا گو ہو۔ میرے خیال میں مولانا مرحوم کے لئے ایصال ثواب کے یہ تینوں وسائل مہیا ہیں جو ان کے سلسلۂ عمل کو جاری رکھیں گے۔

Marfat.com

ختمِ نبوت کا ایک جانباز سپاہی

مولانا منظور احمد چنیوٹی مرحوم ☆

نصف صدی سے زیادہ عرصہ قبل کی بات ہے کہ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ سے ملاقات اپنے آبائی شہر چنیوٹ میں ہوئی۔ ان دنوں مولانا ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے اور خوش قسمتی سے ان کا پہلا پڑاؤ یہ شہر تھا۔ قادیانیوں نے بھی تقسیمِ ملک کے بعد جب پورے ملک کا سروے کیا تو چنیوٹ کے دامن ربوہ میں پناہ لی۔ مولانا کی عقابی نظروں نے اس فتنہ کو پہلے دن سے بھانپ لیا تھا۔ کچھ عرصہ مولانا یہاں رہے، پھر لائل پور (فیصل آباد) چلے گئے۔ یہ ان کا دوسرا پڑاؤ تھا۔ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ چنیوٹ میں چونکہ ختمِ نبوت کی عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوتی ہے اس لئے دوسرے شہروں میں بھی ایسی کانفرنسیں ہونی چاہئیں چنانچہ مولانا کے جوہر فیصل آباد میں چمکے، روشنی کے اس سفیر کی طرح

غربت میں آ کے چمکا، گمنام تھا وطن میں،

اور دیکھتی آنکھوں انہوں نے تمام اسلامی مکتبہ ہائے فکر سے رابطے قائم کئے۔ وہ اہلِ حدیث مسلک سے وابستہ تھے اور ذہنی طور پر جماعتِ اسلامی سے متاثر جبکہ عقیدۂ ختم نبوت سے محبت کی وجہ سے ایک نیا محاذ قائم کر لیا۔ چونکہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اس لئے بہت جلد وہ ممتاز علمائے دین میں شمار ہونے لگے۔

مسجد کی خطابت کے ساتھ ساتھ انہوں نے تحریر کا بھی میدان سنبھال لیا۔ شروع

☆ بانی ادارہ مرکزیہ دعوت و ارشاد، چنیوٹ۔ سفیرِ ختم نبوت۔
سابق رکن صوبائی اسمبلی پنجاب۔ 27 جون 2004ء کو خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

Marfat.com

میں ہفت روزہ المنیر اور بعد میں رسالہ المنبر کے نام سے ان کی نگارشات نے قادیانی فرقہ کا پوسٹمارٹم شروع کر دیا۔ مولانا اپنے قلم سے نہ صرف اداریہ لکھتے تھے بلکہ اپنے دوسرے مضامین میں بھی قادیانیوں کے مکروفریب کا پردہ چاک کرنے لگے۔ اس زمانہ میں جماعت اسلامی سے وابستگی کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے نزدیک یہ پرچہ جماعت کا ترجمان بن گیا۔ چونکہ مولانا اسلامی فکر کے آدمی تھے، وہ اپنے حلقے کو وسیع کرتے چلے گئے۔ مولانا کی ادارت نے ہفت روزہ المنبر کو چار چاند لگا دیئے۔ بعدازاں جماعت کی پالیسی سے اختلاف کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحیؒ، مولانا عبدالغفار حسنؒ اور حکیم مولانا عبدالرحیم اشرفؒ اپنے دیگر رفقاء سمیت جماعت سے علیحدہ ہو گئے، تاہم قادیانیوں کے خلاف اپنے اخبار کی پالیسی کو جوں کا توں رکھا، بلکہ اب ان کا قلم قادیانیوں کے خلاف شعلے اُگلنے لگا۔ انہوں نے تن تنہا اور فردِ واحد ہو کر اتنا کام کیا جو بعض جماعتیں بھی نہیں کر سکتیں۔ ہر مذہبی تحریک میں انہوں نے بھرپور حصہ لیا اور ہمیشہ ہراول دستہ میں رہے۔ وہ تقریر اور تحریر دونوں کے شہسوار تھے۔ ان کا قلمی جہاد جاری رہا، نہ صرف مذہبی میدان میں بلکہ معاشرتی گمراہیوں کے خلاف بھی ان کا قلم رواں دواں رہتا۔ وہ ہمیشہ اس فکر میں ڈوبے رہتے کہ کسی طرح اصلاح کا عمل آگے بڑھتا چلا جائے۔

مولانا کی تحریر میں ایک درد اور ایک سوز ہوتا۔ مولانا بے خوف و خطر ہو کر دشمنانِ اسلام کا تعاقب کرتے اور ہر فتنہ کو ٹارگٹ بناتے۔ جھوٹی نبوت کا قادیانی فتنہ ان کا اصلی ہدف تھا، المنیر اور المنبر کی تمام اشاعتیں اس بات پر شاہد ہیں کہ انہوں نے اپنے عہد کے تمام فتنوں کے خلاف لکھا اور خوب لکھا۔ وہ تقریباً ہر ماہ قادیانیوں کے خلاف ایک خاص نمبر بھی شائع کرتے تھے۔ مولانا عتیق الرحمٰن تائب (جو کہ قادیانی مبلغ تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دینِ حق کی ہدایت نصیب فرمائی) اپنی عمر کا ایک طویل عرصہ مولانا موصوف کے پاس رہے اور ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں مولانا عبدالرحیم اشرفؒ ان سے استفادہ کرتے رہے۔

Marfat.com

مولانا مرحوم سے میرا رشتہ اور درد مشترک تھا، یعنی ''قادیانیت کا تعاقب'' اور یہ رشتہ ہمیشہ قائم رہا۔ انہوں نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور ہمیشہ تعاون کرتے رہے۔ مولانا اہلِ حدیث مسلک کے عالمِ دین تھے، لیکن نہایت معتدل اور غیر متعصب، یہ ان کی بہت بڑی خوبی تھی جس کی وجہ سے وہ ہر مسلک اور عقیدہ کے لوگوں میں ہر دلعزیز تھے اور عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ گوکم قد و قامت اور نحیف بدن رکھتے تھے لیکن اپنی گوناگوں خوبیوں اور دینی خدمات کی وجہ سے قد آور شخصیت کے مالک تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ گلستانِ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خوش نَوا بلبل تھے۔

ایک چہکتے ہوئے بلبل کا گلا یوں گھونٹا
ہائے او موت تجھے موت ہی آئی ہوتی

Marfat.com

اصاغر نواز و علم پرور

مولانا عبدالقیوم حقانی ☆

پہلی ملاقات

احقر درجہ موقوف علیہ کا طالب علم تھا، تاریخ اور مہینہ یاد نہیں، سن 1977ء کا تھا کہ "المنبر" میں جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ فیصل آباد (تب لائل پور) میں پندرہ روزہ کورس کا اشتہار پڑھا، المنبر کی وجہ سے مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ سے محبت، بلکہ گرویدگی اور تعلقِ خاطر بن گیا تھا۔ جوں ہی سالانہ امتحانات ختم ہوئے اور تعطیلات کا اعلان ہوا تو احقر فیصل آباد کے لئے روانہ ہو گیا۔ طالب علمی کا دور تھا، اس عہد میں لااُبالی پن لازمۂ حیات ہوتا ہے، نہ پتہ لیا، نہ ٹیلی فون نمبر، فیصل آباد پہنچ گیا۔ اڈے پر اُترا، رکشہ ڈرائیور سے بات کی، اس نے پوچھا، کہاں جانا ہے؟ میں نے کہا: مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف کے ہاں جانا ہے۔ رکشہ ڈرائیور نے کہا: اشرف لیبارٹری والے؟ میں نے کہا: نہیں، جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ والے۔ ایک عالمِ دین اور المنبر کے مدیر ہیں۔ بہرحال اس نے کہا: میں آپ کو لے جاتا ہوں، وہ سیدھا مجھے حضرت حکیم صاحبؒ کے گھر لے آئے۔ کُنڈی کھٹکھٹائی، مجھے بیٹھک میں بٹھایا گیا۔ حکیم صاحب خود ناشتہ لائے، بڑی محبت اور شفقت سے ملے، اور مجھے اپنے گھر سے اپنے ساتھ گاڑی میں جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ لے آئے۔

شفقت، محبت، اصاغر نوازی، علم پروری اور خدمت و مہمان نوازی کا ایک

☆ سرپرست ماہنامہ القاسم، بانی جامعہ ابوہریرہؓ خالق آباد، ضلع نوشہرہ

Marfat.com

خوب صورت تأثر تھا، جو ایک مسافر و یتیم طالبِ علم کے دل پر نقش ہو گیا۔ اس کے بعد کی ملاقاتیں اور مطالعاتی استفادے اسی نقش میں رنگ بھرتے رہے۔

دارالعلوم حقانیہ میں مولانا عبدالرحیم اشرفؒ سے ایک ملاقات، جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے دارالحدیث میں ہوئی تھی۔ عرب زعماء کے ساتھ آپ جامعہ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے تھے۔ عرب زعماء کے وفد کے ہمراہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اور سینیٹر مولانا سمیع الحق سے خصوصی ملاقات اور ملکی حالات کے سلسلہ میں طویل مشاورت کی۔ مولانا سمیع الحق کے اصرار اور دعوت پر دارالحدیث میں طلبہ کے اجتماع سے مفصل خطاب فرمایا۔

اب ان کی باتیں، ارشادات و ہدایات تو مجھے یاد نہیں رہے، مگر ان کی عظمت، علمی قدر و منزلت، وقار و تمکنت اور اہلِ علم کے ہاں ان کے رتبہ و مقام کا نقش دل پر منقش ہو گیا۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے ادب و احترام اور اکرام میں بچھے جا رہے تھے۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ جب تشریف لے گئے تو مجھے شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ نے فرمایا: ''مولانا عبدالرحیم اشرفؒ ملک کے چند گِنے چُنے اور چیدہ و چنیدہ ان افراد میں سے ہیں جن پر ملکی سیاست، بین الاقوامی حالات، نفاذِ شریعت کی جدوجہد اور اتحادِ اُمت کے مشن کے سلسلہ میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔'' ان کا میٹھا بیان، نرم لہجہ، محبت بھری گفتگو اور نستعلیقی اندازِ خطابت اور ان کا لب و لہجہ اب تک حافظہ میں محفوظ ہے۔

تحریراتِ اشرف کی اثر انگیزی

اپنے زمانۂ طالب علمی، پھر چکوال میں تدریس، اس کے بعد دارالعلوم حقانیہ میں بھی، المنبر باقاعدہ میرے مطالعہ میں رہا۔ میں لفظاً لفظاً پڑھا کرتا تھا۔ المنبر کے اشتہارات تک سے مجھے محبت تھی۔ حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے طویل علمی، ادبی اداریے، تجزیے اور تبصرے میرے حرزِ جان بنتے، وہی ذہن، وہی فکر، وہی سیاسی سوچ اپناتا اور اپنی نجی مجالس، درس و تدریس اور جمعہ کے خطبات میں بیان کرتا۔

Marfat.com

معیارِ تحریر

حکیم صاحبؒ کی تمام تحریریں میں نے پڑھی ہیں۔ میرا تجزیہ ہے کہ بسیار گو اور زود نویس مصنفین کا تمام کام ایک معیار اور پائے کا نہیں ہوا کرتا۔ عجلت کی وجہ سے وہ اس کی نوک پلک درست کرنے کے لئے وقت صرف نہیں کرتے، جس سے ان کی تحریروں میں رطب ویابس کا بھی اچھا خاصا حصہ داخل ہو جاتا ہے۔ اس لئے تعجب ہوتا ہے اتنے زود نویس اور کثیر التحریر ہونے کے باوجود بھی حکیم صاحبؒ نے کہیں معیار کو گرنے نہیں دیا۔

ادبی تاریخ کا قابلِ قدر حصہ

اردو ادب اور اردو زبان کی ترقی اور ترویج میں حضرت حکیمؒ صاحب کی خدمات بہت قابلِ قدر رہی ہیں۔ میری طرح ان کے سینکڑوں قارئین ملک اور بیرون ملک کے دور دراز خطوں تک میں ملتے ہیں اور وہ اپنی اپنی جگہ اردو ادب کا عَلَم بلند کئے ہوئے ہیں۔ ان کی علمی، تاریخی، ادبی، سیاسی، فنی اور لسانی معلومات بہت وسیع تھیں۔ فن اور زبان کے پہلو سے ان کے کلام میں کوئی سقم نہیں ہوتا تھا۔ ان کے اداریے، تبصرے و تجزیے، حکم رانوں اور سیاست دانوں کو مشورے، اردو ادب اور علم و فن میں وقیع اور پائیدار حیثیت کے مالک اور ہماری ادبی تاریخ کا قابلِ قدر حصہ ہیں۔

سراپا تحریر و تنظیم

وہ علم و عمل، مطالعہ و کتاب، قلم و تحریر، طب و حکمت، علاج و ادویات، نظمِ ریاست اور سیاسیات کے حوالے سے محرک اور متحرک زندگی کے قائل تھے۔ آرام، چھٹی، انتظار، ہاتھ پر ہاتھ دھرے رکھنا، مجلس آرائی، اور سست روی ان کا مذہب نہ تھا۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی کام، تحریر، کتاب، مطالعہ اور مشن و اہداف کی تحصیل و تکمیل میں مصروف رہتے تھے۔ میں نے تو زمانۂ طالب علمی میں ہی المنبر سے علمی اور مطالعاتی رشتہ جوڑ لیا تھا۔ المنبر کے حوالے سے مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کا شخصی، ذاتی اور فکری مطالعہ بھی ہو جایا کرتا تھا۔

Marfat.com

نیکی، صالحیت اور عظیم اہداف کے حصول میں وہ بہت تیز تھے۔ متعلقین و مخلصین اور احباب و محبین کو بھی تیز چلنے کی ترغیب دیتے تھے۔ بہت سے لوگ ان کی تحریریں، ادارتی کالم، ملکی سیاسیات کے جائزے اور تبصرے پڑھ کر، قلم کار بنے اور نام کمایا۔ زندگی کی یہی روش وہ اپنے تلامذہ، طلبہ اور اولاد میں بھی منتقل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ آپ کو ان ہی لوگوں سے تعلقِ خاطر تھا جو متحرک اور قوم وملت، تعلم و نظام، قومی وحدت اور ملکی سالمیت کے لئے متحرک زندگی اختیار کرتے رہے۔

توحید و سنت کے داعی

میں المنبر اور حضرت حکیم صاحبؒ کی تحریروں کو توحید و سنت کا داعی اور فقہ و اجتہاد میں اعتدال کا عَلَم بردار سمجھتا ہوں۔ برصغیر پاک و ہند پر مسلمانوں نے تقریباً سات سو برس حکومت کی۔ ہند آزاد ہوا، تقسیم ہوئی، پاکستان وجود میں آیا۔ آغاز سے لے کر اب تک پاکستان میں بھی اسلام پر اقبال و ادبار کے کئی دور آئے۔ کبھی حکمرانوں کی بے راہ روی دینِ حق سے انحراف کا باعث بنی تو کبھی نام نہاد علماءِ سوء اور اَن پڑھ پیروں نے عقیدہ و عمل کی راہ کھوٹی کرنے کی کوشش کی، دریں حالات توحید وسنت، دعوت و تبلیغ، فروغِ علم وادب کی شمع روشن کرنے میں المنبر کے بانی حضرت حکیم صاحبؒ اور المنبر کی مساعی بھی ناقابلِ فراموش ہیں۔ وقت کی گرد اس کو دھندلا نہیں سکتی۔

المنبر کے طویل، علمی، ادبی اداریوں اور جامع تحریروں نے سوئی ہوئی طبیعتوں کو جھنجھوڑا۔ دلوں کا زنگ دور کیا، علم و ادب اور تحقیق و تدقیق کے نئے راستے کھولے، مسلمانوں کو اسلامی نظام، نفاذِ شریعت اور اس کے فوائد وثمرات سے آگاہ کیا۔ بدعات، رواجات اور رسومات کا رد کیا۔

Marfat.com

ایک ہمہ اوصاف شخصیت

مولانا محمد یوسف انور ☆

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ کو اس جہانِ فانی سے رحلت کئے کئی سال گزر گئے ہیں، لیکن یقین نہیں آ رہا ہے کہ وہ مرحوم ہو گئے ہیں۔ بعض اوقات ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے پر احساس ہو جاتا ہے کہ شاید ہمارے شفیق حکیم صاحب یاد فرما رہے ہیں، مگر اس امر سے انکار ممکن نہیں ہے کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ. عربی کے ایک شاعر نے اس حقیقت کی کتنی اچھی ترجمانی کی ہے:

لَوْ كَانَ فِي الدُّنْيَا بَقَاءٌ لِسَاكِنٍ
لَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِيْهَا مُخَلَّداً

یعنی اگر دنیا میں کسی نے ہمیشہ رہنا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں ہمیشہ کے لئے رہتے۔

حکیم صاحب سے ہر تیسرے چوتھے روز فون پر بات چیت ہوتی رہتی تھی، جبکہ مہینہ میں ایک دو مرتبہ ان کے دولت کدہ پر کسی نہ کسی دینی یا مُلکی مسئلہ پر قائم کی گئی مجلس میں شرکت ہو جاتی۔ افسوس! آج وہ محفلیں عنقا ہو چکی ہیں اور ہم ہر شعبہ میں قیادت کے بحران کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس قحط الرجال کے دور میں حکیم صاحب کی شخصیت بسا غنیمت اور متاعِ عزیز کی حیثیت رکھتی تھی۔ بلاشبہ وہ ایک ہمہ اوصاف شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ

☆ نائب امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان۔ خطیب جامع مسجد اہلحدیث، امین پور بازار، فیصل آباد۔
ممبر اتحاد بین المسلمین کمیٹی، پنجاب

Marfat.com

نے انہیں وافر صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ بڑے بڑے اداروں، انجمنوں اور جماعتوں سے جو کام نہ ہو سکتا، وہ اکیلے حکیم صاحب کے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھا جاتا۔ ان کی ایک آواز پر تمام طبقات جمع ہو جاتے۔ مولانا محمد صدیق مرحوم ازراہِ تفنن انہیں کہا کرتے تھے: ''حکیم صاحب! آپ حکیموں میں حکیم ہیں، لیڈروں میں لیڈر ہیں، تاجروں میں تاجر ہیں، ایڈیٹروں میں ایڈیٹر ہیں، ادیبوں میں ادیب ہیں اور خطیبوں میں خطیب ہیں۔'' ہم نے بارہا دیکھا کہ وہ تحریر و تقریر کے ایسے شہسوار تھے کہ اپنی مدلّل نگارشات اور مؤثر شعلہ نوائی سے بڑے بڑوں کے خیالات اور سوچ و بچار کے انداز تبدیل کر دیتے تھے۔

1974ء کی تحریکِ ختمِ نبوت اور 1977ء کی تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ میں حکیم صاحب کے رشحاتِ قلم اور بیان و کلام کی جولانیوں سے عوام الناس کے دل و دماغ کی گرہیں کھلتی چلی گئیں۔ پھر کیا تھا، ان کے مثبت و پُر جوش موقف پر پورے ملک نے لبیک کہتے ہوئے ان تحریکوں کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ لوگ جانتے ہیں کہ ان تاریخی تحاریک کا آغاز فیصل آباد سے ہوا تھا۔ اگرچہ حکیم صاحب کے رفقاء میں مولانا محمد صدیقؒ، مولانا تاج محمودؒ، صاجزادہ افتخار الحسنؒ، مولانا محمد اسحاق چیمہؒ، میاں طفیل احمد ضیاءؒ اور مفتی زین العابدینؒ بھی شامل تھے لیکن حکیم صاحب اس گروہِ باصفا میں میرِ کارواں کی حیثیت رکھتے تھے۔ علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر کے گویا وہ مصداق تھے۔ ؎

نگاہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

اس دور میں حکیم صاحب کی راہنمائی و سیادت میں دینی جماعتوں کے دیگر راہنماؤں اور نوجوان کارکنان میں مولانا محمد اشرف ہمدانی، مولانا محمد رفیق مدن پوریؒ، مولانا شیر محمد سیالوی، مولانا محمد انور کلیم، صاحبزادہ حاجی فضل کریم اور راقم الحروف کے نام آتے ہیں۔

Marfat.com

جنرل ضیاء الحق شہید کے نفاذِ اسلام کے سلسلہ کے اقدامات، نظامِ زکوٰۃ و عشر، بیت المال کا قیام، قانونِ قصاص و دیت اور وفاق المدارس دینیہ کے امور کی منصوبہ سازی اور پلاننگ میں حکیم صاحب کا ذہن رسا ہی کام کرتا رہا۔ روس جیسی سپر پاور کی شکست و ریخت اور جہادِ افغانستان کو منزلِ مراد تک پہنچانے میں جنرل ضیاء الحق، ایک ہیرو کے طور پر جانے اور پہچانے جاتے ہیں، لیکن جنگ کے بعد کے کشیدہ حالات کو سدھارنے اور جہاد کو نتیجہ خیز بنانے میں حکیم صاحب کا کردار ناقابلِ فراموش ہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو نمایاں کیے بغیر جنرل ضیاء اور افغان راہنماؤں سے مذاکرات کی میز پر انہیں متحد اور متفق رکھنے میں بڑی محنت و کاوش کی۔ ان کٹھن مراحل میں مفتی زین العابدینؒ، سردار عبدالقیوم اور میاں فضل حق مرحوم کی رفاقت بھی انہیں حاصل رہی۔

حکیم صاحب علیہ الرحمہ مختلف مکاتبِ فکر کے درمیان ہم آہنگی اور یکجہتی پیدا کرنے میں بڑی مہارت اور تجربہ رکھتے تھے۔ بس یوں سمجھئے کہ مسالک کے درمیان انہیں قدرِ مشترک اور پُل کی سی اہمیت حاصل تھی۔ پاکستان کی نظریاتی اساس کو اُجاگر کرنے اور نظامِ اسلام کے نفاذ جیسے اہم کاز کا درد انہیں ہر آن اور ہر گھڑی بے چین کیے رکھتا۔ چنانچہ وہ دینی جماعتوں کے راہنماؤں کے بابِ عالی پر دستک دیتے، انہیں اپنے وسیع دسترخوان پر مدعو فرماتے اور گفتگو و مشاورت کے بعد احسن ترین لائحہ عمل طے کرتے۔ ان کی مخلصانہ جدوجہد اور رابطوں سے اتحاد بین المسلمین کی بیشتر راہیں کھلتیں اور آپس کی نفرتیں و کدورتیں باہم محبت و اُلفت کا رنگ اختیار کر لیتیں۔ وہ ان قائدین کو فروعی اختلافات سے نکال کر ملک و ملّت کے خلاف کی جانے والی اندرونی و بیرونی سازشوں سے خبردار رہنے اور ان سے نپٹنے کی تدابیر سمجھاتے۔ فتنۂ قادیانیت سے اُمت کو بچانے اور لادینیت و خواہشات کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنے کے لئے وہ شب و روز سرگرم رہتے۔ ان کا حال تو یہ تھا۔ ؎

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

Marfat.com

حکیم صاحب کی منعقد کردہ مجلسوں اور نشستوں سے، جن میں ممتاز و جیّد علماء و صلحاء شمولیت کرتے، ہمیں بڑا مواد ملتا۔ دینی و دنیوی، سیاسی و ملّی اور وقت کے بیشتر مسائل کے حل میں اعتدال و اشتراک کی راہوں سے آگاہی حاصل ہوتی۔ ایسا بھی ہوتا کہ عالمِ اسلام کے عظیم اور معروف اہلِ علم ان کے مہمان ہوتے۔ رابطہ عالمِ اسلامی، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، جامعہ ازہر اور مشرق وسطی کے کئی ایک ممالک کے وفود اور حرمین شریفین کے ائمہ کرام کا ورودِ مسعود جب پاکستان میں ہوتا تو فیصل آباد میں حکیم صاحب کی میزبانی ان کے پروگرام میں لازمی ہوتی تھی۔ ان کے اعزاز میں جامعہ سلفیہ اور جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ میں باوقار اجتماعات و تقریبات کا اہتمام کیا جاتا۔ حکیم صاحب موصوف اپنی اس علمی دانش گاہ میں تعلیم و تعلّم کے علاوہ تربیت و تزکیہ کی افادیت کو بھی ملحوظ رکھتے۔ اس عنوان پر قائم کی جانے والی وعظ و تذکیر کی محافل میں شرکت کرنے والے باعمل بزرگ علماء و صلحاء میں مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا محمد مالک کاندھلویؒ، مولانا صوفی محمد عبداللہؒ آف ماموں کانجن، مولانا سید مولا بخش کومویؒ، مولانا میاں محمد باقرؒ، مولانا ابوبکر غزنویؒ، مولانا حافظ محمد یحیٰی عزیز میر محمدیؒ، مولانا معین الدین لکھویؒ اور مولانا عبدالغفار حسنؒ جیسے اکابر کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان اصلاحی اجتماعات سے، انہی اداروں کے اساتذہ و طلبہ اور شہر و مضافات کے احباب یکساں طور پر مستفید ہوتے۔

الغرض حکیم صاحب کی دینی مساعی اور تگ و تاز کا دائرہ بڑا وسیع تھا۔ ہر سطح پر وہ ابلاغِ دین اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے دوڑ دھوپ جاری رکھتے۔ ہم اکثر دیکھتے کہ شہر کے تاجر طبقہ اور کاروباری حضرات سے بھی ان کی ملاقاتیں رہیں۔ حاجی عبدالغفور مرحوم ستارہ ٹیکسٹائل والے، حاجی غلام محمد مرحوم کوثر ٹیکسٹائلز، حاجی غلام رسول یونائیٹڈ ٹیکسٹائلز، صوفی احمد دین، حاجی بشیر احمد انصاف ٹیکسٹائلز، حاجی محمد سلیمان کارخانہ بازار والے اور کرنل مقبول الٰہی وغیرہ کو حکیم صاحب مدعو کرتے۔ ان لوگوں کو اسلامی اصولوں کے مطابق تجارت اور رزقِ حلال کے ذرائع آمدن کی طرف متوجہ فرماتے۔ ان کی تلقین و ترغیب کے

Marfat.com

یہ اثرات تھے کہ شہر کے اطراف واکناف سے آکر یہ لوگ منشی محلّہ کی مسجد میں حکیم صاحب کے جمعۃ المبارک کے خطبات سنتے۔

حکیم صاحب سیاست کے میدان میں کسی بھی سیاستدان سے کم نہ تھے۔ان کی سیاسی بصیرت اور سیاسی معلومات وتبصروں پر حیرانگی ہوا کرتی تھی۔ تقسیمِ ملک کے بعد سالہا سال تک وہ جماعتِ اسلامی کے ساتھ منسلک رہے۔اس دوران جماعت کے ضلعی اور مرکزی عہدوں پر بھی فائز رہے۔لیکن جماعت کی انتخابی سیاست کی بنا پر، قیادت سے ایسے اختلافات ہوئے کہ انہوں نے اپنے رفقاء سمیت نہ صرف جماعتِ اسلامی سے کنارہ کشی کرلی، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عملی سیاست کو خیرباد کہہ کر دین کے بنیادی کام دعوت و ارشاد اور تعلیمات وتزکیات کے شعبوں میں ساری توانائیاں صرف کردیں اور تادمِ واپسیں ان کی توجہات کا مرکز و محور، اسی نہج کی مصروفیات رہیں۔تاہم ملکی انتخابات کے موقعوں پر ان سے مشورے اور راہنمائی کے لئے جب لوگ آتے تو نظریاتی جماعتوں کے ساتھ معاونت اور محبِّ وطن امیدواران کی نشان دہی کرتے اور انہیں کامیاب کرنے کی تدابیر سمجھاتے۔اصلاحِ احوال کی انہی بے شمار ذمہ داریوں کے ادا کرتے رہنے کے سبب وہ اپنے کاروبار اشرف لیبارٹریز اور مطبِ اشرف کی سرپرستی کے لئے بہت تھوڑا وقت نکال پاتے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی جملہ خدمات کو قبول ومنظور فرما کر جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔

ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

Marfat.com

دائم الذکر بزرگ

مولانا گلزار احمد ☆

فروری 1964ء میں دار القرآن والحدیث جناح کالونی فیصل آباد سے، میرا تعلق قائم ہوا۔اس وقت جامعہ تعلیمات اسلامیہ اور اشرف لیبارٹریز جامع مسجد جناح کالونی کے قریب تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ جامعہ تعلیمات اسلامیہ کے اساتذہ اور طلبہ سے رابطہ پیدا ہوگیا۔ جمعہ کے دن نمازِ مغرب کے بعد جامعہ میں درسِ قرآن مجید کا اہتمام ہوتا تھا۔حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود بھی درس دیتے اور دیگر جید علماء کرام کو بھی مدعو کیا جاتا۔ بالخصوص مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ تعالیٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے تعطیلات کے موقع پر تشریف لاتے تو ان کے دروس منفرد حیثیت کے حامل ہوتے تھے۔ اکثر و بیشتر شمولیت کا موقع ملتا۔مزید برآں دار القرآن والحدیث کے فیض یافتہ علماء کرام جامعہ میں تعلیمی خدمات سرانجام دے رہے تھے، جیسے مولانا محمد بشیر سیالکوٹی اور مولانا سلیم اللہ کمیر پوری۔ یہ حضرات نماز کے لئے یا دیگر مواقع پر دار القرآن تشریف لاتے تو کئی موضوعات پر گفتگو کا سلسلہ چل نکلتا۔مولانا محمد بشیر سیالکوٹی سے نصاب تعلیم، طریقہ تعلیم اور جدید علوم کے حوالہ سے بات ہوتی اور مروجہ درسِ نظامی پر نقد و جرح اور اس کی افادیت اور عدمِ افادیت پر بحث ہوتی۔ حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ امرتسری مرحوم کے قدیم تلامذہ کا بھی آنا جانا رہتا تھا۔ مولانا احسان الحق، چک

☆ شیخ الحدیث کلیہ دار القرآن والحدیث۔فیصل آباد

Marfat.com

نمبر 208 ر۔ب والے اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب آف جھنگ، دار القرآن میں بھی آتے اور حکیم صاحب سے بھی ملتے۔ وہ بھی اپنی سرگزشت سناتے۔

حکیم صاحب کے تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے چیدہ چیدہ افراد سے مراسم تھے۔ اہل اللہ سے دلی لگاؤ تھا۔ ہمارے دوست اور ساتھی مولانا عائش محمد، سابق مدیر جامعہ ابی بکر، کراچی اور مولانا عتیق اللہ، مدیر مرکز الدعوۃ السلفیہ، ستیانہ بنگلہ، کا حکیم صاحب کے پاس آنا جانا رہتا تھا۔ میں بھی کبھی کبھار حکیم صاحب کے مکان بیت الشرف نزد جامع مسجد جناح کالونی چلا جاتا، لیکن حکیم صاحب سے زیادہ تعلق شیخ الحدیث سید مولا بخش شاہ کوموی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وجہ سے پیدا ہوا۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد عبداللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ، شاہ صاحب کے قدر دان تھے۔ سالانہ جلسہ پر شاہ صاحب کو دار القرآن مدعو کیا جاتا۔ جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لاتے اور وہ حکیم صاحب سے ملنے کے لئے ان کی رہائش گاہ پر جاتے تو میں بھی ساتھ ہوتا اور ان بزرگوں کی گفتگو سے حظ اٹھاتا۔ حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت الشیخ مولانا محمد عبداللہ محدث امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذِ خاص تھے۔ ویرووال، تحصیل ترنتارن ضلع امرتسر میں حکیم صاحب نے حضرت الشیخ رحمہ اللہ سے سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد حضرت الاستاذ کے قائم کردہ مدرسہ میں پڑھانا شروع کیا۔ وہ دعوتی کاموں میں حضرت الشیخ کے معاون بھی تھے۔ حضرت الشیخ بھی قیامِ ویرووال کے دور کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ حکیم صاحب بھی شیخؒ کا انتہائی احترام کرتے اور تذکرہ کرتے ہوئے انہیں حضرت الاستاذ سے یاد کرتے تھے۔ حضرت الشیخ کی تدریسی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے کہ انہیں تدریس سے والہانہ لگاؤ تھا۔ اکیلے ہی بیس کے قریب سبق پڑھایا کرتے تھے۔ سارا دن تدریس میں مصروف رہتے اور اس کے ساتھ ساتھ علاقے میں ردِ مرزائیت پر بھی کام کرتے۔ تقاریر اور مناظروں کا اہتمام ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس میدان میں بھی کامیابی عنایت فرماتے۔

قربِ مکانی کی وجہ سے راقم کی اکثر حکیم صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات رہتی

Marfat.com

تھی۔اس دوران ان کی سرگرمیوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔فیلڈ مارشل صدر ایوب کے دور میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے ملحدانہ افکار کی وجہ سے تحریک چلی تو حکیم صاحبؒ کا اس میں موثر کردار تھا۔1971ء میں سقوطِ ڈھاکہ کے بعد حکیم صاحب بے قرار رہتے۔مختلف اجلاسوں میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء کو جمع کرتے اور دین کے حوالہ سے مخدوش حالات کا تجزیہ کرتے۔بعد ازاں مسائل کے حل کی تلاش پر بحث ہوتی۔اس وقت آپ نے ساری قوم کو اپنے گناہوں سے اجتماعی توبہ کرنے کے لئے بھرپور ترغیبی تحریک چلائی۔ دروس و خطبات میں لوگوں کو اس جانب توجہ دلانے کے علاوہ تحریری طور پر قوم کے انفرادی اور اجتماعی جرائم کی فہرست لکھ کر فارم کی شکل میں طبع کرائی۔نقضِ میثاق کے مسئلے کو تفصیل سے بیان کیا۔توبہ و استغفار کی دعوت کے ساتھ اس فارم پر دستخط بھی لیتے۔راقم کو بھی تحریکِ توبہ میں حکیم صاحب کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔اس وقت حکیم صاحب رحمہ اللہ، منشی محلہ میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے تھے۔علماء کرام جمع ہوتے تو علماء کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے۔حکیم صاحب کی کیفیت ''نذیر عریاں'' کی ہوتی تھی۔علماء پر اثر ہوتا، حالات کی سنگینی سے واقف ہونے سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور ہر ایک فکر مند ہو جاتا۔مرزائیوں کے خلاف تحریک چلی اور اسمبلی میں ان کو اقلیت قرار دینے کا مسئلہ پیش ہوا تو حکیم صاحب نے جہاں تحریر و تقریر کے ذریعے اس مسئلہ کو اجاگر کیا، وہاں آپ کا اراکینِ اسمبلی کو معلومات دینیہ فراہم کرنے کا خاموش تعاون بھی انتہائی اہم تھا۔

1977ء کی تحریک میں پولیس کے لاٹھی چارج سے زخمی ہوئے اور ہسپتال میں رہے۔جنرل ضیاء الحقؒ کے دور میں ان کے ساتھ خصوصی تعاون کے باوجود کوئی بھی سرکاری عہدہ قبول نہیں کیا۔جنرل صاحب نفاذِ شریعت اور دیگر مسائل میں حکیم صاحب کے مشوروں کو بہت اہمیت دیتے تھے اور دینی کاز کو آگے بڑھانے کے لئے ان پر عمل بھی کرتے تھے۔جنرل صاحب کی شہادت حکیم صاحب کے لئے انتہائی صدمہ کا باعث تھی۔

Marfat.com

اسلام اور پاکستان کے خلاف عالم کفر کی سازش اور جنرل ضیاء الحق کی شہادت نے حکیم صاحب کی طبیعت پر منفی اثر ڈالا۔ سنگینیٔ احوال نے ان کی طبیعت کو بہت زیادہ حساس بنا دیا تھا۔ جنرل ضیاء الحق کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے تھے کہ اسلام، پاکستان اور عالمِ اسلام کے لئے ان کی خدمات نتیجہ خیز ثابت ہوں گی۔ ان کی شہادت کے بعد طبیعت پر اتنا اثر ہوا کہ صحت بھی گرنا شروع ہوگئی۔

حکیم صاحب رحمہ اللہ کی اَن گنت دینی، ملی، قومی، سیاسی، سماجی، علمی، تبلیغی، صحافتی، طبی و معاشرتی خدمات اور دیگر اوصاف کے علاوہ ایک اہم وصف یہ تھا کہ ہمیشہ زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہتی تھی۔ چلتے پھرتے، آتے جاتے، مجلس میں ہوں اور گفتگو نہ کر رہے ہوں تو ذکر میں مشغول رہتے۔ گھر میں حکیم صاحب رحمہ اللہ کے معمولات شب بیداری، عبادت، ذکر و فکر کے بارے میں ڈاکٹر زاہد اشرف لکھیں تو بہتر ہے۔ راقم دیگر مواقع پر اپنے مشاہدہ کی بنا پر کہہ سکتا ہے کہ حکیم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ دائم الذکر بزرگ تھے۔

Marfat.com

عطیہ خداوندی

مولانا حافظ فضل الرحیم اشرفی ☆

مولانا عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم انسان روز روز پیدا نہیں ہوتے، ایسے فرشتہ صفت لوگ عطیۂ خداوندی ہوتے ہیں، جو اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار، پاکیزہ سوچ و فکر، بلند نظریہ، حق و صداقت اور مقدس مشن کے علم بردار ہونے کی وجہ سے لوگوں کے لئے ہدایت و راہنمائی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ پھر یہ پاکیزہ ہستیاں دنیا میں کامیاب زندگیاں گزارنے کے بعد اس عارضی زندگی کو چھوڑ کر ''حیاتِ جاوداں'' پالیتی ہیں، اور بعد میں آنے والے لوگ ان کے نقشِ قدم پر چل کر، ان کی پاکیزہ زندگی کو مشعلِ راہ بنا کر، منزلِ مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔

نوجوانی کے دور میں میری مولانا مرحوم سے جامعہ اشرفیہ لاہور، مدینہ مسجد پرانی انارکلی لاہور، راولپنڈی میں قاری سعید الرحمٰن مرحوم کے ہاں اور اسلام آباد کی متعدد مساجد میں ملاقاتیں اور زیارتیں ہوتی رہیں۔ مولانا کا ہنستا مسکراتا چہرہ ہمیشہ میری نگاہوں کے سامنے رہے گا۔ میں جوں جوں مولانا مرحوم کے قریب ہوتا گیا، ان کی عظمت و محبت دل میں بڑھتی چلی گئی۔ الحمدللہ! میرا گھرانہ، میرا ماحول، میری تربیت، ساری کی ساری علماء اور مشائخ کے اردگرد رہی ہے، جن کی بڑی لمبی اور طویل فہرست ہے، اس ماحول کی بودوباش میں صبح و شام گزارنے والا یہ حقیر اور عاجز، حقیقت پسندی کے ساتھ آج یہ تحریر

☆ نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور۔ صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی، پاکستان۔ ممتاز دینی و روحانی شخصیت۔

Marfat.com

کر رہا ہے کہ میں نے حضرت مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی آواز میں ہمیشہ امتِ مسلمہ اور پاکستان کے تمام مسالک کے علماء کے لئے سوز و درد مندی کو محسوس کیا۔ احقر مسلکی اختلاف کے باوجود حضرت مولانا مرحوم کی عظمت کا دل سے قائل ہے۔

میں نے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ، حضرت مفتی زین العابدین رحمہما اللہ تعالیٰ اور میاں مصطفیٰ صادق کی اس جماعت کو ہمیشہ ملک کی فلاح اور اسلام کی سربلندی کے لئے کام کرتے ہوئے دیکھا۔ ان کے لئے دل سے دعائیں نکلتی تھیں کیوں کہ یہ مقدس جماعت ملک میں تمام مسالک کے علماء کے دروازے پر پہنچ کر اتحاد و اتفاق، ملک کی فلاح اور اسلام کی سربلندی کے لئے ہمیشہ کوشش کرتی رہی۔ آج جس دور سے ہمارا یہ ملک پاکستان گزر رہا ہے، جسے بیان کرتے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، جہاں دباؤ اور مایوسی نے چہار اطراف سے گھیرا ہوا ہے، اللہ معاف فرمائے، پھر معاف فرمائے، پھر معاف فرمائے، بظاہر دور دور تک امید کی کوئی کرن بھی نظر نہیں آتی، ان حالات میں مولانا کی تحریریں، مقالہ جات، مواعظ اور ملفوظات پاکستان کی تعمیر و ترقی اور امت کی راہنمائی کے لئے انتہائی مفید ثابت ہوں گے۔

مجھے مولانا مرحوم کی کم و بیش چھپن سال پرانی ایک تحریر یاد آ رہی ہے، جو موجودہ حالات پر سو فیصد صادق آتی ہے۔ کاش کہ ہم سب اپنے دلوں سے باہمی منافرت، کینہ، بغض اور حسد کو نکال کر دین اسلام کی ترقی کے لئے باہم متحد ہو جائیں۔ میں یقین سے عرض کرتا ہوں کہ یہ اتحاد اور باہمی تعاون اتنی بڑی قوت و طاقت ہے کہ ساری دنیائے کفر بھی اکٹھی ہو کر ہمیں نقصان پہنچانا چاہے تو ہمیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ مولانا مرحوم اپنی تحریر میں لکھتے ہیں:

> ''پاکستان ہو یا کوئی دوسرا ملک، یہ حقیقت اصولی لحاظ سے تسلیم کرنا پڑے گی کہ تعمیر و ترقی کی کوئی منزل اس وقت تک طے نہیں کی جا سکتی جب تک باہمی اتحاد و اتفاق کی فضا موجود نہ ہو، اور یہ فضا اس وقت تک پیدا نہیں کی جا سکتی جب

Marfat.com

تک اس ملک کے باشندے بحیثیت مجموعی، فکری ہم آہنگی کی نعمت سے بہرہ ور نہ ہوں، فکری ہم آہنگی کا فقدان ہمیشہ بے اعتمادی اور عدم تعاون کا باعث بنتا ہے، اور یہ کیفیت کبھی بھی فلاح وارتقاء کی منزل تک پہنچنے نہیں دیتی۔ ایک مملکت کا معاملہ تو بڑی اہمیت رکھتا ہے، آپ ایک خاندان ہی کو لے لیجیے۔ جب تک تمام افرادِ خانہ اور صاحبِ خانہ آپس میں کھچے کھچے رہیں گے، اس خاندان کو زندگی کے کسی شعبہ میں بھی سکھ اور چین نصیب نہیں ہوگا۔ نہ مالی اُمور مستحکم شکل اختیار کریں گے، نہ خانگی معاملات بطریقِ احسن طے کیے جا سکیں گے، اور نہ ہی اپنے اپنے حقوق و فرائض کا احساس پیدا ہوگا۔ آپ کسی معمولی سے معمولی تجارتی یا صنعتی ادارہ کو اس وقت تک کامیابی سے چلائے جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے، جب تک اس ادارہ کے منتظمین اور عام اہل کاروں کے درمیان کامل اتحاد اور تعاون کے جذبات کارفرما نہ ہوں۔ جس طرح کسی خاندان یا ادارہ کے لئے محض مکان، اشیائے ضروریہ اور دولت کی فراوانی جیسے ذرائع فراہم کر لینا ہی کافی نہیں ہوسکتا، اسی طرح ایک مملکت کے لئے بھی ناگزیر ہے کہ اس کی انتظامیہ اور عام باشندے شیر و شکر ہو کر رہیں۔ انہیں ایک دوسرے پر مکمل اعتماد ہو، باہمی محبت اور تعاون کے جذبات کارفرما ہوں، اپنے فرائض کی ادائیگی اور دوسروں کے حقوق کا پورا پورا لحاظ ہو۔ انتظامیہ اگر کوئی فیصلہ کرے تو عوام اس فیصلہ پر خلوصِ دل کے ساتھ عمل پیرا ہونے پر آمادہ ہوں۔ اس کے لئے انہیں کسی خارجی ترغیب کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو، بلکہ ان کا ضمیر یہ تقاضہ کرے کہ اس فیصلہ کی کامیابی، ان کی اپنی کامیابی کے ہم معنی ہے۔''

آخر میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ پاک، مرحوم کی مساعی جمیلہ کو قبول فرما کر جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائیں، آمین، یارب العالمین۔

Marfat.com

خداترس، فرض شناس

ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادریؒ ☆

حکیم صاحب سے میری شناسائی بہت عرصہ سے ہے۔ میں جب چیچہ وطنی کی نور المساجد میں خطیب و امام تھا اور اس سے متعلقہ دار العلوم میں مہتمم، صدر مدرس اور مفتی کے فرائض انجام دیتا تھا، ان دنوں میرے پیٹ میں کچھ ایسی گڑ بڑ ہوئی کہ کئی ایک حکیم صاحبان سے علاج کے باوجود صحت بحال نہ ہوئی۔ آخر کسی نے حکیم عبدالرحیم اشرف علیہ الرحمہ سے علاج کرانے کا مجھے مشورہ دیا۔ میں فیصل آباد آیا۔ حکیم صاحب سے ملا۔ انہوں نے تشخیص فرمائی اور دوا دی۔ دوا کے پیسے پوچھنے پر فرمایا: ''آپ سے کوئی پیسے نہیں لیں گے؟'' کیوں؟''، ''اس لئے کہ آپ عالمِ دین ہیں، دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ کیا ہم دین کی خدمت کرنے والوں سے بھی پیسے لیں۔ ہرگز نہیں۔'' میرے دل میں حکیم صاحب کا احترام نقش ہو کر رہ گیا۔

حکیم صاحب ایک سچے، ایمان دار، فرقہ واریت و فرقہ پرستی سے کوسوں دُور، ہر مسلک والے کا احترام و ادب کرتے تھے۔ وہ دوا فروش یا پیشہ وَر حکیم نہ تھے، بلکہ وہ خدا ترس اور فرض شناس ہونے کے ساتھ ساتھ اہلِ دین و علماءِ دین سے عقیدت اور ان کی خدمت کرنے کا جذبہ رکھتے تھے۔ میرے نزدیک وہ سچے اہلحدیث تھے اور سچا اہلحدیث وہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ پر عمل کرنا اپنا مشن سمجھے۔

حکیم صاحب سے میری لاہور آنے کے بعد پنجاب کی سطح پر بلائی گئی بعض

☆ ممتاز دینی راہ نما اور مہتمم جامعہ رضویہ، لاہور، یکم ستمبر 2010ء کو دارِ فانی سے دار البقاء کی طرف کوچ کر گئے۔

Marfat.com

مشترکہ میٹنگوں میں بار ہا ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ نیز جنرل ضیاء الحق شہید علیہ الرحمہ کے ساتھ بھی میری اور ان کی اکٹھے کئی بار ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک مرتبہ اسلام آباد میں میٹنگ تھی، جنرل ضیاء الحق شہید علیہ الرحمہ کے ساتھ کھانے پر مَیں کسی موضوع پر بات کر رہا تھا کہ حکیم صاحب مرحوم میرے قریب تشریف لائے اور مرحوم ضیاء الحق سے فرمانے لگے کہ بریلوی مکتبِ فکر کے علماء میں سے انتہائی بردبار، صاحبِ علم و تحقیق اور انتہائی معتدل کوئی فرد دیکھنا ہو تو مفتی غلام سرور صاحب قادری کو دیکھ لیجئے۔ مرحوم مسکرائے اور فرمانے لگے: ''حکیم صاحب! مفتی صاحب کے بارے میں میرے یہی خیالات تھے، اس لئے میں نے خصوصی طور پر اس اجلاس میں شرکت کے لئے انہیں بلوایا ہے۔''

حکیم صاحب اس ناچیز سے بڑی شفقت فرماتے تھے اور اپنے ہاں اصرار سے بلایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں آپ کے ہاں فیصل آباد گیا تو آپ نے اپنے جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کے علماء و طلبہ سے میری ملاقاتیں کرائیں۔ رات کا کھانا آپ کے گھر کھایا۔ وہاں اپنے صاحبزادے زاہد اشرف کے ساتھ ملایا جو بلاشبہ اپنے والد مرحوم کے صحیح جانشین اور انہی اوصاف کے حامل ہیں۔ مغرب و عشاء کی نماز ہم نے اکٹھے پڑھی۔ آپ نے مجھے ہی امام بنایا اور فرمانے لگے آپ کی خوبصورت آواز میں خوبصورت قراءت بار بار سننے کو دل چاہتا ہے۔

حکیم صاحب فیاض و سخی بھی تھے۔ میں نے واپس آنے کے لئے اجازت مانگی تو مجھے چھوڑنے کے لئے باہر تشریف لائے اور مصافحہ کرتے ہوئے ایک لفافہ میرے ہاتھ میں تھما دیا، جس میں ایک ہزار روپیہ تھا۔

حکیم صاحب مریضوں کو نہ صرف ظاہری دوا دیتے تھے بلکہ انہیں روحانی دوا کی طرف بھی توجہ دلاتے تھے۔ مریضوں کو جو نسخہ دیا جاتا اس پر نماز کی پابندی، شریعت کی پابندی اور تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب بھی درج ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ مین مارکیٹ گلبرگ لاہور میں میرے ہاں تشریف لائے۔ المنبر

Marfat.com

کے کچھ شمارے بھی ساتھ تھے۔ میں نے آپ کو مشروب پیش کیا۔ کھانے کا پوچھا تو فرمایا کہ یہاں ایک کام ہے، اگر جلدی فارغ ہوا تو کھانا آ کر کھاؤں گا، ورنہ پھر کبھی سہی۔ میری لائبریری کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ پھر فرمانے لگے کہ علماء کی قدر کرنا میرے ایمان کا جزو ہے خواہ وہ کسی بھی مسلک کے ہوں۔ حق پسندی ان کے ہاں موجود تھی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت حکیم صاحب کی مغفرت فرمائے اور انہیں جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اس دور میں ان جیسے لوگوں کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

معتبر اور معزز

چوھدری یسین ظفر ☆

یہ ان دنوں کی بات ہے جب مَیں جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی چھٹی کلاس میں زیرِ تعلیم تھا۔ تحریکِ ختمِ نبوت پورے عروج پر تھی۔ فیصل آباد میں آئے دن ہڑتالیں ہو رہی تھیں اور جلسے جلوس نکالے جا رہے تھے۔ تمام مکاتبِ فکر کے علماء باہمی اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی قیادت کرتے تھے۔ خصوصی اجلاس منعقد ہو رہے تھے، جن میں فیصل آباد کی نام وَر شخصیات شریک ہوتی تھیں۔ خطیبِ فیصل آباد استاذی المکرّم مولانا محمد صدیق ؒ شیخ الحدیث و ناظم جامعہ سلفیہ کی معیت میں ان اجلاسوں میں جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ان غیر معمولی اجلاسوں میں جو اہم شخصیات شریک ہوتی تھیں ان میں شیخ الحدیث مولانا محمد اسحاق چیمہ، مولانا تاج محمود، صاحبزادہ فیض الحسن، مفتی زین العابدین، مولانا ضیاء القاسمی رحمہم اللہ تعالیٰ، مولانا محمد یوسف انور اور بہت سے علماء و مشائخ شامل تھے۔ لیکن ان میں ایک شخصیت ایسی بھی تھی جو جسمانی اعتبار سے تو نہایت کمزور تھی لیکن شکل و صورت سے بہت ہی معتبر، محترم اور معزز دکھائی دیتی تھی۔ پورے اجلاس کی کارروائی نہایت انہماک سے سُنتی اور آخر میں نہایت دھیمے لہجے لیکن پُر اعتماد آواز میں اپنی رائے کا اظہار فرما دیتی۔ ان کی عادت تھی کہ دورانِ گفتگو کبھی کبھی چشمے کے اوپر سے حاضرین کو ملاحظہ فرماتے، جس سے پوری مجلس پر آپ کا رعب طاری ہو جاتا تھا۔ آپ کی مدلّل گفتگو کی روشنی میں اکثر آپ کی رائے کو صائب قرار دیا جاتا اور اس کے مطابق جلسوں اور جلوسوں

☆ پرنسپل جامعہ سلفیہ، فیصل آباد۔ مدیر ماہنامہ ''ترجمان الحدیث'' فیصل آباد۔

Marfat.com

کا پروگرام طے کیا جاتا۔ کئی دن یہ کارروائی دیکھنے کا موقع ملا، لیکن ان حضرت کے بارے میں نہ جان سکا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ ایک دن مولانا محمد یوسف انور سے استفسار کیا تو فرمانے لگے: ''یہ کاروانِ ختمِ نبوت کے سالار مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ ہیں۔ آپ جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ (جو اس وقت جناح کالونی میں تھا) کے مہتمم بھی ہیں۔ مزید برآں منشی محلّہ کی جامع مسجد میں خطبۂ جمعہ بھی ارشاد فرماتے ہیں۔'' آپ کا اندازِ گفتگو بہت مسحور کُن ہوتا تھا، جس میں دلائل و براہین کے ساتھ دوسروں کو قائل کرنے کے لئے عقلی استدلالات کا انبار بھی ہوتا تھا۔ تحریکِ ختمِ نبوت، مسلمانوں کی مساعی اور علماء کے اتحاد و اتفاق کی بدولت کامیاب ہوئی۔

اس کے بعد بھی کبھی کبھار آپ سے ملاقات رہی۔ اکثر جمعہ امین پور بازار میں مولانا محمد صدیق مرحوم کے پیچھے پڑھتا تھا، لیکن اس دوران آپ کے خطبات سننے کا بھی اتفاق ہوا۔ آپ بہترین خطیب تھے، اپنی تقریر میں موضوع کا پورا حق ادا کر دیتے تھے۔ اس دوران تسلسل کے ساتھ کئی خطبے سُنے جو ''والدین کی ذمہ داریاں'' کے موضوع پر دیئے گئے تھے۔ آپ کی گفتگو بامقصد اور اصلاحِ احوال پر مبنی ہوتی تھی۔ آپ آنے والے خطرات اور پُرفتن حالات سے عوام الناس کو متنبّہ کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ معاشرتی مسائل پر بہت سلیقے سے گفتگو کرتے اور قرآن وسنت کی روشنی میں ان کا حل پیش کرتے تھے۔ تاریخی واقعات اور مثالیں بطور دلائل پیش فرماتے۔ علاوہ ازیں للّٰہیت اور خشیت الٰہی آپ کے خاص موضوع ہوتے تھے۔ آپ جمعہ کی نماز پورے خشوع وخضوع سے پڑھاتے تھے۔

بھٹو کی فسطائیت کے خلاف جب قومی اتحاد وجود میں آیا اور ملک گیر تحریک کا آغاز ہوا تو آپ نے فیصل آباد میں بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے رائے عامہ کو ہموار کیا۔ اس تحریک میں ایک جوش اور جذبہ پیدا کیا۔ دوسرے شہروں کی طرح فیصل آباد میں بھی ہڑتالیں ہوتیں اور جلوس نکالے جاتے۔ یہاں کے لوگوں نے بھی خون کا نذرانہ پیش کیا۔ اس ضمن میں ایک اہم واقعہ رونما ہوا۔ فقیر محمد نامی ایک کارکن

Marfat.com

بھوانہ بازار میں شہید ہوا، جس کا جنازہ دوسرے روز دھوبی گھاٹ میں ہونا قرار پایا۔ یہ بات تو انتظامیہ کو بھی معلوم تھی کہ جنازہ پر ہنگامہ ہوسکتا ہے، لہٰذا سخت حفاظتی انتظامات کیے گئے۔ اس موقعہ پر ہم طلبۂ جامعہ سلفیہ بھی شریک ہوئے۔ بھائی محمد یونس بٹ گرفتار ہوئے۔ جنازہ کے بعد جب لوگ جلوس کی شکل میں بڑے قبرستان کی طرف روانہ ہوئے تو مشتعل مظاہرین نے پولیس پر پتھراؤ کیا۔ جواباً آنسو گیس اور ہوائی فائرنگ کی گئی لیکن ہزاروں لوگ جنازے کے ہمراہ قبرستان پہنچ گئے۔ جب میّت کو دفن کر چکے اور دعا مانگی جارہی تھی تو اس وقت تمام مکاتبِ فکر کے اکابر وہاں پر موجود تھے۔ ان میں حضرت حکیم صاحب سرِفہرست تھے۔ اتنے میں انتظامیہ نے قبرستان میں اچانک لاٹھی چارج شروع کر دیا اور نہتے عوام پر فائرنگ کی گئی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سب لوگ بھاگ نکلے، لیکن میں نے خود ملاحظہ کیا کہ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ اپنے چند رفقاء کے ہمراہ قبر پر ہی کھڑے ہیں۔ جبکہ پولیس بڑی بے دردی سے تشدد کر رہی تھی۔ آپ نے بڑے ثبات اور پامردی کا مظاہرہ کیا، زخمی بھی ہوئے اور سینکڑوں زخمیوں کے ہمراہ سول ہسپتال میں داخل ہوئے۔ آپ کی جدوجہد رنگ لائی اور آخر کار جنرل محمد ضیاء الحقؒ نے قوم کو بھٹو سے نجات دلا دی۔

1978ء میں راقم الحروف مدینہ یونیورسٹی چلا گیا۔ حکیم صاحب سال میں ایک دو مرتبہ عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے سعودی عرب تشریف لاتے تو مدینہ منورہ میں آپ کا قیام ایک ہفتہ تک رہتا۔ فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالغفار حسنؒ، جو ان دنوں کلیۃ الحدیث میں استاذ تھے، کے ہمراہ طلبہ کی مجلسوں میں تشریف لاتے۔ جامعہ کے طلبہ بڑے اہتمام سے مدعو کرتے اور آپ کے پند و نصائح سے مستفید ہوتے تھے۔ ایک ایسی ہی مجلس جس کی لطافت اور تازگی آج بھی محسوس کرتا ہوں، اس میں مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف مرحوم کے علاوہ میاں فضل حق مرحوم اور جناب مولانا عبدالکریم ثاقب، ہجرہ پبلک سکول برمنگھم (یوکے) کے پرنسپل بھی موجود تھے۔ مولانا عبدالرشید اظہر نے معزز مہمانوں کا تعارف کرایا اور دعوتِ خطاب دی۔ آخری تقریر حکیم صاحب نے فرمائی جو کہ تزکیۂ نفس کے موضوع پر تھی،

Marfat.com

جس کی حلاوت آج بھی محسوس کرتا ہوں۔ آپ نے طلبہ کو علم کے ساتھ ساتھ عمل اور پاکیزگی، طہارتِ قلبی، خشوع اور خشیتِ الٰہی کا مثالی درس دیا اور اسلاف کی مثالوں کو بیان فرمایا۔ پوری مجلس پر رِقّت طاری تھی۔ اس قدر پُر تاثیر درس پہلے نہ سنا تھا۔

جامعہ سلفیہ میں بطورِ مدرس اپنی تعیناتی کے بعد تو اکثر آپ سے شرفِ ملاقات رہا۔ دینی مدارس میں اصلاحِ نصاب و نظام کے حوالے سے کئی مجالس منعقد ہوتی تھیں، جن میں آپ ہمیشہ تعلیم کے ساتھ تربیت پر زور دیتے اور طلبہ میں پائی جانے والی اخلاقی گراوٹ، لااُبالی پن اور بدنظمی پر تشویش کا اظہار کرتے اور اساتذہ کو ان کا ذمہ دار ٹھہراتے۔

سعودی شیوخ کی آمد پر پُر تکلف دعوتوں کا اہتمام کرتے۔ آپ بہت ملنسار اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ مجلس میں بیٹھ کر بھی ذکر و اذکار میں مصروف رہتے۔ آپ کی زندگی حسنِ ترتیب کی بہترین مثال ہے۔ تمام مکاتبِ فکر آپ کا بے حد احترام کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ایک آواز پر تمام مکاتبِ فکر کے علماء چند لمحوں میں اکٹھے ہو جایا کرتے تھے...... لیکن اب کہاں؟

حکیم صاحب کی پوری زندگی جہدِ مسلسل سے مزیّن ہے، جو ہم سب کے لئے ایک عمدہ مثال اور نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی جملہ مساعی اور خدمات کو قبول فرمائیں اور بلندیٔ درجات سے نوازیں۔ آمین

Marfat.com

عَلَم بردارِ وحدت

مولانا نجیب اللہ طارق ☆

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف علیہ الرحمۃ کے لئے صرف یہ کہہ دینا کہ وہ اپنی ذات میں انجمن تھے، انصاف نہیں۔ حکیم صاحبؒ کی زندگی ایک تحریک تھی۔ وہ ایک نظریہ و فکر کے داعی تھے۔ انہوں نے عام لوگوں کے علاوہ علماء اور طلبہ کو وحدتِ اُمت کے نظریہ سے روشناس کروایا، اور اس مقصد کے لئے پوری زندگی جدوجہد کرتے رہے۔ وہ وحدتِ امت کے صرف داعی نہیں تھے بلکہ اپنے عمل سے اس نظریہ کی حقانیت کو ثابت کر دکھایا۔

1966ء کا ذکر ہے کہ میرے والد صاحب اشرف لیبارٹریز میں ملازم ہوئے، اس وقت اشرف لیبارٹریز جناح کالونی میں تھی اور اس کے بالکل ملحق جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ بھی قائم تھا۔ والد صاحب پہ اس ادارے کا اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے اپنے منجھلے بیٹے، اسداللہ غالب کو جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ میں داخل کروا دیا۔ یہاں سے ہمارے گھر میں حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب اور جامعہ کا تعارف شروع ہوا۔ بھائی صاحب جمعرات کو گھر آتے تو جامعہ کی باتیں اور حکیم صاحب کے تذکرے ہوتے۔

بھائی صاحب تو بوجوہ دینی تعلیم مکمل نہ کر سکے، مگر حکیم صاحب اور مولانا محمد بشیر سیالکوٹی کی تربیت کا ان پر گہرا اثر مرتب ہوا، جو آج بھی ان کی سیرت میں جھلکتا ہے۔

حکیم صاحب سے میرا ذاتی تعارف اس وقت ہوا جب میں 1972ء میں جامعہ سلفیہ میں داخل ہوا۔ انہی دنوں جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ، جناح کالونی سے سرگودھا روڈ پر

☆ استاذ جامعہ سلفیہ، فیصل آباد۔ سابق امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث، فیصل آباد۔ خطیب محمدی مسجد اہل حدیث، پیپلز کالونی

Marfat.com

اپنی نئی دیدہ زیب عمارت میں منتقل ہوا تھا۔ جامعہ سلفیہ میں دورانِ تعلیم پتہ چلا کہ جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ میں ہفت روزہ علمی اور تربیتی نشست ہوتی ہے، چنانچہ ہر ہفتہ اپنے چند دوستوں کے ہمراہ جامعہ سلفیہ سے پیدل، جامعہ تعلیمات جاتا اور ان نشستوں میں شریک ہوتا۔ ان نشستوں سے میں نے واقعتاً بہت کچھ حاصل کیا۔ اب یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ناحق مسلکی ہٹ دھرمی کا ختم ہونا، ان نشستوں میں حاضری کی وجہ سے ہوا، یا پھر اسلامی جمعیت طلبہ میں شمولیت نے زہر آلود مذہبی منافرت کو میری زندگی سے نکال دیا، مگر یہ بات طے شدہ ہے کہ ان تربیتی مجالس میں حاضری نے مجھے بہت کچھ دیا۔ حکیم صاحب کی گفتگو اتنی مدلل اور سلیس ہوتی کہ مجھ جیسا مبتدی طالب علم بھی سمجھ لیتا۔ ان کی گفتگو کا محور تعلیم و تربیت ہوتا، وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کو بہت اہمیت دیتے، بلکہ تربیت کو تعلیم سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

حکیم صاحب نے جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کے طلبہ میں اس سوچ کو اتنا پختہ کر دیا کہ آج فضلائے جامعہ تعلیمات، جہاں کہیں بھی خدمات سرانجام دے رہے ہیں، مذہبی اعتدال ان کا خاصہ شمار ہوتا ہے۔

حکیم صاحب مروّجہ اصطلاح میں نہ تو شعلہ نوا خطیب تھے اور نہ روایتی واعظ، مگر منشی محلّہ کی مسجد میں وہ سالہا سال بطورِ خطیب، خطبۂ جمعہ ارشاد فرماتے رہے۔ جن لوگوں نے ان خطبات کو سنا ہے وہ جانتے ہیں کہ کتنی دل سوزی کے ساتھ وہ لوگوں کی نہ صرف تربیت کرتے، بلکہ انہیں ملکی اور بین الاقوامی حالات سے بھی باخبر رکھتے تھے۔ وہ اپنے سامعین کو ایک فکر دیتے تھے اور ان کی سوچ کے زاویے بدل ڈالتے تھے۔

اسی طرح حکیم صاحب مروّجہ سیاست دانوں کی صف میں ہرگز شامل نہیں تھے، مگر جب ملک میں اسلام کے خلاف کوئی کام ہوتا تو حکیم صاحب اس کے خلاف بپا ہونے والی تحریک میں صفِ اول کے راہنما ہوتے۔ مجھے ڈاکٹر زاہد اشرف نے بتایا کہ 1953ء کی تحریکِ ختم نبوت میں وہ اٹک جیل میں قید بھی رہے۔

میں نے ان کی استقامت اپنی آنکھوں سے تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ میں دیکھی۔ میں

Marfat.com

اس جلوس میں شامل تھا، جو بھٹو حکومت کے دوران نکالا گیا۔ اس میں شہر بھر کے علماء شریک تھے۔ میں نے خود علماء کے اوپر تشدد ہوتے دیکھا، جس میں حکیم صاحب بھی تھے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ بہادری اور شجاعت جسمانی قوت سے نہیں بلکہ نظریے اور عقیدے سے حاصل ہوتی ہے۔ تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ کے دنوں میں آپ کے خطباتِ جمعہ سننے کے لائق ہوتے تھے۔ آپ کمالِ جرأت و بے باکی کے ساتھ حکمرانوں پر تنقید کرتے، لوگوں کو حوصلہ بھی دیتے اور جوش بھی دلاتے۔

حکیم صاحب کی ایک خوبی ان کی وضع داری تھی۔ مجھے یاد پڑتا ہے، ایک نہایت اہم اجلاس ہو رہا تھا جس میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء اور عوام الناس موجود تھے۔ جس وقت حکیم صاحب کی باری آئی تو اسٹیج سیکرٹری کو نہ جانے کیا سوجھی، ان کا تعارف نہ تو ایک عالمِ دین کی حیثیت سے کروایا اور نہ ہی ماہر تعلیم کی حیثیت سے، بلکہ کہا اب تشریف لاتے ہیں اشرف لیبارٹریز کے مالک جناب حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب۔ تمام سامعین اسٹیج سیکرٹری کے اس انداز سے سخت ناراض تھے، مگر قربان جایئے مولانا صاحب کی متانت، حوصلے اور بذلہ سنجی کے، آپ اسٹیج پہ آئے اور صرف اتنا فرمایا کہ میرا تعارف تو اسٹیج سیکرٹری صاحب نے کروا دیا ہے اور بس، اس کے بعد آپ نے نہایت مفید گفتگو کی اور بہت سی قیمتی آراء و تجاویز بھی دیں۔

ایک یادگار ملاقات کا تذکرہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ حکیم صاحب کا مدینہ یونیورسٹی آنا جانا تو رہتا تھا، خاص کر شیخ عبداللہ الزائد صاحب کے ساتھ ان کے مراسم بہت گہرے تھے۔ ایک دفعہ جب وہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو مولانا انیس الحق افغانی کے ساتھ، ہوٹل میں حکیم صاحب سے ملاقات ہوئی، حکیم صاحب رات کا کھانا کھا کر چہل قدمی کر رہے تھے، تھوڑی دیر بعد وہ ہمارے پاس آ بیٹھے اور ایک نہایت مفید مجلس ہوئی، جس میں انہوں نے ہمیں بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔ مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم جامعہ تعلیمات اسلامیہ کے طلبہ کے ساتھ وہ خصوصی نشست کا اہتمام کرتے تھے اور ان سے مکمل

Marfat.com

رابطے میں رہتے تھے۔

حکیم صاحب سے آخری ملاقات جناح کالونی میں ان کی بیماری کے ایام میں ہوئی، اس وقت مرض کا حملہ زیادہ شدید نہیں تھا، لہٰذا کافی دیر باتیں کرتے رہے۔

اگر حکیم صاحب کی زندگی کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ اس آیت کے مصداق تھی:

اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

بلاشبہ میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا و مرنا، جہانوں کے رب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

Marfat.com

حیاتِ اشرف کے لازوال باب

مولانا ایاز احمد حقانی ☆

آہ! حضرتِ اقدس مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب جن کے نام گرامی کے ساتھ کل تک دَامَتْ بَرَکَاتُهُمْ وَ مَدَّ فُیُوضُهُمْ لکھا جاتا تھا، آج نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ اور بَرَّدَ اللّٰهُ مَضْجَعَهٗ لکھتے ہوئے قلب و دماغ مغموم اور آنکھیں اشک بار ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ.

حکیم صاحبؒ ملک کے مشہور طبیب، صاحبِ قلم، عالم و محقق، فتنۂ قادیانیت و پرویزیت کے لئے سیفِ قاطع تھے۔ دنیا کے اس مسافر خانہ سے سبھی کو ایک نہ ایک دن رختِ سفر باندھنا ہے۔ شب و روز کے ہنگاموں میں نہ جانے کتنوں کے بارے میں خبر ملتی ہے کہ وہ ہم سے رخصت ہوگئے۔ بہت سوں کی اس دائمی جدائی پر دلوں کو شدید رنج و الم بھی ہوتا ہے۔ لیکن ایسے بہت کم ہوتے ہیں جن کی رحلت کی خبر دلوں پر صاعقہ بن کر گرتی ہے اور جن کی یاد، ان لوگوں کے دلوں میں بھی ہوک اور سخت بے چینی پیدا کردیتی ہے جو ان سے قرابت و رشتہ داری کا رسمی رابطہ نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے بزرگ حکیم صاحبؒ کو اپنی رحمتوں سے نوازیں۔ وہ ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔ وہ اپنی زندہ دلی اور وسیع علمی خدمات کی وجہ سے علمی دنیا میں ہردل عزیز تھے۔ جو شخص بھی علم و تحقیق کی کچھ قدر و منزلت اپنے دل میں رکھتا ہے، اس کے لئے بلاشبہ حکیم صاحب کی وفات ایک عظیم ذاتی سانحہ ہوگی۔

☆ مہتمم الجامعۃ الاسلامیہ الفریدیہ، کانگڑہ، شبقدر نوشہرہ۔

Marfat.com

سادگی و بے تکلفی، کُتب بینی کا ذوق، مطالعہ کی وسعت، علمائے اُمت وسلف کے تذکروں سے عشق کی حد تک شغف، علمائے حدیث کے مسلک پر تصلّب کے باوجود دوسروں کے ساتھ توسّع و رواداری، ہر مسلک کے اکابر و اصاغر سے ذاتی تعلقات، خوردوں کی ہمت افزائی اور انہیں آگے بڑھانے کا بے لوث جذبہ، علمی اور تحقیقی کاموں کی سرپرستی، تمام عالَم کے مسلمانوں کے دکھ درد میں شرکت، یہ عنوانات حکیم صاحب کی زندگی کے لازوال باب ہیں۔

دینی علوم کے فروغ اور سربلندی کے لئے حکیم صاحب نے جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ قائم فرمایا تھا۔ اس جامعہ میں طلبہ کو علومِ دینیہ کے ساتھ عصری علوم پڑھانے کا بھی اہتمام کیا۔

حکیم صاحب طبیبِ حاذق تھے۔ آپ نے طبّی علوم کی تعلیم و تحقیق کے لئے جامعہ طبیہ اسلامیہ قائم فرمایا تھا۔ حکیم صاحب ایک دلِ دردمند رکھنے والے صحافی اور ملک کے بڑے دینی ہفت روزہ المنبر کے مدیرِ اعلیٰ تھے۔ اس مجلّے میں وہ باطل فتنوں کی سرکوبی کرتے رہے اور تمام عالمِ اسلام کے مسلمانوں کے مسائل پر پُر مغز اداریے تحریر فرماتے رہے۔

1974ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں آپؒ نے قائدانہ حصہ لیا تھا اور قید و بند کی تکالیف اٹھائیں۔ دینی مدارس کے درمیان ہم آہنگی کے فروغ اور ان کے نظامِ تعلیم کی یکسانیت کے لئے آپؒ نے مدینہ یونیورسٹی کے، اس وقت کے وائس چانسلر شیخ ڈاکٹر عبداللہ الزائد کے ساتھ پورے ملک کا دورہ فرمایا تھا۔ صوبہ سرحد کے دورہ میں راقم الحروف بھی بعض اضلاع میں ان کے ساتھ تھا۔

اَللّٰهُمَّ اَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَ وَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَ اَبْدِلْهُ دَاراً خَيراً مِنْ دَارِهٖ وَاَهْلاً خَيراً مِنْ اَهْلِهٖ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوبِ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَ اَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ الْفِرْدَوْسِ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ، وَاغْفِرْلَنَا وَلَهٗ وَلِجَمِيعِ الْمُسْلِمِيْنَ، آمين يا رب العلمين.

Marfat.com

نگارشات
اصحابِ تعلیم

Marfat.com

Marfat.com

''نصف صدی کا قصہ ہے.....''

ڈاکٹر قاری محمد طاہر ☆

لوحِ شہر ابھی تبدیل نہ ہوئی تھی۔ فیصل آباد کی پیشانی پر لائل پور لکھا ہوا تھا۔ آبادی بھی اس قدر بڑھی ہوئی نہ تھی۔ پورا شہر آٹھ بازاروں کے گرد گھومتی سرکلر روڈ کے اندر سمٹا ہوا تھا۔ جامع مسجد کچہری بازار ہی شہر کی سب سے بڑی مسجد تھی، جہاں تقریباً سارے شہر کے لوگ بلاتفریقِ مسلک جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے۔ خطیبِ شہر مفتی محمد یونس مرحوم ہوا کرتے تھے۔ بڑے عالم اور رُعب داب شخصیت کے مالک، شہر کے تمام لوگوں میں ان کی بڑی عزت و توقیر تھی۔

جمعہ کا دن تھا۔ نمازِ جمعہ ہو چکی تھی۔ لوگ سنتیں اور نوافل ادا کر کے مسجد سے باہر نکلنے کی کوشش میں تھے کہ ایک شخص نے مسجد کے بائیں طرف والے برآمدے میں کھڑے ہوئے لوگوں کو ذرا سی دیر کے لئے رُکنے اور کچھ ضروری گفتگو سننے کو کہا۔ پتلا دُبلا جسم، سیاہ لمبی داڑھی، سر پر قراقلی ٹوپی، قد چھوٹا، سفید قمیض، سفید شلوار۔ اس شخص کو میں نے پہلی مرتبہ دیکھا، باتیں سنیں، میرا شعور و ادراک ابھی ناپختہ تھا۔ بس اتنی سی بات سمجھ میں آئی کہ موصوف یہ کہہ رہے تھے کہ ہر فرد کی زندگی اللہ کی امانت ہے۔ اس لئے ہر شخص کو غلبۂ اسلام کے لئے جدوجہد کرنی چاہیے، کیونکہ اللہ کے ہاں ہر آدمی سے اس بارے میں بازپرس ہوگی۔

والد مرحوم سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ یہ مولانا عبدالرحیم اشرف ہیں۔ جماعت

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر (ر) شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد۔ مدیر ماہنامہ ''التجوید''، فیصل آباد۔ ممتاز مصنف و کالم نگار۔ سابق سیکرٹری عالمی رابطہ ادب اسلامی، پاکستان۔

Marfat.com

اسلامی سے ان کا تعلق ہے۔ مولانا مرحوم سے یہ میرا پہلا تعارف تھا۔ مولانا ہر جمعہ کو اسی طریقہ سے اپنے ذمہ فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے عہدہ برآ ہوتے۔ کچھ آپ کی سنتے، کچھ گھر چلے جاتے۔ خطبۂ جمعہ کے بعد آپ کی تقریر پر کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ خطیبِ شہر مفتی محمد یونس مرحوم نے بھی کبھی آپ کو روکا، نہ ٹوکا اور نہ کبھی کسی منفی ردِعمل کا اظہار کیا، کیونکہ اس وقت تک سب لوگ مسلمان کہلاتے تھے۔ ابھی بریلوی، دیوبندی اور اہلِ حدیث نہ ہوئے تھے۔ یہ حصار تو بہت بعد میں لوگوں نے اپنے گرد باندھے۔

یہ زمانہ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی جوانی نہیں، نوجوانی بلکہ بھرپور نوجوانی کا تھا۔ آپ نے عنفوانِ شباب ہی سے اپنی زندگی کا ہدف مقرر کر لیا تھا، اور اس ہدف کے حصول میں زندگی کا آخری لمحہ تک صرف کر دینا ہی آپ کے لئے اصلِ حیات تھا۔ آپ ایسے لوگوں میں سے نہ تھے جو بے مقصد زندگی گزارتے ہیں، جن کے نزدیک حیات، پیدائش اور پھر عملِ پیدائش کے سوا کچھ نہیں۔ جو گھاس پھونس کی طرح اُگتے اور کیڑے مکوڑوں کی طرح مرجاتے ہیں۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثاً وَاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ.

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو یونہی بے کار پیدا
کر دیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹ کر واپس نہیں آ ؤ گے۔

مولانا کے نزدیک زندگی امانت تھی۔ اللہ کی امانت۔ اس امانت کا صحیح مصرف بھی اللہ کی بندگی اختیار کرنا اور اللہ کی بندگی اختیار کرنے کی طرف تمام لوگوں کو دعوت دیتے رہنا ہی ہے۔

مولانا کی تمام تر مساعی کا مرکز و محور کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا کے سوا کچھ نہ تھا۔ اپنی جوانی کے عالم میں انہوں نے متحدہ ہندوستان میں جماعتِ اسلامی کو اس مقصد کی خاطر میدان میں اُترتے دیکھا تو اس کی ہم نوائی اختیار کی کہ انفرادی کوششوں کی نسبت اجتماعی کوششیں زیادہ بارآور ہوتی ہیں اور ثمرات بھی دُور رس ہوا کرتے ہیں۔

Marfat.com

تشکیلِ پاکستان کے بعد جماعت اسلامی نے پاکستان کی انتخابی سیاست میں بھرپور حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ بعض سنجیدہ مزاج لوگ اس بات کو جماعت کے حق میں مفید خیال نہ کرتے تھے، تاہم نظمِ اجتماعی کی پابندی کے سبب لب کشا نہ ہوئے۔ 1951ء کے انتخابات میں جماعت نے اپنے امیدوار کھڑے کیے لیکن نتائج منفی نکلے۔ جماعت میں بحرانی کیفیت پیدا ہوئی۔ ناکامی کے اسباب و عوامل کا جائزہ لینے کے لئے مجلسِ شوریٰ نے تحقیقاتی کمیشن ''جائزہ کمیٹی'' کے نام سے قائم کیا۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ اس کمیشن کے سربراہ تھے۔ دیگر ارکان میں مولانا عبدالجبار غازی، مولانا عبدالغفار حسنؒ اور حکیم شیخ سلطان احمد شامل تھے۔ مولانا نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پورے ملک کا دورہ کیا۔ تقریباً سبھی ارکان سے ملے اور ناکامی کے اسباب سے پردہ اُٹھانے کی کوشش کی۔ نومبر 1956ء میں مولانا نے اس سلسلے میں مبسوط رپورٹ مجلسِ شوریٰ میں پیش کی۔ مجلسِ شوریٰ نے مولانا کی مساعی کو خوب سراہا اور اس رپورٹ کی روشنی میں ایک قرارداد منظور کی، جس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ جماعتِ اسلامی کو انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہو کر فی الحال اصلاحِ معاشرہ پر اپنی توجہات کو مرکوز کرنا چاہیے اور ایسے افراد تیار کرنا چاہئیں جو تقویٰ، تدیّن، طہارت اور باطنی پاکیزگی میں اپنی مثال آپ ہوں۔

جماعت کے بالائی حلقے اس رائے اور مذکورہ قرارداد سے متفق نہ ہو پائے، جس کی وجہ سے بحران پیدا ہو گیا اور جماعت دو حصوں میں بٹ گئی۔ کچھ لوگوں کی رائے یہ تھی کہ اقتدار کا حصول جماعت کے لئے ازبس ضروری ہے، کہ بغیر اقتدار کی لاٹھی ہاتھ میں آئے، اسلام کا نفاذ ممکن ہی نہیں۔ دوسرے طبقہ کی رائے یہ تھی کہ اقتدار کو اپنی منزل قرار دینا درست نہیں کیونکہ عامۃ الناس ابھی اس بات کے لئے ذہناً تیار نہیں ہیں کہ وہ اپنی رائے کا وزن اسلامی سوچ کے حامل لوگوں کے پلڑے میں ڈالیں۔ اس لئے ابھی اذہان کو تیار کرنا چاہیے، تاکہ جماعت ایک مضبوط پریشر گروپ کا کردار ادا کر سکے۔ جماعت کی بالائی قیادت کا رجحان اول الذکر رائے کے حاملین کی طرف تھا۔ اسی تناظر میں 1957ء میں ماچھی گوٹھ، ضلع رحیم یار خان میں بڑا

Marfat.com

اجتماع منعقد ہوا۔ اس اجتماع کے نتیجہ میں اختلافِ رائے کھل کر سامنے آیا۔

مولانا کی دُور رس نگاہوں نے دیکھا کہ اب اجتماعی نظم راست رَو نہیں رہا تو جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ کیونکہ نشانِ منزل سے بھٹکا مسافر کتنی ہی تیز رفتار سواری پر ہو اور مشقت بھی برداشت کرے، اس کی تمام تگ و دَوا سے منزلِ مقصود پر نہیں لے جاتی بلکہ اس کی سرعتِ رفتار قدم قدم منزل سے دُور ہی کرتی رہتی ہے۔ اور وہ بزعم خویش اب پہنچا، اب پہنچا کی خوش کُن آہوں میں اپنا راستہ کھوٹا کرتا رہتا ہے۔ مولانا کے ساتھ اور بعد میں بہت سے حضرات بھی جماعت سے مستعفی ہو گئے، جن میں برصغیر کے نام وَر عالمِ دین مولانا امین احسن اصلاحیؒ بھی تھے۔

مولانا کے فیصلے پر ہم حَکَم کا درجہ نہیں رکھتے، نہ ہی ہمیں جماعتِ اسلامی کے دیگر اکابرین کی سوچ اور طرزِ عمل پر رائے زنی کا حق حاصل ہے۔ ہمارے نزدیک خطائے بزرگان گرفتن خطا است، مگر آج نصف صدی سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد معروضی حالات اور نتائج نے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی سوچ اور فکر پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی۔ انتخابی سیاست سے جماعت کو سوائے جگ ہنسائی اور طعن و تشنیع کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اب جماعت کا ہدف، حصولِ اقتدار ہی بن چکا ہے۔ انفرادی اصلاح، شب بیداریاں اور اعمالِ صالحہ پر ثبات وارتباط کے تمام پہلو عملاً اوجھل ہو چکے ہیں۔ 1957ء میں اسی نکتہ پر جماعت یک لخت سے دولخت ہوئی۔ 1971ء میں انتخابی سیاست ہی کی وجہ سے جماعت کو زبردست صدمہ پہنچا۔ لادین قوتیں غالب آ گئیں۔ 1996ء کے انتخابات میں جماعت پھر لخت لخت ہو گئی۔ کاش جماعت کے اکابرین، مغربی جمہوریت کے دام میں نہ اُلجھتے اور اپنی تمام توانائیاں اس غیر اسلامی نظام کو مشرف باسلام کرنے کی سعیٔ لاحاصل میں صرف نہ کرتے رہتے، بلکہ اپنی سوچ اور فکر کے ذریعے اسلام کے نظامِ سیاست و حکومت کے بارے میں واضح طرزِ عمل سامنے لاتے، اسی پر اجتماعی فکر کی بنیادیں استوار کرتے، اسی کو پاکستان میں رُوبعمل لانے کے لئے اپنا پسینہ بہاتے، تو یقیناً پاکستان کے سیاسی حالات

Marfat.com

کا دھارا مثبت روش اختیار کرتا۔ اسلامی نظامِ حیات کب کا رُو بعمل آ چکا ہوتا۔ لوگ اسلام کی برکات کو آنکھوں سے دیکھتے، عملی زندگی میں ان برکات سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہے ہوتے اور دنیا میں صحیح خطوط پر اسلامی نظریاتی مملکت معرضِ وجود میں آ چکی ہوتی۔ یہ برکات مغربی جمہوریت کے ذریعہ تو ممکن ہی نہیں ۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندرون چنگیز سے تاریک تر

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کا ہر عمل احیائے اسلام کے لئے تھا۔ جماعت اسلامی میں بھی اسی جذبہ کے تحت شامل ہوئے اور اسی جذبے نے جماعت سے علیحدگی پر مجبور کیا۔ مولانا اگرچہ جماعتی نظم سے اُصولی اختلاف پر علیحدہ ہوئے تاہم ان کی طبعی فعالیت نے ان کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ وہ دین کی خدمت کے کام ہی میں سکھ اور چین محسوس کرنے والے بزرگ تھے۔ ان کا شمار ان لوگوں میں نہ تھا جو آباء واجداد اور بزرگانِ دین کے قصے بیان کر کے لذت لینے کے عادی ہوں اور خود ہاتھ پر ہاتھ دھرے اچھی فردا کے انتظار میں بیٹھے رہیں۔ آسان طبائع، سازگار حالات اور وسائل کی عدمِ موجودگی کا سہارا لے کر گریز پائی کا راستہ اختیار کر لیتی ہیں، لیکن مولانا، کام اور ہر حال میں کام کے عادی تھے۔ وہ جماعتی نظم سے علیحدگی اختیار کر لینے کے باوجود متحرک اور فعال زندگی کے خُوگر رہے، تن تنہا طاغوتی طاقتوں سے نبرد آزما ہوئے اور کامیاب و کامران زندگی بسر کر کے اللہ کے حضور حاضر ہو گئے۔

فیصل آباد جیسے جمع و تفریق کے شہر میں جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کا قیام، مولانا کا صدقۂ جاریہ ہے جس کے ذریعہ تشنگانِ علوم سیرابی حاصل کرتے رہیں گے۔ طبِ اسلامی کے فروغ کے لئے طبیہ کالج کی تاسیس، ماہنامہ ''راہنمائے صحت'' کا اجراء اور پابندی سے اشاعت، یونانی ادویات کی تیاری کے لئے وسیع پیمانے پر طبی ادویات کے دواساز ادارے کا قیام آپ کی لازوال خدمات کے ثبوت ہیں۔ ان تمام خدمات کے علاوہ مولانا نے فراعنۂ وقت کے ساتھ پنجہ آزمائی کی غرض سے اپنا ہفتہ وار رسالہ المنبر جاری

Marfat.com

کیا، جس کے چھپتے مضامین اور اداریے حکومتِ وقت کے ایوانوں کو لرزہ براندام کرتے رہے۔ یہ تمام کام مولانا اکیلے ہی سرانجام دے رہے تھے۔ اس حوالے سے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ ایک آدمی نہیں بلکہ پوری اکادمی (Academy) تھے۔ انہوں نے اپنے عمل سے واضح کیا کہ مقصد کی لگن اور ہدف کی درستی کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ٹھہرتی۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ انسان میں ایسی قوت عطا کر دیتا ہے کہ پوری قوم مل کر بھی وہ کام نہیں کر سکتی۔ المنبر سے مولانا نے اعلائے کلمۃ اللہ کا کام بھی لیا اور نہی عن المنکر بھی کیا، کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں فرائض کا ہر مسلمان کو مکلّف بنایا ہے۔

ستر کی دہائی کا آغاز ہی تھا، پورے ملک میں عموماً اور پنجاب میں خصوصاً فرقہ واریت کی بڑی تند و تیز ہوا چلی۔ پنجاب میں اس کا بڑا مرکز فیصل آباد تھا، جو اس وقت لائل پور کہلاتا تھا۔ اس فرقہ وارانہ آندھی کے فریق نہ تو مسلمان و عیسائی تھے، نہ ہندو مسلم اور نہ ہی شیعہ سُنّی۔ بلکہ یہ لڑائی سُنّی، سُنّی کی تھی۔ یعنی دونوں طرف اہلِ السنّۃ والجماعت ہی ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان تھے۔ البتہ اپنے جتھے کی شناخت کے لئے ایک گروہ دیوبندی کہلاتا اور دوسرے نے لفظ بریلوی کی لوح گلے میں لٹکا رکھی تھی۔ اگرچہ اس تنازعہ میں بڑے فریق یہی دو تھے، تاہم اہلِ حدیث اور شیعہ بھی اس جلتی میں کُود پڑے۔ اعتقادی ہم آہنگی کی بناء پر اہلِ حدیث کا وزن دیوبندی حضرات کے پلڑے میں تھا، جبکہ اہلِ تشیع نے بریلوی حضرات کا ساتھ دیا۔ اس طرح پورا لائل پور دو گروہوں میں بٹ کر رہ گیا۔ روزانہ بعد از نماز عشاء کسی نہ کسی بازار یا مسجد میں جلسہ ہوتا۔ سامعین کی تعداد سے غرض نہ تھی، ہر طبقہ اپنے جلسہ کو عظیم الشان کہتا تھا۔ جلسوں کا بڑا مرکز دھوبی گھاٹ کا وسیع میدان ہوتا تھا۔ اگر آج دیوبندی حضرات کا جلسہ ہوا ہے تو کل اسی جگہ بریلوی حضرات میدان جماتے۔ پورے شہر کے لوگ دو حصوں میں بٹ گئے۔ دوکانوں پر، بازاروں میں مناظرہ کی شکل نظر آتی اور بسا اوقات جذبات کی شدت لوگوں کو دست و گریبان تک لے جاتی تھی۔ ایسی آندھی چلی کہ معتدل مزاج رکھنے والے بڑے بڑے علماء بھی اعتدال چھوڑ کر

Marfat.com

کسی نہ کسی دھڑے کے ہو رہے۔ شہر بھر کے معروف علماء میں مولانا عبدالرحیم اشرفؒ ہی ایسے تھے جو اس بلتی جلتی آگ میں نہ کُودے، بلکہ کنارے پر رہ کر اس آگ کو بجھانے کی کوشش میں مصروف رہے۔ پورے پنجاب میں اس بھڑکتی آگ کو فرو کرنے میں مرحوم آغا شورش کاشمیری، ایڈیٹر ہفت روزہ ''چٹان'' نے بڑا مؤثر کردار ادا کیا۔ ان کا وزن اگرچہ دیوبندی علماء کے پلڑے میں تھا، تاہم شورش مرحوم نے اپنے ہفت روزہ ''چٹان'' میں ایسے بھرپور اداریے لکھے جن کا جواب دوسرے فریق کے پاس نہ تھا۔ انہوں نے اپنی تحریر و تقریر کے ذریعے مسلمانوں کو یہ بات باور کروائی کہ یہ لڑائی دیوبندی بریلوی کی نہیں، اس کے پسِ پردہ قادیانی ہاتھ کار فرما ہے۔ شورش مرحوم کی یہ للکار اس بڑھتی، پھیلتی آگ پر پانی کی بوچھاڑ ثابت ہوئی۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ چونکہ داعیٔ اتحاد تھے، اس لئے اس پورے پس منظر میں ہر دھڑے سے الگ رہے، البتہ مرحوم آغا شورش کاشمیری کی مساعی کو دیکھ کر تحسین فرمائی۔ کیونکہ شورش مرحوم پہلے آدمی تھے جنہوں نے گھات میں بیٹھے ہوئے اصل دشمن کی نشاندہی کی تھی اور باہمی لڑائی کا رُخ کامیابی کے ساتھ اصل دشمن کی جانب موڑ دیا تھا۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ تقلید و تـقـیـیـد کے قائل نہ تھے۔ انہوں نے ہمیشہ شعوری کوشش کی کہ ان کا مسلکی رویّہ ان کی ذات کا عنوان نہ بنے، کیونکہ وہی داعی کامیاب ہوتا ہے جس کی پیشانی صاف ستھری ہو۔ کسی خاص رنگ سے رنگین چہرہ، داعی کی بات کو بے وزن کر دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ مولانا اس معاملے میں صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً پر یقین رکھتے تھے، اور یہی یقین ان کے عمل میں بھی جھلکتا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کا مسلک اہلِ حدیث تھا۔ جانے یہ لوگ مولانا کے گرد یہ ہالہ باندھنے کی کیوں کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ اہلِ حدیث ہوتے تو بریلوی ان سے رفع یدین اور آمین بالجہر پر جھگڑتے اور دورانِ نماز قدموں کے مابین فاصلے کو پیمانہ لے کر ماپتے۔ اگر مولانا اہلِ حدیث ہوتے تو دیوبندی، فاتحہ خلف امام اور تراویح کی تعداد پر ان کے ساتھ مناظرے کرتے اور اس مناظرے کے اشتہارات چوکوں، چوراہوں پر آویزاں ہوتے۔ مولانا کا

Marfat.com

مسلک خُذْ مَا صَفَا، دَعْ مَا کَدَرْ تھا۔ ان کی عینک کا شیشہ دیوبندی، بریلوی کی گرد سے آلودہ نہ تھا۔ صاف شیشے سے دیکھتے اور ہر ایک کو اپنا سمجھتے، جو اپنا نہ بنتا اسے اپنا بنانے کی کوشش کرتے کہ یہی داعی کی صفت ہے۔ داعی خود کو دائروں میں محدود نہیں کرتا کہ اسلام آفاقی ہے۔ اسلام کی آفاقیت پر یقین رکھنے والا بھلا خود کو محدود کیسے کر سکتا ہے؟ بریلوی مکتبِ فکر ہو یا دیوبندی علماء کا حلقہ، مولانا سب کے ہاں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی بات میں وزن تھا، ان کی دی ہوئی رائے کو کوئی بھی آسانی سے رَد نہ کر سکتا تھا۔

مولانا متبحر عالمِ دین تھے۔ شاید اسی لئے انہوں نے کسی مسجد کو مسکن نہیں بنایا، نہ اُنہوں نے شکم پروری کے لئے کبھی محراب و منبر کا سہارا لیا۔ وہ ان علماء میں سے نہ تھے جو مسجدوں کو دو کانوں کی مانند کھولتے اور بند کرتے ہیں۔ جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے طب کو بطور پیشہ اختیار کیا۔ اس میں بھی جذبہ، خدمتِ خلق ہی کا تھا۔ اپنی طبّی اور کاروباری مصروفیات کے باوجود مولانا محراب و منبر کی آبرو تھے۔ ان کے نزدیک محراب و منبر میراثِ رسولؐ تھے، جن سے اعلائے کلمتہ اللہ کا کام تو لیا جا سکتا ہے، ذاتی نمود و نمائش کا نہیں۔ اپنے قد کاٹھ میں اضافے کے لئے جبّہ و دستار اور محراب و منبر سے سیڑھی کا کام لینا ان کا مسلک نہ تھا۔

شہر کے منشی محلّہ کی مسجد میں جمعہ کے خطبہ کے لئے تشریف لاتے۔ اپنی گاڑی، اپنا پٹرول، پیسہ نہ دھیلا۔ لالچ صرف یہ کہ دردِ دل سننے والے ملیں۔ اس درد کو بانٹیں۔ اپنی زندگیوں کو بدلیں تا کہ انقلاب برپا ہو اور صالح معاشرہ وجود پکڑے۔ جب تک صحت اور مصروفیات نے اجازت دی، برابر اس مسجد میں خطبۂ جمعہ کے لئے آتے رہے۔ آپ کا وعظ مختصر ہوتا بلکہ بہت ہی مختصر۔ بیس منٹ سے نصف گھنٹہ تک تقریر میں ترہیب کا پہلو غالب ہوتا تھا۔ سننے والے عموماً خوف زدہ ہو جاتے اور اشکبار آنکھوں سے باہر نکلتے۔ کسی نے مولانا سے کہا: ''مولانا! کبھی خوش خبری اور بشارت والی آیات و احادیث بھی بیان کیا کیجئے۔'' فرمانے لگے: ''بشارتیں سناتے اور بشارتیں سنتے رُبع صدی بیت گئی، مجموعی کردار و

Marfat.com

اخلاق تبدیل نہ ہوئے، اب ترہیب و تنذیر ہی کی ضرورت ہے۔ جو آگ میرے سینے میں لگی ہے، کھول کر دکھا دوں تو تم خود پر قابو نہ رکھ سکو گے۔ بنی اسرائیل جن وجوہات کے سبب عذاب سے دوچار ہوئے، وہی عوامل ہمارے ہاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔'' یہ مولانا کی شخصیت کا کرشمہ تھا کہ منشی محلّہ کی مسجد کو ہر شخص اپنی مسجد خیال کرتا۔ بریلوی، دیوبندی، اہلِ حدیث سبھی یہاں اکٹھے نماز ادا کرتے تھے۔ خطیب، اہلِ حدیث...... امام، دیوبندی ...... جبکہ مؤذن و خادم، بریلوی مکتبِ فکر کے تھے۔ منشی محلّہ کی اس مسجد کا یہ مزاج مدت العمر قائم رہا اور کسی نہ کسی حد تک آج بھی ہے۔

مولانا کی پختہ رائے تھی کہ ذہنی انقلاب برپا کرنے کے لئے قرآنی فکر کو عام کرنا ضروری ہے۔ وہ خانقاہی حصار میں رہ کر تبلیغ و تلقین کے قائل نہ تھے۔ اس معاملے میں ان کا فکر، اقبالؒ سے مستعار تھا۔ ؎

اے کہ می نازی بہ قرآنِ عظیم
تا کجا در حجرہ می باشی مقیم
در جہاں اسرارِ دین را فاش کن
نکتہ شرعِ مبیں را فاش کن

اے قرآنِ حکیم پر فخر و ناز کرنے والے شخص! تو کب تک کمرہ میں بند رہے گا۔ کمرہ سے نکل اور پورے جہاں میں دین کے اسرار و رموز کو فاش کر اور دنیا میں شریعتِ مطہرہ کے سربستہ راز کھولنے اور واضح کرنے کا فریضہ سرانجام دے، کہ مسلمان کی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے۔

اس مقصد کے لئے مولانا نے حلقہ ہائے دروس قائم کئے۔ ہفتہ وار اجتماع ہوتا اور آپ خود درسِ قرآن دیتے یا شہر کے کسی بھی جیّد عالم کو بلاتے۔ مسلکی قید کا اس میں قطعاً دخل نہ ہوتا۔ شروع میں یہ اجتماعات جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ جناح کالونی، فیصل آباد کی عمارت میں منعقد ہوا کرتے تھے، جن میں شہر کے معتدبہ حضرات بطور سامع شریک ہوتے۔ جب

Marfat.com

جامعہ اپنی عمارت واقع سرگودھا روڈ میں منتقل ہوا تو یہ اہتمام وہاں ہونے لگا۔ (۱) لیکن مسافت اور مکانی بُعد کے سبب شہر کے لوگوں کی دلچسپی میں کمی آ گئی۔ اس دلچسپی کو برقرار رکھنے کی غرض سے مولانا نے مدراس کی دینی انجمن کی طرز پر سال میں ایک یا دو مرتبہ ہفتہ بھر مسلسل دروس کا پروگرام ترتیب دیا۔ پاکستان کے کسی معروف و مسلّم عالمِ دین کو ایک خاص موضوع پر سات روز مسلسل قرآنی تعلیمات بیان کرنے کی دعوت دی جاتی، بعد میں سوال جواب کی محفل ہوتی (۲)۔ سوشلزم، کمیونزم اور مال و دولت کی مساویانہ تقسیم اس زمانے کا سُلگتا موضوع تھا۔ پاکستان کے سیاسی معروضی حالات نے اس موضوع کو اسلام کے لئے ایک چیلنج کی شکل دے دی تھی۔ اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے مولانا نے مختلف اوقات میں مختلف علماء کو دعوت دی۔ ایک مرتبہ مرحوم پروفیسر یوسف سلیم چشتی بھی اس مقصد کے لئے جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ تشریف لائے۔ اگر ان تمام نشستوں کی گفتگو کو کتابی شکل میں جمع کیا جائے تو اسلام کے اقتصادی نظام کے حوالے سے یہ بڑا علمی سرمایہ ثابت ہوسکتا ہے۔

1977ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی بڑھتی ہوئی انا، بے تدبیری اور ظلم و جَور سے بھری شخصی حکومت کے خلاف ملک میں زبردست ردِعمل شروع ہوا۔ سیاسی گھات نشینوں نے اس تحریک کو تحریکِ نظامِ مصطفٰیؐ کا خوبصورت نام دیا کہ ان کے ہاتھ ہمیشہ قوم کی نبض پر رہتے ہیں، انہیں معلوم تھا کہ مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت۔ نام کی اس کشش نے اسلام سے محبت رکھنے والے مسلمانوں میں جوش و جذبہ پیدا کیا۔ عورتیں بچوں سمیت میدان میں نکل کھڑی ہوئیں۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ بھی اسلام کے نام پر اُٹھنے والی اس تحریک میں دیوانہ وار کفن بردوش سینہ سپر ہوئے۔ بڑے قبرستان کے قریب معرکہ لگا۔ ذوالفقار علی بھٹو کی خود ساختہ F.S.F کے جوانوں نے مسلمانوں پر سیدھی گولیاں برسائیں،

(۱) جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کی سرگودھا روڈ پر منتقلی کے بعد دروس کے یہ سلسلے فرع جامعہ، گلبرگ کالونی اور مختلف محلوں کی دیگر مساجد میں بھی جاری رہے۔

(۲) ان کے علاوہ تربیتی کیمپ کے عنوان سے طویل مدتی پروگرام بھی ترتیب دیئے جاتے رہے جن میں ملک کی نامور دینی وعلمی اور تبلیغی شخصیات شریک ہو کر اہلِ فیصل آباد کے علاوہ دوسرے شہروں سے آنے والے حضرات کو صبح سے رات تک کے دورانیے میں منعقد ہونے والی محافل میں جدید مسائل کے حوالے سے اسلامی فکر سے روشناس کراتی رہیں۔ (ز۔ا)

Marfat.com

بوڑھوں کو دیکھا، نہ نوجوانوں کو۔ چند ٹکوں کی خاطر تعمیلِ حکم کا سہارا لیا۔ اسلام کے نام پر میدان میں آنے والے نہتے شیدائیوں میں سے بیشتر زخمی ہوئے، کچھ پاؤں تلے کچلے گئے، کچھ گولیوں کی زد میں آئے۔ اکثر نے قبروں کے اندر لیٹ کر جانیں بچائیں۔ اس معرکے میں مولانا عبدالرحیم اشرفؒ اور ان کا جواں سال بیٹا، زاہد اشرف دونوں بُری طرح گھائل ہوئے۔ ہسپتال کے ایک ہی وارڈ میں باپ اور بیٹا دونوں ساتھ ساتھ چارپائیوں پر خون سے لتھڑی پٹیاں باندھے زخمی حالت میں لیٹے کراہ رہے تھے۔ چوٹیں سر پر لگی تھیں، مولانا صبر کی تصویر تھے۔ احوال پوچھنے والوں اور عیادت کے لئے آنے والوں کی آنکھیں اشکبار ہوتیں۔ مولانا فرماتے: ''استقامت کی دعا کریں۔ اگر اس خون اور گولیوں کے صدقے ملک میں اسلامی نظام کی راہ ہموار ہو جائے تو یہ قربانی ہرگز گراں نہیں۔ یہ تو بڑا سستا سودا ہے۔ بس استقامت کی دعا کریں۔ اللہ ان معمولی قربانیوں کو قبولیت عطا کرے۔'' مولانا کے ان جملوں میں بڑا سبق تھا، بڑا درس تھا، کہ مال و جان سب اللہ کی امانت ہیں۔ اس کی راہ میں لگ جائیں، وہ قبول کر لے تب بھی:

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ. سب سے اچھا زمانہ رسول اللہ ﷺ کا، پھر انحطاط ہی انحطاط، ہر گھڑی انحطاط۔ چودہ صدیوں میں انحطاط بھی اپنے نقطۂ انتہا کو جا پہنچا۔ دین والے بھی اس کا شکار، اہلِ سیاست اور اہلِ صحافت بھی۔

پرانے وقتوں میں اگر کوئی عالم دنیا سے اُٹھتا تھا تو قلم روتے اور بین کرتے تھے کہ علم زوال کا شکار ہو گیا۔

اب معاملہ برعکس۔ اس دورِ انحطاط میں ڈوم میراثی کی موت آ جائے تو اخبارات پورے کے پورے صفحات سیاہ کرتے ہیں، اور ڈوم میراثی کی نہیں بلکہ فن کار کی موت قرار دیتے ہیں۔ کوئی عالم دنیا سے رخصت ہو تو کوئی آنکھ ڈبڈباتی تک نہیں۔ قلمکاروں کی

Marfat.com

سیاہیاں خشک اور زبانیں گنگ رہتی ہیں اور وہ شاخِ گل پر زمزموں کی دھن تراشنے میں لگے رہتے ہیں۔ انہیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ کسی عالِم کی موت سے موت العالَم واقع ہو چکی ہے۔ اس احساس کے لئے تو دل چاہئے اور دل صاحبِ دل ہی کے پاس ہوتا ہے۔ قرآن نے فیصلہ دیا ہے:

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ.

آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، اندھا پن تو سینے میں موجود دل میں ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ ایسے لوگ برسوں میں نہیں، صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور عام لوگوں کی طبعِ شوخ ان کی پہچان ہی نہیں کر پاتی۔ وہ اپنے ذمہ کا اہم کام نمٹا کر دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ڈھونڈا تھا آسماں نے جنہیں خاک چھان کر

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی ہمہ جہت شخصیت اس بات کی مقتضی ہے کہ ہر میدان میں ان کے کارہائے نمایاں کا بھرپور جائزہ لیا جائے اور ان کے تمام کارناموں کو مربوط شکل میں مرتب کیا جائے تاکہ آنے والی نسلیں ان کے زرّیں نقوش سے راہِ منزل تلاش کریں اور یہی راہِ منزل انہیں منزلِ مقصود کا پتہ دے سکے۔ مولانا کے یہ کارنامے اطباء کے سینوں، علماء کے ذہنوں، طلبہ و شاگردوں کی یادداشتوں، دوست واحباب کی جبینوں کے علاوہ ''المنبر'' اور ''راہنمائے صحت'' کی فائلوں میں محفوظ ہیں۔ قبل اس کے کہ یہ فائلیں دیمک کی خوراک بن جائیں، ضرورت ہے کہ اہلِ علم اس ذخیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غوّاص بنیں۔ اس سمندر میں اُتریں اور گہر و موتی تلاش کر کے لائیں۔

Marfat.com

عالمِ شش جہات

پروفیسر غلام رسول تنویر ☆

(1)

عالمِ بے مثال مولانا عبدالرحیم اشرفؒ مروّجہ معنوں میں مولوی تھے نہ مُلّا۔ وہ ان صاحبِ علم و عمل علماء میں سے تھے جو خود اپنی ذات میں عالمِ بے مثال تھے، جن کے متعلق کہا جاتا ہے، مرگِ عالِم مرگِ عالَم۔ ان کے روزمرہ انداز و اطوار، پیشہ وارانہ مصروفیات حتیٰ کہ علمی اور دینی سرگرمیوں میں کسی بھی رخ سے دورِ حاضر کے پیشہ ور مُلّا یا مولوی یا مولاناؤں کا کوئی اسلوب، کوئی روپ نظر نہیں آتا تھا، سوائے ظاہری صورت کے۔ صاحبِ نظر احباب، جنھوں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا، وہ محسوس کرتے تھے کہ اسلام کو معاشرتی زندگی کے ہر گوشے میں زندہ و کارفرما دیکھنے کے لئے وہ ساری عمر کتنے مضطرب، کتنے بے چین اور کتنے متحرک اور فعال رہے ہیں۔ میں اپنے ذاتی مشاہدات کی بنا پر پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مولانا کے بیوی بچوں نے اکثر اوقات راتوں کو مولانا کو اپنے رنگ میں علامہ اقبالؒ کی سی اس کیفیت میں کسی نہ کسی انداز میں ضرور دیکھا ہوگا۔

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی، کبھی پیچ و تاب رازی

کیونکہ دن کے وقت تو ان کے احباب اکثر یہ محسوس کرتے تھے کہ دینِ اسلام کو پاکستان کی

☆ سابق پروفیسر و چیئرمین شعبہ عمرانی و سماجی علوم (Social Sciences & Humanities)، سابق ڈین شعبہ عمرانی و سماجی علوم، سابق سینئر ٹیوٹر، زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد۔ ممتاز ماہر تعلیم و لسانیات، مصنف اور مضمون نگار

Marfat.com

معاشرتی زندگی میں کارفرما دیکھنے کے لئے ان کے سارے انداز، ان کی مذکورہ بالا راتوں کی کیفیت سے ذرہ بھر مختلف نہیں تھے۔ ان کا ساری عمر روز و شب کا یہی وظیفہ رہا کہ پاکستان کو جس نظریے کے تحت وجود میں لایا گیا، پاکستان کی تشکیل و تعمیر اس نظریے کے تحت ہونا چاہیے، ورنہ یہ تغافل یا تساہل آئندہ ادوار میں معاشرے کو کہیں اور لے جائے گا، اور یہ حقیقت آج ہمارے سامنے ہے کہ اس اضطرابی کیفیت میں اپنی آواز کو مؤثر بنانے کے لئے انہوں نے کوئی رخ، کوئی گوشہ نہیں چھوڑا، حتیٰ کہ ممنوعہ وادی میں بھی داخل ہوئے جس کی بنا پر انہیں مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونا پڑا۔ وہ ممنوعہ وادی عملی سیاست تھی۔ انہوں نے مجبوراً اس میں بھی قدم رکھا اور سیاست میں اسلام کے مقرر کردہ اصولوں کو رواج دینے کی بھی بھرپور کوشش کی۔ پاکستان میں اسلام کو سربلند دیکھنے کے لئے معاشرے کے ہر طبقے کی طرف رجوع کیا۔ حتیٰ کہ اس دُھن میں جنرل ضیاء الحق تک جا پہنچے اور جنرل ضیاء کی اسلامی رخ پر جاری محدود کوششوں کو مؤثر اور وسیع تر بنانے کے لئے ان کے پاس جانے اور ان کا ہاتھ بٹانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی، نہ ہی شاہ کی مصاحبت کو وجہِ افتخار جانا۔ اس نازک پہلو کی مزید تشریح اس تحریر کے آخر میں کی گئی ہے جس سے ان کی شخصیت کو سمجھنے میں بہت آسانی پیدا ہوتی ہے۔

(2)

میرا ان سے پہلا تعارف سو فیصد غائبانہ تھا۔ اس وقت میں اپنی رسمی تعلیم کا آخری مرحلہ قریب قریب طے کر چکا تھا اور میرا حلقۂ احباب جن دوستوں پر مشتمل تھا، ان میں سے کچھ رسمی اور کچھ غیر رسمی تحصیلِ علم کے مرحلوں سے ابھی باہر نہیں نکلے تھے۔ ان میں حکیم ملک محمد شریف کے سب سے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر رفیق، ملک سید بخت بہادر شاہ کے سب سے بڑے صاحبزادے سید مہدی شاہ، منشی محلّہ کے معروف کشمیری خاندان کے بڑے فرزند عبداللطیف بٹ شامل تھے۔ ان میں چنیوٹ بازار کے قدیم ترین عبداللہ ہوٹل کے میرزا رحمت علی وغیرہ بھی شریک ہوگئے۔ نوجوانوں کا یہ ٹولہ ابھی بے فکرے پن کے

Marfat.com

آخری مرحلوں میں تھا۔ اخباروں اور رسالوں وغیرہ میں چھپے ہوئے سیاسی اور ادبی مضامین پر کچے پکے تبصرے اور نئی کتابوں کا آپس میں تھوڑا بہت تبادلہ کرنا ان کا روزمرہ معمول تھا۔ سنجیدہ اور کلاسیکی طرز کی انگریزی اور اردو فلمیں دیکھنا اور پھر اس پر زور و شور سے ریویو کی شکل میں اپنی اپنی فنی اور علمی قابلیتیں بگھارنا بھی ان کا کبھی کبھار کا معمول تھا۔ کھلی فضا میں سیریں کرنا، وقت بے وقت چائے پینا، محفلیں جمانا اور بے دلی سے اپنے اپنے کام نپٹانا ان کا ہر وقت کا مشغلہ تھا۔

ایک دن جب ہم اکٹھے ہوئے تو انہوں نے بڑے ہیجانی انداز میں بیک زبان مجھے بتایا کہ کل رات گھنٹہ گھر عبداللہ ہوٹل پر ہماری ملاقات ایک مولوی صاحب سے ہوئی، جن سے ہم نے حسبِ عادت خوب مذہبی نوک جھونک کی۔ وہ اس سے بجائے چڑنے کے مسکراتے اور لطف اندوز ہوتے رہے، لیکن انہوں نے جب ہمارے مذہبی اعتراضات کے جوابات دینا شروع کیے تو ہم سب سوائے ان کی باتیں سننے کے اور سب کچھ بھول گئے، اور جب کافی دیر بعد محفل سے اٹھے تو مذہب سے متعلق ہمیں اپنی کم علمی کا اتنا گہرا احساس ہوا کہ ہم ان سے معذرت پہ معذرت کرتے چلے گئے اور وہ مسکرا مسکرا کر بات بدلتے رہے، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ ان سب کے اس اظہار میں تحیر ہی نہیں بلکہ ایک نامحسوس سی خوشی پوشیدہ تھی۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ میرزا رحمت جو فصیح جملہ بازی میں اس شہر کے مسلمہ جُملہ ساز خلیق قریشی، اکرم زم زم اور شیخ صدیق کے پائے کے ''جُملہ گر'' مانے جاتے تھے وہ بھی اس اظہار میں پیش پیش تھے، جبکہ کسی بحث میں انہوں نے کبھی کسی سے ہار نہیں مانی تھی۔ ان سب کی باتوں سے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے انہوں نے کوئی علمی امریکہ دریافت کرلیا ہے۔ وہ علمی امریکہ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ تھے اور جب میں بڑے اشتیاق سے ان سے پہلی دفعہ ملا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میں کسی امریکہ سے تو نہیں، کسی عالَم نو کے عالِم سے ضرور مل رہا ہوں۔ میں اتنی تیزی سے ان کے قریب ہوا کہ باقی سب ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ گیا۔ خود مولانا کا عالم یہ تھا کہ وہ اس ٹولے میں یوں

Marfat.com

بے تکلفانہ بیٹھتے جیسے وہ ان سب کے ہم جولی اور ہم عمر ہوں، جبکہ اس ٹولے کے افراد ان کے سامنے مؤدبانہ انداز کو ملحوظ رکھتے اور خود میری کیفیت بھی کسی طرح سے مختلف نہ تھی، لیکن اس کے باوجود محفل پہ شگفتگی کا رنگ کبھی ماند نہیں پڑتا تھا، موضوع خواہ کتنا ہی ثقیل کیوں نہ ہو۔

شگفتگی کا یہی رنگ مولانا کی شخصیت کا سب سے بڑا رنگ تھا۔ وہ گفتگو میں تناؤ اور کھچاؤ نہیں ہونے دیتے تھے۔ گفتگو میں نرم اور جستجو میں گرم رہنا ہی ان کی زندگی کا چلن تھا۔ اپنے اسی مزاج کی وجہ سے انہوں نے اسلام کی عملی تفسیر کی مہم میں بڑی تیزی سے معاشرے کے ہر طبقے میں اپنی یہ مخصوص حیثیت پیدا کرلی، بالخصوص تین طبقوں وکلاء، تجار اور علماء میں۔ اس میں حسین پہلو یہ تھا کہ ان تمام طبقوں میں وہ لوگ جوان سے نظریاتی اختلاف رکھتے تھے، وہ بھی دلی طور پر ان سے محبت اور تکریم میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ مولانا نظریاتی اختلاف کو نفرت میں تبدیل نہیں ہونے دیتے تھے، بلکہ اختلاف ان کے اختلاط کو اور مہمیز لگاتا اور مولانا ایسی شخصیات پر مزید توجہ دیتے۔ ایسے مشاہدات کی کمی نہیں۔ شہر کے معروف وکیل اور دانشور میر عبدالقیوم جو کانگریس اور سوشلسٹ حلقوں سے وابستگی کی بنا پر مولانا اشرفؒ سے نظریاتی طور پر بُعد المشرقین والمغربین رکھتے تھے لیکن ان کا ذکر ایسی محبت سے کرتے تھے کہ یہ شک گزرنے لگتا کہ وہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کا تذکرہ کر رہے ہیں یا مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کا۔

اسی طرح میں نے، ساری عمر شراب میں ڈوبے رہنے والے ایک ذہین وفطین شخص کو سرِراہے مولانا کی وفات کی خبر سنائی تو وہ ایک دم چپ سے ہو گئے اور پھر بڑبڑائے: ''میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں۔'' یہ جملہ محرومیت سے مملو تھا۔

(3)

قیام پاکستان کے ساتھ ہی ہم نے شہر میں ادبی اور فکری سرگرمیوں کے لئے اقبال اکیڈمی کی بنیاد رکھی۔ چونکہ اس وقت ایسی سرگرمیوں کے لئے واحد پلیٹ فارم صرف

Marfat.com

یہی تھا اور جذبے بھی ابھی جوان تھے، اس لئے شہر کے سبھی طبقوں کے علاوہ ان طبقوں کے بھی نمایاں نمائندے مثالی جوش و خروش کے ساتھ اکیڈمی کے اجلاسوں میں شرکت کرتے تھے اور مولانا اشرفؒ ان میں پیش پیش ہوتے۔ مذاکروں میں ان کی تیاری دوسرے مقررین کی نسبت زیادہ مکمل اور تبحر علمی سے مملو ہوتی۔ وہ ہمیشہ عقلی استدلال پر انحصار کرتے اور موضوع سے متعلق نکتہ بہ نکتہ آگے بڑھتے ہوئے استدلال کی تعمیر یوں کرتے کہ ہر نکتے کا آغاز بڑے دھیمے انداز سے ہوتا اور جونہی اس نکتہ کی وضاحت نقطہ عروج کی طرف بڑھتی، بتدریج ان کی آواز بلند ہونے لگتی۔ اس عقلی دلیل میں جوش و جذبہ بھی شامل ہونے لگتا اور وضاحت کا نقطۂ عروج، ان کی وضاحت اور آواز کا نقطۂ عروج بھی ہوتا۔ پھر اگلے نکتے پر دوبارہ یہی دھیما دھیما انداز اختیار کرتے۔ یوں ان کا خطاب آواز کے دو واضح نشیب و فراز کا حامل ہوتا۔ ایک دفعہ مذاکروں کے تسلسل میں ایک اجلاس بڑے نازک موضوع پر تشکیل دیا گیا۔ موضوع تھا: ''کیا موجودہ دور میں مذہب کے پنپنے کا امکان ہے؟'' مخالفین کی بڑی تیکھی، تند اور تُرش باتوں کے جواب میں انہوں نے اپنی سنجیدہ تیاری کے بل بوتے پر جس تحمل، تدبر اور تبحرِ علمی سے استدلال کیا، اس کے نتیجے میں اجلاس کے اختتام پر وہی مخالفین ان سے یوں گھی شکر ہو رہے تھے جیسے مناظرے میں انہوں نے مولانا کے کیمپ سے شرکت کی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ مرحلہ کوئی بھی ہو، خلوص سے بڑھ کر مؤثر کوئی ہتھیار نہیں اور ازلی اقدار سے بڑھ کر کوئی سچائی نہیں۔

یہی انداز وسیع پیمانے پر مولانا نے اس وقت اختیار کیا جب ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ اقتدار میں ختمِ نبوت کی تحریک جوش و جنوں میں اپنے عروج پر تھی۔ بھٹو کے ساتھ متعلقہ علماء کے خصوصی اجلاس میں مولانا اشرفؒ دن رات کی مکمل تیاری کے بعد قادیانیت سے متعلق لٹریچر صندوقوں میں بھر کر لے کر گئے اور بجائے جذباتی باتیں کرنے کے، متعلقہ لٹریچر کی مدد سے ایسا جامع استدلال کیا کہ بھٹو نے حیرت کے ساتھ یہ اعتراف کیا کہ مجھے اس فرقہ اور اس مسئلے کی سنجیدگی اور سنگینی پہلی دفعہ سمجھ آئی ہے۔ اس کے بعد قادیانیت کے

Marfat.com

متعلق، پارلیمنٹ نے ایسا تاریخی فیصلہ کیا جس سے قادیانی فرقے سے قطعاً کوئی ناانصافی نہیں کی گئی۔ قادیانی خود علیحدگی پسندی سے اپنے آپ کو امت مسلمہ سے الگ ایک علیحدہ نبی کی الگ امت تصور کرتے تھے۔ پارلیمنٹ نے اسے قانونی طور پر تسلیم کر کے اس تاریخی حقیقت پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی جس کا کھلم کھلا اظہار سر ظفر اللہ نے قائداعظمؒ کی نماز جنازہ میں موجود ہوتے ہوئے نماز میں شریک نہ ہو کر اخبار نویسوں سے کر دیا تھا کہ: ''مجھے آپ ایک اسلامی سلطنت کا کافر وزیر تصور کر لیں۔'' پارلیمنٹ نے اس تصور کو تسلیم کر لیا۔ قادیانیوں کو اس پر کوئی رنجش، گلہ شکوہ نہیں ہونا چاہیے۔ وہ خود اپنی علیحدہ شناخت پر مصر تھے۔ پاکستان ان کا وطن ہے، گھر ہے، اس سے محبت میں ان کی بقا ہے۔ ورنہ وہ اپنی موجودہ قیادت کے خود غرضانہ فریب اور غیر ملکی سازشوں کا شکار ہو کر یہودیوں کی طرح بے وطن ہو کر صدیوں وطن کی تلاش میں بھٹکتے پھریں گے۔ انہوں نے اپنی ابتداء میں ابتدائے اسلام کے یہودیوں کا سا انداز اور دین اختیار کیا اور اب یہودیوں کی ساز باز کا حصہ بن کر یہودیوں ہی کی تاریخی تقدیر کا حصہ بننے کی دوبارہ حماقت کر رہے ہیں۔ جن قوموں نے تاریخ سے تقدیر کا سبق نہیں سیکھا، تاریخ انہیں فراموش کر دیتی ہے۔

دینی، تاریخی، معاشرتی اور سیاسی غرضیکہ ہر رُخ سے قادیانی فتنے کی تشریح میں مولانا اشرف نے دن رات کی جستجو اور تجسس سے متعلقہ لٹریچر کی جو کھدائی کی، اس کے بغیر انصاف کے تقاضوں کے ساتھ موزوں اور ٹھوس بنیادوں پر اس مسئلے کا حل دشوار تھا۔ مولانا کام بڑا ہو یا چھوٹا، خلوص کے بغیر اس میں ہاتھ نہیں ڈالتے تھے۔ وہ نمبر بنانے والے مولوی تھے نہ مقرر، نہ سیاست دان، نہ دانشور، نہ صحافی۔ ان کا رسالہ ''**المنبر**'' نہ صرف ایک اعلیٰ پائے کا رسالہ تھا، بلکہ ہر رخ پر ایک تسلسل میں لکھے گئے ان کے طویل علمی اور تحقیقی مقالات نے اس رسالے کو ''الہلال'' اور ''ہمدرد'' کے برابر لا کھڑا کیا تھا اور ان کی اکیلی کاوش نے اسے مولانا مودودیؒ کے رسالے ''ترجمان القرآن'' کی صورت دے دی تھی۔ وہ جس کام میں ہاتھ ڈالتے، اس کی انتہا کو چھونے لگتے۔ وہ اَن تھک اور تنظیمی

Marfat.com

صلاحیتوں سے مالا مال تھے کیونکہ ان کی کچھ ذہنی اور تنظیمی پرورش جماعت اسلامی میں ہوئی تھی۔

(4)

قدیم حکماء کی تقلید میں انہوں نے طب کا پیشہ اختیار کیا تا کہ اُمہ کے روحانی عوارض کے ساتھ ساتھ جسمانی عوارض کا علاج بھی کیا جا سکے۔ انہوں نے اس پیشے میں قدیم اسلامی رنگ جدا نہیں ہونے دیا۔ اشرف لیبارٹریز تنظیم اور معیار کا کمال تھا۔ ادویات کے تمام اجزاء، خواہ وہ کتنے ہی قیمتی کیوں نہ ہوں، خالص اور صحیح مقدار میں ڈالے جاتے۔ ان کی ادویات ہمدرد لیبارٹریز کے برابر ہی نہیں بلکہ کچھ لحاظ سے بہتر شمار کی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ تجارت کے وہی مسلمہ اسلامی اصول۔ مجھے یاد ہے کہ ہر سال کوہ پیمائی کے لئے شمالی علاقوں میں یونیورسٹی کے طلبہ کی ٹیم لے کر جاتا تو سارے شمالی علاقوں میں اشرف لیبارٹریز کی ادویات کا دور دورہ دیکھتا۔ مولانا سے ذکر کیا تو جواب سے کترا گئے۔ اصرار کیا تو بتایا کہ ان علاقوں میں ابھی تہذیب و تمدن آلائش سے پاک ہے، اس لئے خالصیت کی قدر بہت ہے۔ اسی طرح محکمہ انکم ٹیکس سے مسلسل کئی سال مقدمہ لڑا کہ میں نے جو گوشوارے بھر کر دیئے، وہ سو فیصد درست ہیں۔ محکمے کو اصرار تھا کہ تاجر سو فیصد درست گوشوارے بھر کر دے ہی نہیں سکتا۔ خفیہ خفیہ تحقیقات کے بعد محکمے کو مولانا کا مؤقف درست تسلیم کرنا پڑا۔

(5)

مولانا اشرفؒ کا جماعت اسلامی سے سب سے بڑا اختلاف یہ تھا کہ عملی سیاست کی بجائے جماعت نئی نسلوں کی تعلیم و تربیت پر اصل زور صرف کرے۔ چنانچہ انہوں نے اس بنیادی فلسفہ کی پیروی میں اشرف لیبارٹریز کی آمدنی اور احباب کے تعاون سے نئی نسلوں کی اسلامی اصولوں پر تعلیم و تربیت کے لئے ایک عظیم منصوبے کے تحت سرگودھا روڈ پر زمین کے وسیع رقبے پر جامعہ تعلیمات اسلامیہ کی تشکیل کی اور اس تعلیم کو دنیاوی طور پر

Marfat.com

افادیت کی حامل بنانے کے لئے طبیہ کالج کی داغ بیل ڈالی تا کہ اس جامعہ سے بابو یا مُلّا نہیں بلکہ عبدالرحیم اشرفؒ جیسی شخصیتیں پیدا ہوں۔ اتفاق سے میں بھی موجود تھا جب طبیہ کالج کے پرنسپل اصرار کر رہے تھے کہ طب کا ورک لوڈ زیادہ ہے، اسلامی تعلیمات ختم نہیں تو کم کر دیں۔ مولانا اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ انہیں تعلیم و تربیت کے تناظر میں پہلے مسلمان اور پھر حکیم کا فلسفہ سمجھا رہے تھے۔ پرنسپل کی سمجھ میں یہ فلسفہ نہیں آ رہا تھا، وہ اپنی بات پر اُڑے رہے۔ مولانا کی جھنجلاہٹ دیدنی تھی، لیکن ضبط و تحمل برقرار تھا۔ پرنسپل اُٹھ کر گئے تو جھنجلاہٹ کو راستہ دیا اور کہا کہ اللہ کا یہ بندہ اتنی سی بات نہیں سمجھتا کہ میں نے جامعہ کی اسلامی تعلیم میں توازن کے لئے طبیہ کالج بنایا ہے۔ طبیہ کالج کے لئے جامعہ نہیں بنایا۔ میں خود پرنسپل کی بحث سے جھنجلاہٹ محسوس کرتا رہا تھا، اس لئے فوراً کہا کہ یہ پرنسپل صاحب اس نکتے کو سمجھنے کی صلاحیت سے عاری نظر آتے ہیں۔ مولانا نے جھنجلاہٹ کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا اس بے چارے کی بات چھوڑیئے، یہاں تو جن لوگوں کے ہاتھ میں پورے ملک کی باگ ڈور ہے وہ بھی نہیں جانتے کہ پاکستان کو پاکستان بنانے کے لئے نئی نسلوں کی نظریاتی خطوط پر جدید تعلیم و تربیت ہی خشتِ اوّل ہے۔ آج میں سوچ رہا ہوں کہ ہم صرف نئی نسلوں کو نظریاتی تعلیم کے سانچوں کے اندر جدید تعلیم و تربیت سے آراستہ کرتے چلے جاتے تو آج پاکستان باطنی طور پر ایران اور مادی طور پر چین سے اگر آگے نہیں تو ان کے برابر ضرور کھڑا نظر آتا۔ نظریاتی قوت میں گندھی اور جدید تعلیم و تربیت سے لیس نئی نسل کے معاشرتی اور ملّی قلعے میں نہ تو کوئی ہندو زادے پاکستان توڑنے کے لئے گھس سکتے اور نہ ہی کوئی مغربی شب زادے چور دروازوں سے پاکستانی ریاست پر قبضہ جما سکتے، اور نہ ہی ایچی سونین (Aitchisonian)، آکسونین (Oxonian) یا ہاورڈین (Hawardian) قسم کی مخلوط نسل کی یہاں تخم ریزی ہوتی، اور نہ اس قلعے میں ایسے لٹیرے قدم رکھنے کی جسارت کرتے جنہوں نے آج بین الاقوامی منڈیوں میں پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کا نیلامِ عام لگایا ہوا ہے۔ ہم نے اپنی جہالت سے

Marfat.com

آنے والی نسلوں کو اندھیروں میں دھکیل دیا اور بیرونی لٹیروں کے لئے چور دروازے کھول دیئے۔ ہم تو طبیہ کالج کے پرنسپل سے بھی کم تر بصارت اور بصیرت کے مالک نکلے کہ سارا گھر ہی غیروں کے سپرد کر دیا۔

(6)

اسلام کو پاکستانی معاشرت میں اُتارنے کے لئے مولانا کی عمر بھر کی جستجو اور جدوجہد کم از کم شش جہات میں بہت نمایاں ہے :

1۔ تکیہ نما تبلیغی محفلیں اور بڑے علمی اجتماعات۔

2۔ افراد اور فرقوں کا اتحاد۔

3۔ عملی سیاست کا اسلامی فریم۔

4۔ تحریری جہاد بصورت ''المنبر'' وغیرہ۔

5۔ نئی نسلوں کی تعلیم و تربیت (جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ، طبیہ کالج)

6۔ اسلامی تحریک کے لئے مالیات بذریعہ تجارت (اشرف لیبارٹریز وغیرہ)

ان کا آخری مورچہ جنرل ضیاء الحق کی مشاورت تھا جس کے لئے وہ مہینہ میں ایک دو دفعہ دیگر علماء کی معیت میں ان سے ملتے۔ حسنِ اتفاق ہے کہ ان دنوں ایک مسئلے کے سلسلے میں میرا دو تین ماہ ان سے مسلسل رابطہ رہا۔ وہ شاکی تھے کہ اکثر میٹنگ کے بعد کئی علماء جیبوں سے کام کی چٹیں نکال لیتے تھے۔ وہ شاکی تھے کہ میں نے قاضی عدالتوں کے لئے قاضیوں کی قدیم اور جدید خطوط پر تربیت مکمل کر دی تھی لیکن قاضی عدالتوں کا اجراء نہیں کیا جا رہا تھا۔ وہ شاکی تھے کہ ضیاء الحقؒ مان گئے تھے کہ ٹی وی کے متعدد پروگرام اصلاح طلب ہیں لیکن اصلاح کا عمل نہیں ہو رہا تھا، انہیں فیچر فلموں کے متعلق بتایا جا چکا تھا لیکن ابھی تک کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ شاکی تھے کہ فلاں فلاں جگہ پر اسلام کا نفاذ بآسانی ہوسکتا تھا لیکن ضیاء الحقؒ ہچکچا رہے تھے............ انہوں نے بتایا کہ نفاذِ اسلام کے سلسلے میں ضیاء الحقؒ کی، فوج کے اندر سے کچھ موثر افراد کی طرف سے مخالفت جاری ہے۔ انہوں نے بتایا کہ

Marfat.com

ضیاءالحقؒ نفاذِ اسلام کے سلسلے میں بالائی سطح پر خود کو تنہا تصور کرتے ہیں.......... انہوں نے بتایا کہ ضیاء الحقؒ کو نفاذِ اسلام کے لئے تربیت یافتہ افرادی قوت اور صحیح قیادت کے فقدان کا گلہ ہے.......... میرا نکتۂ نظر یہ تھا کہ اس وقت امریکہ اور مغرب کا افغانستان کی جنگ میں سارا انحصار ضیاء الحق پر ہے، انہیں جرأت کر کے اسلام کے نفاذ کے راستے کھول دینے چاہئیں۔ اس سے افغانستان کی جنگ کو بھی تقویت پہنچے گی اور مغربی سازشوں سے بھی تحفظ رہے گا۔ جب عوام ضیاء الحقؒ کے ساتھ ہوں تو فوج اور بالائی طبقوں کے مغرب رسیدہ خواص دم نہیں مار سکیں گے۔ ایسا سنہری موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ مولانا نے بہت سی باتوں سے اتفاق کیا، بہت سی باتوں میں ذہنی تحفظ سے کام لیا، لیکن پراُمید تھے کہ ضیاء الحق کے ہاتھوں بالآخر یہ کام انجام دیئے جانے کے امکانات موجود ہیں، وہ مایوس نہیں تھے۔ انہیں پہلا دھچکا اس وقت لگا جب وزیراعظم جونیجو نے کوتاہ نظری سے، مغربی لابی سے وابستہ چند سازشی مشیروں کے چکر میں آ کر افغانستان کی جیتی ہوئی جنگ جنیوا معاہدے پر دستخط کر کے میز پر ہار دی۔ جبکہ انہیں یہ معاملہ اس جنگ کے معمار ضیاء الحقؒ پر چھوڑ دینا چاہیے تھا، جو اس بات پر اَڑے ہوئے تھے کہ افغانستان میں نمائندہ حکومت بنائی جائے جو بین الاقوامی معاہدے میں شریک ہو تا کہ بیرونی مداخلت کے دروازے بند ہو جائیں۔ جبکہ روس اور امریکہ اس خطے میں کسی مستحکم حکومت کی عدم موجودگی میں اپنی سازشوں کا عمل دخل کھلا رکھنا چاہتے تھے اور یہ مقصد انہوں نے جونیجو کے مشیروں کے راستے پورا کر لیا۔ مولانا کو دوسرا دھچکا اس وقت لگا جب جونیجو نے انہی مشیروں کے چکر میں آ کر بجائے اندرونی معاملات کو مضبوط کرنے کے، فوج کے معاملات میں دخل اندازی شروع کر دی جبکہ جمہوری حکومت کے ابھی پیر بھی نہیں جمے تھے۔ یہ جونیجو اور جمہوریت کے خلاف ایک گہری سازش تھی جس کے دام میں معصوم فطرت جونیجو آ گئے۔ ضیاء الحقؒ نے جب تنگ آ کر جونیجو حکومت توڑی تو خود ان کے اقتدار کے نیچے سے بہت سی زمین کھسک گئی۔ انہوں نے نفاذِ اسلام کا سہارا لینا چاہا لیکن وہ سنہری موقع کب کا ختم

Marfat.com

ہو چکا تھا۔ ضیاء الحقؒ کی اسلامائزیشن درمیان میں دم توڑ چکی تھی۔ ان کی موت کے بعد اس ملک میں اسلام کے نفاذ کے امکانات کے متعلق مولانا مایوسی کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے ہر رخ پر جستجو اور جدوجہد کو انتہا تک پہنچایا لیکن کسی بھی رخ پر وہ دروازہ نہ کھلا جو وہ کھولنا چاہتے تھے۔ انہوں نے بہت سی جنگ تنہا لڑی اور تنہائی میں رخصت ہو گئے۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے تنہا شش جہات میں جو جدوجہد کی، اگر اس انداز کی ہمہ جہت، بے لوث جدوجہد ایسے ہی کردار، ایسی ہی لگن اور ایسے ہی مثالی علمی اور فکری معیار کے ساتھ اس ملک میں صرف ایک سو اُلو ہی (ابلیسی نہیں) دانشوروں نے اپنے اپنے علاقوں میں عمل آشنا کی ہوتی تو باہمی اشتراک اور ماحول کے تعاون سے یہ جدوجہد نہ صرف مغرب پرست نقالوں کی مغربی ٹکسال میں ڈھلی ہوئی کھوکھلی تعلیمی پالیسیوں کا راستہ روک لیتی بلکہ خود اس جدوجہد کی مجموعی قوت سے ایک ایسی تحریک جنم لیتی جس سے نئی نسلوں کو مشرق و مغرب کے علوم کو علامہ اقبالؒ کے اختیار کردہ انداز میں اقبالیاتی تعلیمی سانچوں میں محفوظ و مضبوط کرنے کا بھرپور عمل جاری رہتا اور آج جذبوں سے معمور اور نظریاتی تعلیم وتربیت سے لیس تین نسلیں کرپشن سے پاک، زندگی کے ہر شعبے میں شانہ بشانہ عمل میں مصروف ہوتیں، اور پاکستان اپنے علیحدہ اور مخصوص تشخص اور پہچان کے ساتھ چین، جاپان اور ایران کے برابر کھڑا ہوتا، اور غیر ملکی گِدھ، چند ملکی گِدھوں کے ساتھ مل کر اس کا بدن یوں نہ نوچ رہے ہوتے جیسے آج نوچ رہے ہیں۔ ہم نے ملک تو بنا لیا لیکن قوم بنانے کا عمل بھول گئے، جس کا نتیجہ ہے کہ پاکستان آج کسی لاوارث ملک کی طرح ایک صحیح اور باغیرت قوم کی تلاش میں ہے۔

Marfat.com

استقامت کا کوہِ گراں

پروفیسر عبدالجبار شاکرؒ ☆

برصغیر میں دینِ اسلام اور فنونِ اسلامیہ کے بہت سے خادم پیدا ہوئے جن کے تذکار سے کتب خانے بھرے ہوئے ہیں۔ اس سلسلۃ الذہب میں ہنوز سینکڑوں ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں ابھی تک کوئی مبسوط اور جامع تذکرہ یا سوانح مرتب نہیں ہو سکی۔ ایسے رجالِ رشید میں سے ایک معتبر نام مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف کا بھی ہے۔

حکیم صاحب کی شخصیت سے میرا اولین تعارف اپنے خاندان اور گھر میں ان کی اسلامی اور طبی خدمات کے تذکرہ کی وجہ سے ہوتا رہا۔ میرے والد مرحوم حکیم عبدالعزیز بھی دہلی میں علمِ دین کے حصول کے ساتھ طب کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ یہ 1951ء یا 1952ء کی بات ہے کہ والد مرحوم چونیاں ضلع قصور میں مطب کرتے تھے۔ وہ اکابر اطبائے کرام کا عموماً اپنے طبی اخوان سے تذکرہ کرتے تھے۔ دوران گفتگو ایک نام حکیم عبدالرحیم اشرف کا بھی ہوتا تھا۔ بس اس نام کے صوتی آہنگ کا ایک اثر ذہن پر مدتوں قائم رہا جو وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اپنی اثر انگیزی میں اضافہ محسوس کرتا رہا۔

1971ء میں مجھے تعلیمی اور تدریسی خدمات کے سلسلے میں ضلع رحیم یار خان کی تحصیل لیاقت پور کے کالج میں جانے کا اتفاق ہوا۔ کثرت مطالعہ کے باعث معدے کی

☆ ممتاز دینی سکالر، نامور ماہر اقبالیات، عظیم مفکر اور دانش ور، ڈائریکٹر پبلک لائبریریز پنجاب، ڈائریکٹر بیت الحکمت لاہور، ڈائریکٹر جنرل دعوۃ و شریعۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اور خطیب فیصل مسجد، اسلام آباد کے مناصب پر فائز رہے۔ 13 اکتوبر 2009ء کو دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔

Marfat.com

تیزابیت یا السر کا مریض تھا۔ رحیم یار خان میں ڈاکٹر نذیر مسلم صاحب ہومیوپیتھی کا جادو جگا رہے تھے۔ اپنے معالجے کے سلسلے میں ایک دو بار ان سے تفصیلی ملاقات ہوئی۔ اثنائے گفتگو حکیم عبدالرحیم اشرف مرحوم کی دینی، تحریکی اور انقلابی شخصیت کے بہت سے گوشے ڈاکٹر صاحب موصوف نے بے نقاب کئے۔

یکم جنوری 1976ء کو میرا تبادلہ لیاقت پور سے شیخوپورہ میں ہوا تو میں حکیم صاحب موصوف کے شہر لائل پور (اب فیصل آباد) کے قریب آ گیا۔ 1977ء کے دوران، میں دارالحدیث رحمانیہ میں دینی تعلیم کے حصول کے سلسلے میں آتا جاتا تھا۔ تب کسی مہینے کے ایک دن مجھے اثنائے تدریس معلوم ہوا کہ آج عصر کی نماز کے بعد حکیم عبدالرحیم اشرف درسِ قرآن دیں گے۔ اس روز کسی کا انتظار بہت ہی بوجھل محسوس ہو رہا تھا۔ یہ انتظار شاید اور بھی طویل ہوتا مگر اللہ بھلا کرے مسلک اہل حدیث کے متوالوں کا کہ وہ سنت کے مطابق اول وقت میں نمازیں ادا کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک نحیف اکہرے بدن کے شخص جن کی ریش مبارک کی طوالت ان کے مسلک کی غماز تھی، بدن پر شیروانی اور سر پر قراقلی ٹوپی پہنے مسجد میں تشریف لائے۔ ان کی چال میں ایک عالمانہ وقار اور چہرے پر علمی نور نمایاں تھا۔ نماز عصر کی امامت انہوں نے کرائی۔ قیام، رکوع، سجود اور تشہد میں جو اعتدال تھا اس نے نماز کے لطف کو بڑھا دیا تھا۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے حضور سے یہ ایک عجیب حس عطا ہوئی ہے کہ امام کے زہد و تقشّف کا اثر مقتدی کی حیثیت سے محسوس کر لیتا ہوں۔ یہ عمل ایک عجیب لذت اور آزمائش کا ہے۔ نماز کے بعد انہوں نے درسِ قرآن شروع کیا۔ تیسویں پارے کی سورۃ الاعلیٰ کی چھوٹی چھوٹی آیات تھیں۔ یہ سورہ اہل حدیث خطیب عموماً نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں پڑھتے ہیں۔ مولانا کی قراءت میں تجوید کی بجائے ایک سادگی کی کیفیت تھی مگر اسلوب قراءت بہت اثر انگیز تھا۔ پہلی ہی آیت میں انہوں نے لفظ "سبحٰن" کی لغوی تشریح و توضیح کچھ اس اسلوب سے کی کہ حق تعالیٰ کی عظمت کے بہت سے باب ذہن پر کھلتے اور دل میں کبریائی و تقدس کے اثرات پیدا کرتے چلے گئے۔ اس کے بعد کی دو

Marfat.com

آیات کی تشریح تو بہت معرکۃ الآراء تھی۔ انہوں نے خلق، تسویہ، تقدیر اور ہدایت کے لزوم کو کچھ ایسے اسلوب سے واضح کیا کہ تفسیرِ ماثورہ کے اسلوب میں ایک فکری انجذاب اور عصری علوم کا امتزاج پیدا ہو گیا۔ میں اس سے قبل مختلف مسالک کے علماء کے سینکڑوں دروس سن چکا تھا جن میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے وہ دروس بھی شامل ہیں جو وہ لاہور میں عبدالکریم روڈ پر ایک مسجد میں دیا کرتے تھے، مگر میں اعتراف کرتا ہوں کہ اس درس میں موجود تفسیر اور علمی نکات، وسعتِ مطالعہ، لغوی تحقیقات، وعظ و تذکیر کا پہلو، عبر و موعظت، اندازِ بیاں اور اثر انگیزی کا ایک ایسا جہان پوشیدہ تھا کہ میں ابھی تک اس کی یاد سے محظوظ ہوتا ہوں۔ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف سے یہ میری پہلی باقاعدہ اور تفصیلی نشست تھی، جس کے بعد ان کے رشحاتِ قلم کے، ان کی کتابوں اور صحافتی جرائد کے حوالے سے مطالعے کے مواقع ملتے رہے۔

حکیم صاحب کے تذکارِ حیات کے سلسلے میں مجھے کوئی بڑی تحریر نہیں مل سکی۔ ان کی مختلف کتابوں کے دیباچوں اور دوسری تحریروں سے علم ہوتا ہے کہ آپ مشرقی پنجاب کے مردم خیز ضلع امرتسر کی ایک تحصیل ترنتارن کے ایک گاؤں ویرووال افغاناں میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں دریائے بیاس کے کنارے واقع تھا۔ یہاں پر ان کے تلمذ کے ایک سلسلے کا پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک پاک باز اور زاہد عالم مولانا عبداللہ مرحوم کے پاس کچھ وقت کتابیں پڑھتے رہے۔ پھر مبدأِ فیض کے علاوہ انہوں نے اپنے تلمذ کے سلسلے کہاں کہاں طے کیے، ان کی تفصیل ان کے اخلاف رشید کے ذمہ ایک فرض اور قرض ہے، البتہ یہ واضح رہے کہ ان کی شخصیت کا اصلی اور حقیقی تعارف تو ان سات علمی، طبی، اصلاحی اور تدریسی اداروں سے ہوتا ہے جن کے ہفت خواں کو طے کرتے کرتے وہ 28 جون 1996ء کو اپنے ربِ ودود کے ہاں تشریف لے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

محبی ڈاکٹر زاہد اشرف نے مجھے بتایا کہ ابا جان تقسیم ہند کے بعد ہجرت کر کے کچھ دیر کے لئے چنیوٹ آ گئے اور پھر یہاں سے مستقلاً فیصل آباد چلے آئے جو ان کی علمی، تحریکی

Marfat.com

اور طبی تگ و تاز کی اصل جولانگاہ بنا رہا۔

حکیم صاحب موصوف مسلکاً اہل حدیث تھے۔ اس مسلک کے حضرات کا فکرِ اسلامی کے سلفی منہج کی حفاظت اور اشاعت میں ایک عظیم کردار ہے۔ برصغیر میں اسلام کی دعوت زیادہ تر افغانستان کے راستے منتقل ہوئی۔ راستے میں ایران کے مخصوص عجمی معتقدات بھی اس میں شامل ہوتے چلے گئے۔ دین کے نام پر ایک ایسا ملغوبہ برصغیر میں منتقل ہوا جس پر مقامی اثرات نے بھی ویدانت کے ایسے اثرات مرتب کئے کہ انقلابی دین انفعالیت کا شکار ہو گیا۔ ؎

کسے خبر تھی کہ لے کے چراغ مصطفویؐ
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

یہ معاملے ہیں نازک جو تیری رضا ہو تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی
(اقبالؒ)

برصغیر میں اسلامی فکر میں جو عجمی عناصر در آئے ان کو اس درجہ غلبہ حاصل تھا کہ مجدد عصر شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو بھی ان کے مکمل رد کی نسبت ایک تطبیقی فکر کو اختیار کرنا پڑا جو یقیناً اس وقت کے حالات میں ایک اجتہادی اسلوبِ دعوت قرار دیا جا سکتا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کے تجدیدی فکر نے برصغیر میں پہلی مرتبہ عقیدہ و مسلک میں حدیث کی اہمیت کو عملاً واضح کیا۔ حرمین میں تلمذِ حدیث کے حوالے سے ان کے ہاں ایک انقلاب پیدا ہو چکا تھا۔ اس انقلابی فکر کو بعض حضرات نے جزوی اور تقلیدی ذہن سے قبول کیا اور ایک طبقہ نے حدیث کی تشریعی اہمیت کے حوالے سے سلفی منہج کی طرف مراجعت کو اپنی منزل قرار دیا اور دوسرے علاقوں کے سلفی حضرات کی طرح اہل حدیث کہلائے۔ حکیم عبدالرحیم اشرف اس سلفی مشرب اور منہج کے شائق تھے۔

Marfat.com

برصغیر میں اس ولی اللّٰہی فکر نے ایک رخ میدانِ جہاد کی صورت میں تلاش کیا۔ شاہ ولی اللہؒ کی فکر کے دونوں دھارے اس میدانِ جہاد میں شامل تھے۔ سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے دین و دعوت کا ایک ایسا راستہ کھول دیا جو عزیمت کی منزل کی طرف نکلتا ہے۔ مئی 1831ء میں اس قافلے نے شہادت گر منزل پر ایک مرحلہ پورا کرلیا، مگر یہ فکر بعد ازاں تحریک مجاہدین کی صورت میں قیام پاکستان تک جاری وساری رہی۔ قیامِ پاکستان کے بعد تحریکِ مجاہدین کی اس فکر کے مراکز فیصل آباد کے مضافاتی شہروں اور قصبوں میں قائم ہوئے اور ہنوز اپنی مخصوص رفتار کے مطابق اپنے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ میرا احساس ہے کہ حکیم صاحب کی سلفی طبیعت اور مجاہدانہ ذوق نے اپنے ماحول میں پھیلے ہوئے ان اثرات کو یقیناً محسوس اور جذب کیا ہوگا۔

حکیم صاحب کے عنفوانِ شباب میں برصغیر میں ایک اصولی اور دعوتی تحریک کا آغاز سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (1903-1979ء) کے رسالہ ترجمان القرآن سے ہوا۔ اس دعوت نے دین و دعوت سے دلچسپی رکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ 1941ء میں یہ قافلہِ سخت جان ایک تحریک کی شکل اختیار کرگیا جو جماعت اسلامی کے سائبان تلے جمع ہوتا چلا گیا۔ اس تحریک میں قدیم فکر کو جدید اسالیب اور عصری شعور سے ہم آہنگ کر کے پیش کیا گیا۔ عقیدے کے مطابق ایک ثقافت کی تشکیل، ثقافتی لوازمے سے ایک صحت مند تمدن کی تعمیر اور اس صحت مند تمدن کے احیاء و بقاء کے لئے ایک ریاست کا حصول اور پھر اس ریاست کو اسلامی خلافت اور امارت کی روح کے ساتھ ہم آہنگ رکھنا، ایک ایسا مشن ہے جس میں تجدیدِ احیائے دین، شہادتِ حق، فریضہ اقامتِ دین اور غلبہِ اسلام کی نسبت سے جدید اصطلاحات سامنے آتی رہیں۔ برصغیر کے تمام مسالک میں موجود دعوتی اور انقلابی فکر کے تمنائی اس کے گرد جمع ہوتے رہے۔ یہ سب لوگ اس دعوت کے اصولی پہلوؤں سے متفق رہے مگر بعد ازاں انتخابی سیاست کے خارزار نے ان میں سے بعض کی راہیں جدا کردیں۔ حکیم عبدالرحیم اشرف بھی ان بزرگوں میں سے ایک تھے جنہیں وصل کے بعد فصل کا

Marfat.com

یہ جاں گداز مرحلہ طے کرنا پڑا۔

حکیم صاحب جماعت اسلامی کی فکر سے تو ابتداء سے ہی متعارف تھے مگر ان کی باقاعدہ شمولیت کا مرحلہ 1948ء میں طے ہوا۔ انہوں نے اس دعوت کی اشاعت میں لسانی اور قلمی جہاد کیا۔ ان کا کتابچہ ''جماعت اسلامی کا عقیدہ، دعوت اور طریق کار'' تو مجھے پڑھنے کا موقع نہیں ملا مگر ان کی ایک مستقل تصنیف ''کیا جماعت اسلامی حق پر ہے؟'' ہے۔ 244 صفحات پر پھیلی ہوئی یہ تحریر ان کی اس ذہنی اور قلبی وابستگی کی ترجمان ہے، جو اس کتاب کے متن میں ان کے مخصوص اسلوب سے واضح ہوتی ہے۔ ہم اس کتاب کے موضوع پر، ان کی تصنیفات کا تعارف کراتے ہوئے تفصیلی ذکر کریں گے۔

جماعت اسلامی کے ابتدائی تشکیلی دور میں اہلِ حدیث فکر کے حامل افراد بہت سرعت سے اس میں شامل ہوئے۔ انہوں نے اس میں اپنی ذہنی اور فکری توانائیاں بھی صرف کیں مگر اسلامی جمہوریہ پاکستان کی دستوریہ کی تشکیل اور اس کے انتخابی مراحل کے مواقع پر حکمتِ عملی سے اختلاف رکھتے ہوئے اسے داغِ مفارقت دے گئے، مگر جماعت سے نکلنے کے بعد دوسرے مسالک کے علماء کی طرح مخالفانہ طنز و تعریض کے انبار نہیں لگائے بلکہ ایک شریفانہ اسلوب کے ساتھ اپنی دعوت اور علمی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ اس ضمن میں مولانا عبدالغفار حسن کی طرح حکیم عبدالرحیم اشرف کا رویہ بھی معقولیت کی ایک بڑی مثال قرار دیا جاسکتا ہے۔ ویسے کبھی کبھی انقلابی جذبات کے سفر میں تحریکِ اسلامی کے اکابرین کو اگر کسی شجر سایہ دار تلے کچھ دیر توقف کا موقع ملے تو یہ سوچنے میں کوئی حرج نہیں کہ آخر اتنے بڑے بڑے علماء جو جماعت سے الگ ہوئے، ان کا یہ عمل کسی طفلانہ حرکت کا نتیجہ تو قرار نہیں دیا جاسکتا۔ شاید یہ سوچ اور اس کا تجزیہ کچھ بہتر نتائج پیدا کرسکے۔

حکیم عبدالرحیم اشرف کا جماعت اسلامی کے ساتھ تنظیمی رفاقت کا دور 1948ء سے 1956ء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دوران انہوں نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ دعوتی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ وہ جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔

Marfat.com

دسمبر1956ء میں پالیسی سے اختلاف کے حوالے سے انہوں نے مسلسل نو گھنٹے تک تقریر کی۔ خطاب کی یہ طوالت بھی ایک دلِ درد مند کی نشان دہی کرتی ہے۔ اپنے مسلک کے اعتبار سے وہ نقد و جرح میں بہت جری تھے مگر اظہار میں کمال اعتدال موجود تھا۔ اس زمانے میں ماچھی گوٹھ کے اجلاس سے قبل اختلافِ آراء کے ماحول میں ایک جائزہ کمیٹی تشکیل دی گئی جو ابتداءً آٹھ افراد پر مشتمل تھی اور حکیم صاحب اس کے کنویز تھے۔ اس کمیٹی کی رپورٹ کو ایک سازش سے تعبیر کیا گیا۔ اس صورت حال میں تحریکِ اسلامی کے بہت سے قیمتی افراد اس سے الگ ہوتے چلے گئے اور ان میں سے ایک ہمارے ممدوح حکیم عبدالرحیم اشرف بھی تھے۔

جماعت سے الگ ہونے والوں میں ایک آدھ کے علاوہ کوئی دوسرا ایسا نہیں جس نے حکیم صاحب کی طرح اسلامی اجتماعیت اور وحدتِ امت کی خاطر ادارے قائم کیے ہوں اور پھر عمر بھر علمی، دعوتی، تدریسی اور فلاحی خدمات کا سفر جاری رکھا ہو۔

حکیم صاحب کی شخصیت مختلف مسالک اور مشارب کے افراد میں بہت قبولیت اور رسوخ رکھتی تھی۔ وحدتِ امت کی تڑپ نے انہیں بہت سے لوگوں کو قریب لانے اور بہت سے احباب کے قریب جانے کے مواقع پیدا کیے۔ ان کے متنوع متعلقین میں علماء، مدرس، اطباء، دانش وَر، سیاسی رہنما اور سماجی مصلحین شامل رہے ہیں۔ ان کی شخصیت آخر تک ایک ایسا مرجع رہی جس سے سب نے استفادہ کیا اور وہ ان سے فیض حاصل کرتے رہے۔ فیصل آباد کا شہر ان کے باعث ایک دعوتی، علمی، تحریکی، ثقافتی اور فلاحی مرکز بن چکا تھا۔ مولانا کی دھان پان شخصیت بہت سی عظمتوں کا روشن مینار تھی۔

برصغیر کے علماءِ دین میں ان کی طویل رفاقت سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور مولانا عبدالغفار حسنؒ سے رہی۔ اس رفاقت کا بھی ایک تذکرہ مرتب ہونا چاہیے۔ حقیقتاً اختلاف کے باوجود یہ سب لوگ اپنے اپنے مقام پر بہت سی عظمتوں کے حامل تھے۔ ان میں سے کسی کے اخلاص اور نیت پر حملہ تو کجا، شبہ بھی نہیں

Marfat.com

کیا جا سکتا۔ حکیم صاحب نے سعودی عرب کے متعدد سفر کیے۔ عرب علماء سے ان کے تعلقات تھے۔ ایسے علماء کبار میں فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن بازؒ، شیخ عبداللہ بن الحمیدؒ، ابوبکر الجزائریؒ، سید علامہ ناصر الدین البانیؒ، جیسے حضرات شامل ہیں۔ اپنے زمانہ آخر میں وہ اپنے دوست مصطفیٰ صادق کے بہت قریب تھے۔ سیاسی احوال کی اصلاح کے لئے وہ راجہ ظفر الحق اور صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کے بہت قریب رہے۔ یہ قربت اس قدر تھی کہ ان کی فہمائش پر لوگوں کو مجلس شوریٰ کی رکنیت اور دوسرے سیاسی مناصب میسر آتے مگر خود ان مناصب کی نہ تو کبھی خواہش کی اور نہ ان کے قریب گئے۔ ان کے اخلاص کی اس کیفیت میں عجیب جاذبیت محسوس ہوتی ہے۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف گو بڑے مصنف تو نہ تھے مگر ان کے قلم سے سینکڑوں صفحات پر مشتمل کتابیں، تذکرے، مقالات، مضامین اور دوسری متنوع تحریریں ملتی ہیں۔ ان سب کے اسلوب میں ایک کمال دردمندی کا احساس ملتا ہے۔ ان کے اسلوب میں کہیں کہیں علمی ثقاہت اور ادبی لطافت بھی دکھائی دیتی ہے۔ اردو ادب کے مؤرخین اور نقادوں نے علمی اور دینی نثر کو زبان و ادب کے دائرے سے نکال کر اردو زبان و ادب کے ساتھ احسان نہیں بلکہ ایک دشمنی کا رویہ اختیار کیا ہے۔ مقامِ مسرت ہے کہ حال میں کچھ بڑے ادیبوں نے شبلیؒ، ابوالکلامؒ، سید سلیمان ندویؒ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، عبدالماجد دریابادیؒ اور سید ابوالحسن علی ندویؒ جیسے مصنفین کو ادبی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔

حکیم صاحب کی اولین تصنیف جو بیت الحکمت میں میرے ذخیرہ کتب سے دستیاب ہوئی وہ ''ارشاداتِ رسولؐ'' ہے، جسے ''تفہیم القرآن'' کے پہلے ناشر شیخ محمد قمر الدین نے لاہور سے شائع کیا ہے۔ یہ اربعین کی طرز پر حدیث کے متن، ترجمہ اور فوائد و تشریح پر مشتمل ہے۔ ابتدائی کلمات خود مرتب نے لکھے ہیں مگر ایک متوسط درجے کا علمی دیباچہ مولانا عبدالغفار حسن نے لکھا ہے جو ان دنوں مالیر کوٹلہ میں مقیم تھے۔

''کیا جماعت اسلامی حق پر ہے؟'' جماعت اسلامی پر علمائے دیوبند کے

Marfat.com

اعتراضات کا ایک علمی جواب ہے۔ حرف اول میں جماعت پر اعتراضات کی تفصیل ہے۔ مخالف عناصر کے ضمن میں قادیانیوں، پرویزیوں، کیمونسٹوں، اربابِ الحاد کی جماعت سے مخالفت کی وجوہ اور ان کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ ایک باب میں جماعت کے لٹریچر کے عالمی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مولانا حسین احمد مدنی کے فتویٰ کا علمی تعاقب بھی خاصے کی چیز ہے۔ آخر میں ایک استفسار مرتب کیا ہے جو چھ سوالات پر مشتمل ہے۔ اس ضمن میں جن تصریحات کو فراہم کیا گیا ہے، وہ لائقِ توجہ ہیں۔ کتاب کے آخر میں جماعت اسلامی کی حقانیت کے بارے میں علمائے عرب، علمائے ہند اور علمائے پاکستان کے فتاویٰ درج کئے گئے ہیں۔ آخری باب میں جماعت اسلامی کے اکابرین کی توضیحات و تصریحات ہیں۔ یہ کتاب 1956ء میں مولانا کے قائم کردہ ''مکتبہ تہذیبِ ملت'' سے شائع ہوئی۔ ہمارے نزدیک اس سے قبل جماعت اسلامی کے دفاع میں اس سے بہتر کتاب اردو زبان میں نہیں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کی ترتیب اور اسلوب سے حکیم صاحب کی جماعت کے ساتھ قلبی اور ذہنی وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

1967ء میں حکیم صاحب موصوف نے ''تذکرہ ...... اراکین پاکستان طبی کانفرنس'' مرتب کیا۔ 190 صفحات پر مشتمل اس تذکرے میں 55 اطباء کرام کا تعارف اور ان کے معروف و مجرب معالجات کی تفصیل فراہم کی گئی ہے۔ اطبائے اسلام کے ہاں ان کے مجربات ایک صدری راز کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس تذکرے کے ذریعے پہلی مرتبہ اخوانِ فن اور افادۂ عام کے لئے انہیں مرتب کر کے شائع کیا گیا ہے۔ افسوس کہ اطبائے اسلام نے ادویات و مفردات میں تحقیق کے عمل کو سائنٹیفک بنیادوں پر آگے نہیں بڑھایا۔ حکیم صاحب موصوف طبی تحقیق کے اس اسلوب کے بہت بڑے داعی تھے۔ حیرت ہے کہ اس تذکرے کے 55 اطباء میں خود حکیم صاحب موصوف کا اسم گرامی شامل نہیں ہے۔ اس معاملے میں ان کا عجز یا اخفا قابل فہم نہیں ہے۔ البتہ اس تذکرے کے صفحہ 4 پر آپ کی یہ تحریر لائقِ اعتناء ہے:

Marfat.com

''یہ مرقع جمیل، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اگر آپ اس کے مطالعہ سے یہ محسوس فرمائیں کہ اس کے ذریعہ فن اور راہنمائے فن کی خدمت کا لائقِ اتباع نمونہ پیش کیا گیا ہے اور اس پیش کش کے ذریعہ متعدد ایسے راز، فنی اخوان کی خدمت میں پیش کیے گئے ہیں، جن میں سے کئی ایسے ہیں جو انمول بھی ہیں اور ان سے خدائے قدوس کی مخلوق کی خدمت کے فریضہ سے بطریق احسن سبکدوش ہوا جا سکتا ہے.........تو یہ احساس، اس صداقت کی مستحقِ التفات دلیل ہے کہ حاملینِ فن کا اتحاد وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور ہمیں ذاتی زندگی اور گروہی مفادات سے بلندتر ہو کر مثبت انداز میں ابناءِ فن کی بہبود میں ہمہ تن مصروف ہو جانا چاہیے۔

''اگر یہ کام اخلاص سے کیا جائے تو یہ بالیقین رضاءِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہوگا اور اس سے ہم سیاہ کاروں کے گناہوں میں تخفیف ہوگی۔''

حکیم صاحب نے اپنے قلم کو جن محاذوں پر رواں دواں رکھا، ان میں سے ایک قادیانیت بھی ہے۔ آپ نے فیصل آباد میں مرکزی ختم نبوت کی ایک بزم قائم کی جس نے قادیانیت کے موضوع پر بعض پمفلٹ شائع کیے۔ ان میں سے ایک پمفلٹ 1386ھ میں ''قادیانیوں سے پہلا خطاب'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ پھر ''قادیانی اور مسلمان'' کے عنوان سے مکتبہ المنبر سے ایک کتابچہ شائع ہوا۔ مگر ان کی اس موضوع پر تفصیلی کتاب ''قادیانی غیر مسلم کیوں؟'' کے نام سے شائع ہوئی۔ ان سب کتابچوں اور کتابوں میں ان کا اسلوب ناصحانہ اور خیرخواہانہ ہے۔ انہوں نے قادیانی برادری کو مسیلمہ کذاب والی منزل تک پہنچنے کی بجائے طلیحہ اسدی والا رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی کہ جو نہ صرف مسلمان ہو گیا بلکہ شہادت کے شرف سے بھی فیض یاب ہوا۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ اس کا دنیا کی ان زبانوں میں بھی ترجمہ کیا جائے جہاں پر قادیانی ذریت اب اپنی آخری پناہ گاہیں تلاش کر رہی ہے۔

Marfat.com

1970ء کے زمانے میں پاکستان میں اسلام اور سوشلزم کی کشمکش بہت نقطہ عروج پر تھی۔ افسوس کہ اس صورت حال میں کچھ ناعاقبت اندیش علماء نے ایسا رویہ اختیار کیا جو بالآخر سرخ سویروں کی تائید کرتا تھا۔ مولانا نے اس موقع پر دو اہم مضامین سپردِ قلم کیے جو کتابچوں کی صورت میں ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک ''سرخ طوفان اور عالمِ اسلام'' ہے جسے جمعیة الدعوة و الاصلاح فیصل آباد نے شائع کیا۔ ایک دوسرا پمفلٹ دارالفکر لاہور سے 1970ء میں ''ہزاروی گروپ اور لیبر پارٹی'' کے نام سے منصۂ شہود پر آیا۔ اس میں علماء کے سوشلسٹ تنظیموں کے ساتھ سنجوگ پر ماتم کیا گیا ہے۔

ہم یہ بات عرض کر چکے ہیں کہ حکیم صاحب بدوِ شعور سے لے کر تاحینِ حیات، اتحادِ امت اور اجتماعیات اسلامیہ کے داعی اور اور نقیب رہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے جماعت اسلامی سے نکلنے کے بعد بہت سی تنظیمات کو بھی تشکیل دیا جن میں سے ایک جمعیة الدعوة و الاصلاح تھی۔ اس کے زیرِ اہتمام بہت سے دعوتی، علمی اور سیاسی کام ہوئے۔ اس زمانے میں اس جمعیت کی طرف سے ایک معتبر دستاویز ''ایک نئے دور کا آغاز، علمائے دین کے اعلامیہ کے 21 نکات اور صدر مملکت کا 13 نکاتی لائحہ عمل، خدام الدین متوجہ اور بیدار ہوں'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ ان نکات کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان میں اتحادِ امت اور غلبہ اسلام کی آرزومندی کی شدت کا ان کے ہاں کیا عالم رہا ہے۔ غلبہ اسلام کے لئے مختلف مسالک کے درمیان ربط وضبط کی خاطر، اس سے بہتر دستاویز تیار نہیں ہوسکتی۔

حکیم صاحب مرحوم کے دو کتابچے مسنون دعاؤں سے متعلق ہیں۔ ایک تو جمعیة الدعوة و الاصلاح کی طرف سے ''مسنون دعاؤں'' کے عنوان سے شائع ہوا جبکہ دوسرا 1385ھ میں ''زمانہ جنگ کی دعائیں'' کے نام سے ادارہ تعلیمات اسلامیہ نے شائع کیا۔ ان نگارشات کے علاوہ ان کے متعدد اداریے اور مضامین ان کے اپنے رسالہ ''المنبر''، ''راہنمائے صحت'' اور ''خبرنامہ طب'' میں شائع ہوتے رہے۔ ان مضامین

Marfat.com

کی تلاش اور تدوین کی ضرورت ہے۔

اردو زبان میں دینی صحافت کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ حکیم عبدالرحیم اشرف نے صحافت میں تین یادگار نشان چھوڑے ہیں۔ ہفت روزہ ''المنبر'' 1954ء سے ابھی تک جاہلیت کے خلاف ایک مسلسل جہاد میں مصروف عمل ہے۔ اس کی پیشانی پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر اس کی پالیسی کا ترجمان ہے ۔

وہ سجدہ روحِ زمین جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

المنبر میں حکیم صاحب کے اداریوں کے علاوہ ان کے مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ یہ ہفت روزہ، وحدتِ امت اور مسائلِ امت کی پیش کش میں ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔ 1978ء میں اس کا ایک یادگار نمبر ''جامعہ نمبر'' کے عنوان سے شائع ہوا، جس میں جامعہ تعلیمات اسلامیہ کے مقاصد، اہداف اور جہات کو پیش کیا گیا ہے۔ دینی صحافت کے اس پرچے کے علاوہ ''راہنمائے صحت'' اور ''خبر نامہ طب'' اسلامی طب کے تعارف و تحقیق میں معاون اور نمایاں رہے ہیں۔

حکیم عبدالرحیم اشرف کی پوری زندگی اقامتِ دین کا نمونہ اور اس کی جدوجہد میں مصروف عمل دکھائی دیتی ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے متعدد ادارے قائم کئے اور تاحینِ حیات ان اداروں کے استحکام میں مصروف رہے۔ ان میں سے چند ایک اداروں کا اجمالی تعارف پیش خدمت ہے:

طبی کتب کی اشاعت کے لئے ''اشرف اکادمی'' قائم کی۔ جبکہ دینی کتب کے لئے ''مکتبہ المنبر'' بھی تشکیل دیا گیا۔ جمعیۃ الدعوۃ والاصلاح کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس کے زیر اہتمام بھی چند دعوتی پمفلٹ شائع ہوئے ہیں۔ پاکستان طبی کانفرنس میں سرگرمی سے کام کرتے ہوئے اسلامی طب کے احیاء کے لئے عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے۔ اسلامی طب کے عمل اور افادی پہلو کی خاطر اشرف لیبارٹریز قائم کی، جو دوا سازی کی تاریخ

Marfat.com

میں اپنا ایک مثالی ریکارڈ رکھتی ہے۔ کاش اسلامی حکومتیں اپنے اپنے علاقے اور خطے کی نباتات کے حوالے سے معالجات کے فروغ پر توجہ دے سکیں۔ قومی صحت اور شرعی نقطہ نظر سے یہ ایک انقلابی قدم ہوگا۔ اطبائے کرام کو بھی اس سلسلے میں ایک اجماع کی سی صورت کو پیدا کرنا چاہیے۔

''ختمِ نبوت'' حکیم صاحب کے ایمانی اور اعتقادی میدان کا ایک خاص موضوع ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے فیصل آباد میں ''مرکزی بزمِ ختمِ نبوت'' قائم کی جس کا ایک مبسوط تذکرہ ضروری ہے۔ حکیم صاحب نے علم الابدان کے ساتھ علم الادیان کی تعلیم وتدریس پر بہت توجہ کی۔ ان کے عزائم اس سلسلے میں کس قدر بلند تھے، ان کا ایک نمونہ ''جامعہ تعلیمات اسلامیہ'' ہے جسے انہوں نے 1376ھ بمطابق 1956ء فیصل آباد میں قائم کیا۔ اس ادارے کی تاسیس وتشکیل میں انہوں نے عرب وعجم کے اساتذہ اور شیوخ سے استفادہ کیا۔ برصغیر کے مشہور محدث خاندان کے چشم وچراغ مولانا عبدالغفار حسن کو اس کی ادارت سپرد کی۔ حکیم صاحب کے عزائم میں تو کوئی کوتاہی نہ تھی مگر افسوس کہ انہیں وہ اساتذہ میسر نہ آسکے جو اس نوعیت کے اداروں کے لئے ناگزیر ہوتے ہیں۔ حکیم صاحب نے ''آئندہ کے عزائم'' کے عنوان سے اس ادارے کو متعارف کراتے ہوئے لکھا:

''1۔ ہمارے نزدیک سب سے بڑی ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے مدارسِ عربیہ کے فارغ ہونے والے طلبہ میدانِ دعوت وتبلیغ میں آنے سے پہلے قرآن مجید کو سمجھنے اور سمجھانے میں مہارت کا مقام رکھتے ہوں.........

2۔ اصول وتاریخِ حدیث ہمارے نصاب کا دوسرا بڑا اہم جزو ہے۔ حدیثِ نبویؐ کی تعلیم کا اہتمام تو ہمارے مدارسِ عربیہ میں کم وبیش موجود ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے فاضل نوجوان اصولِ حدیث اور تاریخِ حدیث سے کماحقہ باخبر ہوں، وہ ایک طرف حدیثِ نبویؐ سے استنباط کی صلاحیتوں سے آراستہ ہوں اور دوسری طرف اس فتنہ کا سدباب کرسکیں جو

Marfat.com

مغربی افکار سے متاثر ہونے والے اذہان نے انکارِ حدیث کی شکل میں برپا کر رکھا ہے............

3۔ تزکیہ نفس: ہم اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ نفس کی اصلاح و تربیت و تزکیہ اور کیفیتِ احسان کا حصول، شریعتِ اسلامیہ کا اصل مدعا اور مطلب ہے............

4۔ چوتھی ضرورت جسے ہم اس نصاب سے پورا کرنا چاہتے ہیں وہ ہے فرقہ وارانہ فقہ کی تنگنائیوں سے اپنے طلبہ کو نکال کر اسلام کے جامع تصور کا دلدادہ بنانا............

5۔ ایک بڑی کمی ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے فارغ التحصیل طلبہ عربی کتابوں کے سالہا سال درس کے بعد بھی عربی ادب اور عربی انشاء سے کماحقہ آگاہ نہیں ہوتے............

6۔ اس وقت بھی اشد ضرورت ہے کہ ہمارے علمائے کرام جدید علوم اور سوشل سائنسز سے بھی اس حد تک آگاہ ہوں کہ ان سے متاثر ہونے والے طبقات میں جو مادیت پسندی پیدا ہو چکی ہے، وہ اس کا ازالہ کر سکیں............

(بحوالہ ہفت روزہ ''المنبر'' جلد 23، شمارہ نمبر 46-45)

حکیم صاحب محترم احیائے دین کے لئے احیائے علم کی تحریک پر گہرا یقین رکھتے تھے۔ احیائے علم کے لئے وہ عربی مبین کی اعلیٰ تعلیم و تدریس کو ناگزیر خیال کرتے تھے۔ ان کی یادگار جامعہ تعلیمات اسلامیہ تو آج بھی قائم ہے مگر مذکورہ اہداف اور مقاصد کے حصول کے لئے کسی رجلِ عظیم کا منتظر ہے۔

حکیم عبدالرحیم اشرفؒ ایک بھرپور شخصیت کے حامل تھے۔ انہیں ایک وقت میں متنوع امور کو نپٹانے کا سلیقہ تھا۔ ان کے پاس اخلاص کا ایک خزینہ تھا جس سے مشکلات اور دشواریاں دور ہوتی چلی جاتی تھیں۔ وہ ہمارے اسلاف کے کردار کا ایک مظہر تھے۔ اپنی

Marfat.com

شخصیت میں وہ ایک جامعیت رکھتے تھے۔ کثیر المقاصد امور اور اہداف کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو بہت سے ضوابط کا پابند بنا رکھا تھا اور ایسی ہی ضابطہ شناسی کی وہ دوسروں سے بھی توقع رکھتے تھے۔ اس لئے بعض لوگ ان سے ناخوش بھی رہتے تھے۔ وہ ایک باشعور اور دّراک ذہن و دماغ رکھتے تھے۔ بظاہر نحیف و نزار مگر استقامت کا کوہِ گراں تھے۔ دین و شریعت کی حکم رانی کے لئے انہیں جیل یاترا بھی کرنا پڑی۔

آج وہ عظیم مفسر، خطیب، حکیم، واعظ، داعی، عالم اور زاہد ہمارے درمیان موجود نہیں مگر فیصل آباد میں ان کے عزائم کے روشن ادارے ان کی عظیم شخصیت پر شاہدِ عدل ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

Marfat.com

دانا و بینا انسان

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ☆

ہمارے دینی و فکری اور سیاسی اُفق پر کچھ شخصیات ایسی نمودار ہوئیں جن کی رونق، چمک دمک اور اثرات کا دائرہ پاکستان کی نصف صدی کی تاریخ پر محیط ہے۔ حکیم عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی ایسی ہی شخصیات میں ہوتا ہے۔ وہ حکیم تھے مگر طبِ اسلامی میں نئی نئی تحقیقی اور تخلیقی راہیں نکالنے والے حکیم تھے۔ وہ ایک دینی پیشوا تھے، مگر سچے اور پکّے دین دار اور دینِ حق کی عزت و سربلندی کے لئے اپنا تن من دھن قربان کرنے والے دینی پیشوا تھے۔ ہمارے اسلامی فکر کی تاریخ سے بھی ان کا لگاؤ تھا مگر ان کی سنجیدہ اور تعمیری کاوشوں نے اسلامی فکر کو جِلا بخشی۔ اور وہ کارزارِ سیاست کے شہسوار بھی تھے، مگر ان کی سیاست کا محور اصلاح و فلاحِ ملت اور تعمیرِ وطن کے لئے جہدِ مسلسل تھی۔ اگر ان کا وجود نہ ہوتا اور ان کی عملی زندگی ہماری معاصر تاریخ میں کارفرما نہ ہوتی تو ایک کمی رہ جاتی، ہماری زندگی کے ان تمام پہلوؤں میں کمی جو حکیم عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دردمند مسلمان، صاحبِ دل دینی پیشوا اور جذبۂ اخلاص سے سرشار سیاسی زعیم کی حیثیت سے پوری کی۔ ان کی بھرپور عملی زندگی نے یہ کمی نہیں آنے دی۔

قیامِ پاکستان کے وقت آج کا فیصل آباد اور کل کا لائل پور، ایک غلہ منڈی اور فیکٹری ایریا سے زیادہ اہمیت نہ رکھتا تھا، یہاں علم و حکمت بہت دور کی باتیں معلوم

☆ سابق چیئرمین شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی۔ سابق پرنسپل اورینٹل کالج۔ لاہور۔ پروفیسر ایمریطس پنجاب یونیورسٹی۔ سابق صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی پاکستان۔ معروف محقق، مصنف اور دانش ور۔

Marfat.com

ہوتی تھیں۔ مگر جب اس معمولی آبادی اور عملی سرگرمی والے اس گمنام سے شہر کو، حکیم عبدالرحیم اشرفؒ جیسے اصحابِ جذب وشوق اور عزم وارادے کے مالک لوگ میسر آ گئے تو یہاں جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ جیسی درسگاہیں اور اشرف لیبارٹریز جیسے دوا سازی کے ادارے قائم ہوئے۔ میری رائے میں فیصل آباد کے لوگوں پر ایسے لوگوں نے بڑے احسانات کیے ہیں اور احسان شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ اہلِ فیصل آباد نہ صرف یہ کہ انہیں ہمیشہ یاد رکھیں بلکہ ان کے شایانِ شان یادگاریں قائم کریں۔ حکیم صاحبؒ کے بنائے ہوئے یہ عظیم الشان ادارے آج فیصل آباد کی پہچان، بلکہ آن بان اور شان بن چکے ہیں۔

مجھے حکیم صاحبؒ سے کئی بار شرفِ ملاقات حاصل ہوا، ایک آدھ بار ان کے دولت کدہ پر فیصل آباد میں اور متعدد بار دورانِ سفر۔ حکیم صاحبؒ بے حد نرم خُو، دل نواز آواز اور پُر حکمت گفتار کے مالک تھے۔ وہ بڑے دانا و بینا انسان تھے۔ میں نے انہیں سفر و حضر میں جب بھی دیکھا وہ خوش لباس اور خوش گفتار دکھائی دیئے، بڑی جچی تُلی بات کرتے۔ ان کی بات پُر زور ہونے کے ساتھ ساتھ پُر مغز اور پُر عزم بھی ہوتی تھی۔

ایک زمانہ تھا جب ہمارے صحافی اور حکماء بڑے بڑے اصحابِ علم ہوا کرتے تھے۔ صحافت میں مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا ظفر علی خانؒ اور مولانا چراغ حسن حسرتؒ علم و ادب کی دنیا کے ستارے بھی تھے، ان کی صحافت علم سے منوّر تھی۔ اس لئے یہ راہ دکھاتی بھی تھی، اور قوم کے لئے راہیں متعین بھی کرتی تھی۔ اسی طرح حکمت کی دنیا میں حکیم اجمل خان، حکیم نابینا اور حکیم عبدالرحیم خان جیسے اصحابِ علم و فضل کے نام تھے، جو طبِ اسلامی پر عبور حاصل کرنے سے پہلے اسلامی علوم پر حاوی ہو چکے ہوتے تھے۔ ان کے علمی اور طبی کارنامے جدت و اصالت کے علم بردار ہوتے تھے۔ حکیم عبدالرحیم اشرفؒ بھی بلاشبہ ''علماء، حکماء'' میں شمار ہونے کے مستحق ہیں۔ جدّت و اصالت کی بھرپور صلاحیت کا عملی ثبوت جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ، جامعہ طبیہ اسلامیہ اور اشرف لیبارٹریز کی شکل میں موجود ہے۔

Marfat.com

مجھے وہ زمانہ بھی یاد آتا ہے جب مولانا عبدالغفار حسنؒ کی طرح حکیم عبدالرحیم اشرفؒ بھی جماعتِ اسلامی کے زعماء میں نمایاں نظر آتے تھے۔ بڑی مدت تک جماعت کی مجلسِ شوریٰ کی رکنیت اور اپنے علاقے کی امارت ان کے پاس رہی، جماعت کے لئے بھرپور انداز میں کام کرتے رہے۔ پھر معلوم نہیں یکایک کیا ہوا، مولانا عبدالغفار حسنؒ کی طرح حکیم عبدالرحیم اشرفؒ بھی جماعت سے الگ نظر آئے۔ ''ناطقہ سر بہ گریباں ہے کہ اسے کیا کہیے!''

مشکلات اور آفات میں حکیم عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ، ملک و ملت کے بہت کام آنے والی شخصیت تھے۔ کسی زمانے میں پنجاب میں کتنے ہی خوفناک سیلاب آتے تھے اور تباہی ساتھ لاتے تھے۔ ایسے مواقع پر حکیم صاحبؒ جیسے نحیف و نزار مگر مجسّم عزم و جوش کے مالک انسان سب سے آگے آگے ہوتے۔ سیلاب زدگان کی خبر گیری، ان کی ضروریات کی تکمیل اور سب سے بڑھ کر ان کی از سرِ نَو آباد کاری میں وہ پیش پیش نظر آتے تھے۔ جہادِ افغانستان کے موقع پر وہ سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر سرگرم نظر آئے۔ صدر ضیاء الحق مرحوم اس سلسلے میں ان کے مشوروں اور کارگزاری کو بہت پسند کرتے تھے اور اکثر مشوروں کے لئے فون پر بات کرتے یا اسلام آباد بلاتے تھے۔ حکیم صاحبؒ نے کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی تھی۔ اتحاد بین المسلمین کے لئے جن اہلِ علم و دانش کی خدمات کبھی نہیں بھلائی جا سکتیں ان میں حکیم عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ کا نام صفِ اوّل میں آتا ہے۔ ''حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔''

Marfat.com

ایک کثیر الجہات شخصیت

ڈاکٹر زاهد منیر عامر ☆

صائب اصفہانی کا شعر ہے ؎

رنگین سخنان در سخنِ خویش نہانند
از نکہت خود نیست بہر حال جُدا گل

جس طرح پھول اپنی خوشبو سے کبھی جدا نہیں ہوتا، اسی طرح
باکمال (رنگین سخن) لوگ اپنے کارناموں میں محفوظ رہتے ہیں۔

مَیں نے جب مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحبؒ کے انتقال کی خبر سنی تو میرا اوّلین احساس یہی تھا۔ مجھے حکیم صاحبؒ محترم کے حلقۂ احباب میں شامل ہونے کا اعزاز تو حاصل نہیں رہا، البتہ میرے مخدوم حضرت مولانا تاج محمود صاحب مرحوم ان کے حلقۂ احباب میں شامل تھے۔ اربابِ فیصل آباد جانتے ہیں کہ شہر میں جب کوئی اختلافی مسئلہ درپیش ہوتا تو اہلِ شہر کی نگاہیں جن بزرگوں کی طرف اُٹھتی تھیں، مولانا تاج محمود مرحوم ان میں سرِفہرست تھے۔ مولانا تاج محمود مرحوم اور حکیم صاحب مرحوم میں قدیم سے تعلقات تھے، مولانا اور حکیم صاحب کی بعض امور پر ملاقات و مشاورت بھی رہتی تھی، ان دونوں بزرگوں کی بعض بہت اہم ملاقاتوں میں، مولانا تاج محمود صاحب کے غیر معمولی اعتماد کے باعث، میں بھی ایک سامع کے طور پر شریک رہا۔ انہی ملاقاتوں میں مجھے حکیم صاحب موصوف کی شخصیت کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ میں نے حکیم صاحب کو آخری بار اس

☆ پروفیسر وصدر نشین مسند ظفر علی خاں، ادارہ علوم ابلاغیات، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ معروف مفکر، دانش ور اور مصنف۔

Marfat.com

روز دیکھا، جب مولانا تاج محمود نے ردائے خاک اوڑھ لی اور ان کے چاہنے والے ان کی مسجد میں جمع ہو کر ان کی یاد میں چراغ جلانے لگے۔ عام طور پر ایسے مواقع پر رسمی تقریریں کی جاتی ہیں لیکن حکیم صاحب مرحوم نے اس جلسۂ تعزیت میں جو خطاب کیا وہ اتنا پُر مغز تھا کہ اس کی بعض باتیں آج بھی یادداشت کی لوح پر لکھی ہوئی ہیں...... اس کے بعد چونکہ میرے لئے کیفیت ''آن قدح بشکست و آن ساقی نماند'' کی سی ہو گئی تھی، اس لئے حکیم صاحب کو دیکھنے، سننے کا موقع نہ مل سکا۔

حکیم صاحب سے چند ملاقاتوں، ان کی بعض تحریروں اور تقریروں سے میرے ذہن میں ایک مضبوط شخصیت کا تأثر ابھرتا ہے، ایک ایسی شخصیت جسے انگریزی میں Controlled Personality کہا جاتا ہے۔ ان کے کاموں میں جو ترتیب، تنظیم اور سلیقہ نظر آتا تھا، اس سے ہی ان کی شخصیت کی ترتیب، تنظیم اور سلیقے کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ انہوں نے زندگی کا آغاز کس سطح سے کیا تھا، لیکن مجھے یہ ضرور نظر آتا ہے کہ انہوں نے زندگی کو اپنے طریقے سے گزارنا سیکھا تھا۔ ان کی کثیر الجہات شخصیت میں علم و حکمت کو کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ میں نے ایک زمانے میں جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کے پاس ایک طویل و عریض کمرے میں ان کا ذخیرۂ کتب دیکھا تھا، جسے ان دنوں ایک صاحب صبح و شام مرتب کرنے میں مشغول رہتے تھے۔ اس ذخیرۂ کتب و رسائل سے بھی حکیم صاحب کی شخصیت اور دلچسپیوں کے تنوّع کا اندازہ ہوتا تھا۔ علم و حکمت سے گہری وابستگی کے ساتھ ساتھ وہ ایک نہایت فعال شخصیت کے بھی مالک تھے۔ وہ غالبًا ؎

ہستم اگر می روم گر نروم نیستم

کے قائل تھے۔ زمانۂ قدیم کے مسلم دانش وروں میں مختلف علوم و فنون کا جو اجتماع دکھائی دیتا ہے، دورِ حاضر میں وہ مفقود ہوتا جا رہا ہے اور لوگ غالب کے الفاظ میں ''یک فنے'' ہو گئے ہیں، لیکن حکیم صاحب روشِ عام کے خلاف ''یک فنے'' نہیں تھے۔ وہ بیک وقت کئی شعبوں سے وابستہ اور کئی محاذوں پر سرگرمِ عمل رہنے والی شخصیت تھے۔ اشرف لیبارٹریز،

Marfat.com

جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ، جامعہ طبیہ اسلامیہ، المنبر، متعدد تصانیف اور ایک زمانے میں سیاست بھی، ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کے مظاہر بن کر سامنے آتے رہے۔ ان کا سلیقہ بہت سی ایسی چیزوں میں بھی ربط پیدا کر دیتا تھا، جو بظاہر غیر مربوط نظر آتی ہیں۔ وہ اپنی گفتگوؤں میں موضوع کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیتے اور پھر ہر حصے کے جداگانہ نکات پر الگ الگ تفصیل سے کلام کرتے تھے، اس روِش سے ان کی تقاریر میں ایک منضبط مقالے کی سی شان پیدا ہو جاتی تھی۔ (بعض اوقات کچھ نامانوس الفاظ ضرور ہوتے تھے) میرا خیال ہے کہ اگر ان کی تقاریر کو تحریر میں ڈھالا جائے تو یہ معلوم کرنا بہت دشوار ہو جائے کہ یہ کلام اوّل اوّل بطور تقریر معرضِ ظہور میں آیا تھا۔

وہ پاکستان کے نام وَر لوگوں میں سے تھے، خاص طور پر فیصل آباد کو تو ہمیشہ ان پر ناز رہے گا۔ موت سے کس کو رستگاری ہے، لیکن حکیم صاحب اپنے قائم کردہ اداروں کی شکل میں، اپنی تحریروں میں، اپنے کارناموں میں عملِ خیر کے تسلسل کی طرح زندہ رہیں گے۔

Marfat.com

دردمندِ ملّتِ اسلامیہ

پروفیسر افتخار احمد چشتی مرحوم ☆

ان دنوں میں بسترِ علالت پر تھا کہ دس محرم بروز جمعہ کی صبح عزیزِ محترم زاہد اشرف کا ٹیلی فون آیا کہ ''والدِ گرامی اللہ کو پیارے ہوگئے۔'' اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

1955ء سے 1995ء تک کے روابطِ باہمی اور حضرتؒ کی ملّی و دینی زندگی کا ایک نقشہ سامنے آ گیا اور ان کے کارہائے نمایاں کا روشن باب وا ہوگیا۔ کافی دیر تک اسی کیفیتِ وصال میں رہا۔ دل نے ساتھ دیا، آنکھوں نے بھی رفاقت کا حق ادا کیا اور پھر زبان نے دعائے مغفرت کے ساتھ اپنا فریضہ ادا کیا۔

زندگی ایک حقیقت ہے مگر موت اس سے بڑی حقیقت ہے۔ وہ زندگی جو موت کے بعد شروع ہوتی ہے، وہی اصل زندگی ہے اور وہ ہی اس زندگی کا حاصل ہے۔ موت پر صدمہ ضرور ہوتا ہے مگر یہ سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا اور یہی قادرِ مطلق کا فیصلہ ہے کہ ''کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ۔'' علامہ اقبالؒ کے چند اشعار بھی قابلِ غور ہیں۔ فرماتے ہیں: ؎

منحصر ہے گردشِ پیہم پہ جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی
تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم رواں، ہر دم جواں ہے زندگی

☆ بانی و سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد۔ بانی مجلسِ اقبالؒ، فیصل آباد۔ ممتاز ماہرِ تعلیم۔ 20/اگست 2001ء بمطابق 29 جمادی الاولیٰ 1422ھ کو دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی مخلوق میں سب سے اشرف بنایا۔ احسنِ تقویم میں شرف عطا کر کے اپنی خلافت کا تاج پہنایا اور کرۂ ارض پر اپنا نائب بنایا۔ تمام علوم و معارف عطا کرنے کے بعد فرمایا کہ تم میری ہدایت کے محتاج رہو گے اور جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ ہی فلاح پائے گا۔ ہدایت کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش انبیاء اور رسول مبعوث فرمائے۔ سب سے آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے آخری رسول ہیں۔ قرآنِ پاک اللہ کی آخری کتاب ہے۔ اسلام اللہ کا آخری دین ہے اور ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کی آخری اُمت ہیں۔

او رسل را ختم ما اقوام را

حضور ﷺ کے بعد بھی ہدایت کا یہ سلسلہ قرآن وسنت کی روشنی میں جاری رہا، جاری ہے اور جاری رہے گا۔ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور ان کے بعد علماء و مشائخ کے ذریعے ہدایت کا سلسلہ جاری ہے۔ ہر دور میں اللہ کے بندے اسلام کی تبلیغ کے مقدس مشن میں مصروف رہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ رہیں گے۔

قیامِ پاکستان کے مطالبہ میں یہ نظریہ کارفرما تھا کہ ہم ہندو اور دیگر قوموں سے الگ قوم ہیں۔ ہماری قومیت کی بنیاد وطن، زبان، نسل، شعوب اور قبائل پر نہیں ہے، بلکہ تقویٰ یعنی اسلام پر ہے۔ ع

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

میں علامہ اقبالؒ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ الحمدللہ کہ 1947ء میں پاکستان قائم ہو گیا۔ مگر آج تک ہم یہاں اسلامی ریاست قائم نہیں کر سکے اور اپنے دیس کو دیسِ مصطفویؐ نہیں بنا سکے۔

اسلام کا مقصود ایک ایسے منظم اور مثالی وصالح معاشرہ کا قیام ہے، جس کا ہر فرد روحانی الطبع ہو، اخلاقی جدوجہد کرنے والا ہو، اور قرآن پاک و اسوۂ رسولؐ پر چلنے والا ہو۔ جب یہ معاشرہ منظم صورت اختیار کرے گا تو اسلامی ریاست بن جائے گا۔ یہی سنتِ رسولِ

Marfat.com

پاکؐ ہے۔ مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست اسی عمل سے معرضِ وجود میں آئی تھی اور آج بھی ساری دنیا کے لئے، بالخصوص ملّتِ اسلامیہ کے لئے وہ ریاست مثالی ریاست ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد، استحکامِ پاکستان اور پاکستان میں نفاذِ اسلام، احیائے اسلام اور اسلام کی ایک مثالی ریاست کے قیام میں جو حضرات پیش پیش رہے، ان میں حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف مرحوم کا منفرد اور نمایاں مقام ہے۔ آپ نے تمام عمر، جب تک صحت اجازت دیتی رہی، شب و روز زبان، عمل اور قلم سے اسی مقدس مشن کے لئے جہاد کیا۔ مسجد، مدرسہ، کالج، محفل، مجلس، میٹنگ، غرضیکہ جہاں بھی تشریف لے گئے، نہایت دردمندی و اخلاص کے ساتھ بے حد مؤثر انداز میں یہی تبلیغ کی کہ ہمیں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو قرآن و سنت کی روشنی میں جلد از جلد ڈھالنا چاہیے۔

آپ نے لگ بھگ تیس برس منشی محلّہ کی مسجد میں جمعہ بھی پڑھایا۔ جمعہ سے قبل خطاب آپ کا معمول تھا۔ گورنمنٹ کالج میں بھی مجھے آپ کے مواعظِ حسنہ یاد ہیں۔ آپ نے کئی بار ہمارے کالج کے طلبہ بالخصوص میرے شعبۂ اسلامیات کے طلبہ کو خطاب کیا۔ آپ نے فیصل آباد شہر اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں اساتذہ اور طلبہ کو، علماء اور مشائخ کو، شعراء اور ادیبوں کو، ائمہ اور طبیبوں کو، یہاں تک کہ سیاست دانوں اور سربراہانِ مملکت کو بھی ہمیشہ اسلام کے نفاذ کے سلسلے میں مشورے دیئے اور ساری زندگی اسی اعلیٰ مقصد کے حصول کی جدوجہد میں گزار دی۔

آپ بے حد مُنکسر المزاج تھے۔ متواضع تھے۔ با اخلاق تھے۔ ہر چھوٹے بڑے کا استقبال کرتے۔ بے حد مہمان نواز تھے۔ ہر ایک کی تواضع وقت کے مطابق طعام یا چائے یا مشروب سے کرتے۔ خود اپنے ہاتھوں سے خدمت کرنے کو ترجیح دیتے۔ خوب پیار سے دل میں اُتر جانے والی باتیں کرتے۔ گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا مگر آپ ہرگز تھکتے نہیں تھے۔ اسلام اور ملّتِ اسلامیہ کی دردمندی کا اظہار ہر فقرے سے ہوتا تھا۔

آپ نے برسوں قبل جناح کالونی میں اپنا مطب جاری کیا اور اشرف دواخانہ

Marfat.com

قائم کیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دستِ شفاء عطا فرمایا تھا۔ ادویات کی تیاری میں دیانت و امانت سے کام لیا جاتا تھا، اس لئے دواؤں میں بھی تاثیر تھی۔ جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ اور جامعہ طبیہ اسلامیہ بھی غالباً ابتداء میں جناح کالونی میں قائم کئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ان اداروں میں بہت ترقی عطا فرمائی۔ آپ نے تین جریدے بھی جاری کئے۔ ماہنامہ ''راہنمائے صحت'' ہفت روزہ ''المنبر'' اور پندرہ روزہ ''خبرنامہ طب''۔ شب و روز کی پُرخلوص محنت سے یہ تمام ادارے ترقی کی منازل طے کرتے گئے۔ آپ کے فرزندان بڑے ہوتے گئے، تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو کر انہوں نے ان اداروں کی ترقی و تعمیر میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ حضرت مولانا صاحب کی تربیت کا اثر تھا کہ فرزندانِ گرامی قدر طارق اشرف، زاہد اشرف اور حامد اشرف نے ان اداروں کو نہ صرف سنبھالا، بلکہ ترقی کی ان منازل تک پہنچایا جہاں ہم آج انہیں دیکھ رہے ہیں۔ حضرت مولانا صاحب نے اپنے وصال سے قبل ان تمام اداروں کو ترقی کی منازل پر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر نہایت خاموشی کے ساتھ جمعرات و جمعہ کی شب دس محرم 1417ھ کی رات سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا صاحب کی قومی، دینی، تعلیمی، طبّی اور ملکی و ملّی خدمات کا احاطہ یہ ہیچ مداں کیا کر سکتا ہے اور پھر اس حالت میں جبکہ طویل عرصے سے بسترِ علالت پر ہے، صرف بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر دعا کر سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا صاحب مرحوم کے درجات بلند سے بلند تر فرمائیں اور فرزندان و پس ماندگان، احباب اور کارکنوں اور اساتذہ و طلبہ کو حوصلہ، ہمت اور توفیق عطا فرمائیں، کہ خاص طور پر تینوں فرزندانِ عالی وقار، حضرت مولانا صاحب کے مشن کو پورے اخلاص، لگن اور صدقِ دل سے آگے بڑھاتے رہیں۔

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

Marfat.com

قادیانیت شکن

ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمان اعظمی ☆

اتحاد بین المسلمین، پاکستان میں نفاذِ اسلام، اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور عربی زبان کی ترویج و ترقی، یہ وہ بنیادی عناصر ہیں جو مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف علیہ الرحمہ کی پوری زندگی کے محور و مرکز ہیں۔

مولانا موصوف سے راقم الحروف کی پہلی ملاقات غالباً 1402ھ میں، فیصل آباد میں ہوئی۔ اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ کی طرف سے عربی زبان کا کورس کرانے کے لئے اساتذہ کا جو وفد فیصل آباد کے لئے روانہ کیا گیا ان میں، میں بھی شامل تھا۔ ہمارا چند ہفتے فیصل آباد میں قیام رہا۔ اس عرصہ میں گاہے بگاہے مولانا سے اجمالی و تفصیلی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ ہی کی تجویز پر مجھے زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں اساتذہ اور طلبہ سے خطاب کا موقع ملا۔ میرے لیکچر کا موضوع موقع محل کی مناسبت سے ''علم حدیث پر مستشرقین کے شبہات اور ان کا جواب'' تھا۔

فتنہ قادیانیت کی سرکوبی میں مولانا محترم کی پیہم جدوجہد

میری نظر میں مولانا مرحوم کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی میں آپ کا بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اٹھنے والے خطرناک فتنوں میں سے ایک فتنہ قادیانیت ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے مختلف حیلوں بہانوں سے اسلام کے اصلی روشن چہرے کو مسخ کرنے کی سعی کی۔

☆ سابق پروفیسر و پرنسپل کلیۃ الحدیث، مدینہ یونیورسٹی، سعودی عرب۔ نامور مصنف و محقق۔ ممتاز ماہر تعلیم۔

Marfat.com

ملّتِ اسلامیہ کے متفق علیہ مسائل میں اختلاف و انتشار کی دراڑیں ڈالنے کی مذموم کوششیں کیں۔ یہاں تک کہ اس نے مقامِ نبوت و رسالت میں نقب زنی کرتے ہوئے خود کو کبھی مہدی، کبھی مجدّد اور کبھی مسیح موعود بنا کر پیش کیا، اور بالآخر نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر بیٹھا۔ مسلمانوں کے ہمدرد و مخلص جن علماء حضرات نے دجل و فریب سے مزیّن اس فتنے سے لوگوں کو خبردار کیا، اس کے بُرے عواقب و نتائج سے آگاہ کیا، اس کے خلاف قولاً و عملاً اپنا بھرپور کردار ادا کیا، ان میں مولانا عبدالرحیم اشرف صاحبؒ کا نام سرِفہرست ہے۔ آپ نے تقریری و تحریری، دونوں میدانوں میں اس فتنے کے خاتمہ کے لئے بڑی جدوجہد کی۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے میں مستقبل کا مؤرخ آپ کے کردار کو کبھی فراموش نہیں کر سکے گا۔ مجلّہ المنبر کی فائلیں اور اس دور میں منعقدہ، متعدد اسلامی کانفرنسوں میں آپ کی شرکت اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے۔

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مطالبہ کے دنوں میں تحریکِ ختمِ نبوت جب اپنے عروج پر تھی، اس وقت مولانا نے ایک ایسی دستاویز مرتّب کی جو مرزا غلام احمد قادیانی کی تصانیف کے ان اقتباسات پر مشتمل تھی جو اسے اور اس کے پیروکاروں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کے لئے کافی تھی۔ مولانا محترم نے اس کی ایک کاپی مجھے بھی عنایت فرمائی۔ یہ تاریخی دستاویز تاحال میری لائبریری میں محفوظ ہے۔ جب بھی اس پر نظر پڑتی ہے، مولانا کی یادیں پردۂ ذہن پر گردش کرنے لگتی ہیں۔ بقول شاعر ؎

وَمَا مِنْ كَاتِبٍ اِلَّا سَيَفْنٰى   وَ يُبْقِى الدَّهْرُ مَا كَتَبَتْ يَدَاهُ

مجھ کو مٹا نہ سکیں زمانے کی گردشیں   گو میں نہ رہا میرا نقشِ قدم رہا

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کے اعمالِ حسنہ کو توشۂ آخرت بنائے۔ ان کے درجات بلند فرمائے، بشری کوتاہیوں سے عفوو درگزر کرے۔ نیز ان کی اولاد کو نیک و صالح بنائے، جو ان کے لئے صدقۂ جاریہ بنیں اور مولانا نے تعلیم و تربیت کے میدان میں جو کاوشیں کی ہیں، ان کے تسلسل کو قائم رکھنے کی ان کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

Marfat.com

ایک متحرک دینی شخصیت

پروفیسر خالد شبیر احمد ☆

مولانا عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایک ایسی شخصیت ہے جس کے لئے ہم دین دار لوگوں کے دل دھڑکتے ہیں۔ جن کے لئے ہمارے منہ سے بے اختیار تحسین وآفرین کے جملے نکلتے ہیں۔ یہ سب اس لئے کہ ان کی شخصیت دینی اقدار سے مزیّن اور دینی خدمات سے لبریز ہے۔ ان کی زندگی کا مرکز ومحور ''دینی غیرت'' ہے کہ جس کے بغیر دین کا تصور ہی ممکن نہیں۔ میرے پیرومرشد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''دین تو نام ہی غیرت کا ہے۔'' مولانا عبدالرحیم اشرفؒ اسی دینی غیرت کا حسین وجمیل مرقع تھے۔ ایک متحرک، فعال اور محنتی شخصیت کہ جسے ملت کی زبوں حالی نے بے کل و بے قرار کر رکھا تھا، جس کی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جو دینی خدمت سے غافل گزرا ہو۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ دین کا ترجمان اور دینی اقدار کے تحفظ کا ضامن ہے۔ ایسی شخصیت بھلا میرے مضمون کے چند جملوں میں کیسے بیان ہوسکتی ہے۔ جس شخص نے طویل جدوجہد کے ساتھ عمر گزاردی ہو، جس کے علم وفضل، جس کی قوتِ کار، جس کی جہدِ مسلسل کے اپنے چھوڑ، بیگانے بھی معتقد ومعترف ہوں، اس کے دینی، علمی، ادبی، سیاسی کارناموں کا ایک مضمون میں بیان مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ جنابِ زاہد اشرف کے حکم کی تعمیل میں چند سطور لکھ دی ہیں، ورنہ مَیں کہاں اور مولانا کہاں؟ ''چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔''

مَیں مولانا کو 49-1948ء کے سن سے جانتا ہوں۔ وہ ہجرت کے بعد میرے

☆ سابق صدر شعبہ سیاسیات، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد۔ قادیانیت کے بارے میں وقیع کتب کے مصنف۔ ممتاز نعت گو شاعر۔

Marfat.com

آبائی شہر چنیوٹ میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ میں ''دلی والی مسجد'' محلہ گڑھا میں حافظ مشتاق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قرآنِ کریم پڑھتا تھا، جو مسجد کے امام تھے اور بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ رات مسجد میں ہی ہمارا قیام ہوتا تھا۔ مولانا نمازِ فجر کے لئے ہاتھ میں لالٹین لئے روزانہ مسجد تشریف لاتے، نماز ادا کرنے کے بعد نمازیوں کو درسِ قرآن دیتے۔ مجھے بھی اس درس میں شرکت کا اعزاز حاصل ہے۔ انتہائی شوق سے درس سنتا۔ غور سے ان کے دل سے نکلتی باتوں کو سن کر ایک عجیب وغریب کیفیت محسوس کرتا۔ درسِ قرآن کا ایک دل نشین انداز جو انہی کے ساتھ منسوب ہو کر رہ گیا ہے، اس کا ہر جملہ ان کے منہ سے نکلتے ہی دل و دماغ کی گہرائیوں میں پیوست ہو جاتا۔ اس وقت کے حالات، مہاجرین کی آمد، وسائل کی کمی، صدمات کی بھرمار، بے سروسامانی کا عالم، بے نظمی، لیکن مسلمانوں میں ایک جذبۂ ایثار و قربانی، اُمید و یاس کی کشمکش میں ان کا درس سننے والوں کی ڈھارس بندھاتا، امید کے چراغ روشن کرتا اور کچھ کر گزرنے کا ولولہ اور حوصلہ پیدا ہوتا۔ درسِ قرآن میں مہاجرین کی آمد، انصار کے فرائض، عبادت اور عبادت کے فرائض، دینی اقدار اور دین کی عظمت، حضورؐ کی سیرت، صحابہؓ کے واقعات، سب باتیں ایسے مؤثر اور منفرد انداز میں بیان کرتے کہ بعض اوقات سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو ڈھلک جاتے تھے، کیونکہ ہر انسان ان دنوں کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا اور کسی نہ کسی صدمے سے دوچار تھا۔ درسِ قرآن پاک سے جہاں وہ دینی اقدار، دینی عقائد، دینی تعلیمات کا پرچار کرتے وہاں وہ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی بھی کرتے اور انہیں دعوتِ فکر بھی دیتے۔ شہر میں ان کی علمی وجاہت کا شہرہ ہو گیا اور چند ہی دنوں میں شہر چنیوٹ کا ہر صاحبِ علم و فکر فرد، انہیں جانتا ہی نہیں تھا بلکہ ان کا احترام بھی کرتا تھا۔

چنیوٹ میں ان کا قیام مختصر ہی رہا۔ وہ مضطرب و بے چین دل و دماغ لے کر دنیا میں آئے تھے۔ کچھ وسیع پیمانے پر کام کرنا چاہتے تھے اور چنیوٹ کا چھوٹا سا شہر ان کی وسعتِ کار کا شاید متحمل بھی نہ تھا۔ اس لئے وہ چنیوٹ کو خیرباد کہہ کر فیصل آباد چلے آئے۔

Marfat.com

فیصل آباد میں انہوں نے جو کچھ کیا، وہ بیان سے باہر ہے۔ طب کی طرف توجہ دی تو اشرف لیبارٹریز کے نام سے ایک عظیم طبی ادارے کی تشکیل و ترتیب کو معراج پر پہنچا دیا۔ آج ملک میں اس ادارے کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس ادارے کو اتنی پختہ و مضبوط بنیادیں فراہم کر گئے کہ ان کے وصال کے بعد بھی پاکستان کا یہ عظیم طبی ادارہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

علمی میدان میں بھی آپ نے نمایاں کارنامے سرانجام دیئے۔ ''جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ'' کی بنیاد رکھی جو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیوی علوم کا بھی ایک عظیم گہوارہ ہے، جسے نہ صرف فیصل آباد جیسے بڑے شہر میں نمایاں مقام حاصل ہے بلکہ پورے ملک کے اندر اس ادارے کی ایک اپنی پہچان اور اپنی شان ہے۔

سیاسی میدان میں بھی آپ کی تمام خدمات کا مرکز و محور دین ہی رہا۔ وہ بڑی شدت سے اس بات کے قائل تھے کہ ہماری سیاست صرف وہی سیاست ہے جو دین کے تابع ہو۔ جس سیاست کا دینی اقدار یا دینی عقائد سے تعلق نہیں وہ مسلمان کی سیاست نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ جمہوریت کے سیاسی نظام کے شدید مخالف تھے اور اس کے برعکس اسلام کے شورائی نظام کے زبردست مبلّغ۔ عمر بھر آپ نے کبھی بھی بے دین سیاست میں حصہ نہیں لیا۔ انتخابی سیاست سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ جماعتِ اسلامی کے ابتدائی اراکین میں سے تھے۔ غالباً جماعت سے بھی اسی بنیاد پر علیحدگی اختیار کر لی کہ جماعت نے انتخابی سیاست میں اپنے آپ کو ملوث کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جب تک جماعت سے اختلاف نہ تھا، ان کے دن رات جماعت کی ترقی کے لئے مخصوص تھے، لیکن جب جماعت سے اختلاف ہوا تو جماعت کو ایسے چھوڑا کہ عمر بھر اس کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھا۔ یہ ان کی مستقل مزاجی کی ایک واضح دلیل ہے۔ انہوں نے اپنے اس رویّے سے ہم پر یہ بات واضح کر دی کہ وہ جو فیصلہ کرتے، سوچ سمجھ کر کرتے، اور سوچ سمجھ کر کئے گئے فیصلے ہی انسان کی زندگی میں ایک نیا ولولہ اور نیا جذبہ پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ وہ جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہو کر گھر نہیں بیٹھ گئے، بلکہ پاکستان

Marfat.com

میں اپنے فعّال کردار اور اَن تھک محنت سے دینِ اسلام کی خدمت کر کے انہوں نے ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمانوں کو متاثر کیا۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ خود جماعت بن گئے۔ ان کی فعّال شخصیت نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ انہوں نے تبلیغ اسلام کے لئے دن رات سفر کیا۔ دور دراز علاقوں میں گئے اور اپنی دل آویز خطابت سے مسلمانوں کے دلوں کو منوّر کر دیا۔ مختلف جگہوں پر دینی ادارے قائم کئے جو آج بھی، جہاں ایک طرف ان کے لئے خیر و برکت کا باعث ہیں، وہیں پر مسلمانوں میں دینی اقدار کے فروغ، دینی سوچ کی آبیاری اور دینی جذبہ کی بیداری کا بھی ذریعہ ہیں۔

ردِقادیانیت کا موضوع ان کی خصوصی توجہ کا مرکز تھا۔ قادیانیوں کے خلاف ان کی کاوش تحریکِ ختمِ نبوتؐ میں ایک نمایاں اور منفرد مقام کی حامل ہے، جسے کوئی شخص نظر انداز کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ آپ نے اس کام میں زبان اور قلم دونوں سے بے پناہ کام لیا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں جس شدت، تن دہی اور انہماک کے ساتھ قادیانی دجل کا پردہ چاک کیا، اس پر انہیں جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے، کم ہے۔ مجلس احرارِ اسلام (جو ردِ قادیانیت کے میدان میں ایک ممتاز اور مرکزی حیثیت اختیار کر چکی ہے) کے ساتھ آپ نے ہر موقع پر ہر ممکن تعاون کیا۔ وہ جماعتِ احرار کی خدمات کو بنظرِ استحسان دیکھتے تھے اور جماعت کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ مجلس احرارِ اسلام نے مولانا کو جب بھی دعوت دی، آپ نے اپنے سارے پروگراموں کو مؤخر کر کے احرار کی دعوت پر لبیک کہی اور قادیانیت کے محاسبے میں جماعتِ احرار کا پورا پورا ساتھ دیا۔ میں نے ان کی قادیانیوں کے خلاف بیسیوں تقریریں مجلس احرارِ اسلام کے پلیٹ فارم سے ہی سنی ہیں۔ قادیانیت کا موضوع ان کا خاص موضوع ہوا کرتا تھا۔ ان کی تقریریں جہاں عالمانہ اوصاف کی حامل تھیں وہاں وہ مسلمانوں کے اندر ایک خاص جذبہ و ولولہ پیدا کرنے کا ذریعہ بھی بنتی تھیں۔ وہ مقرر نہیں، بلکہ خطیب تھے اور خطابت کا نقطۂ کمال یہی ہوتا ہے کہ سامعین کے سوچنے سمجھنے کی تمام قوتوں پر حاوی ہو کر انہیں کسی کام کرنے کی ترغیب دلائے۔ ان کے دل و دماغ میں انقلاب پیدا کر

Marfat.com

دے۔ وہ اپنے دل میں کسی کام کے لئے خاص لگن محسوس کرنے لگیں۔ وہ اپنی تقریر کے دوران مجمع میں چھا جاتے تھے اور ان کی سوچ کے دھارے کو جدھر چاہتے موڑ دیتے تھے۔ انہیں الفاظ کے درو بست پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ لہجہ میں ایک خاص چمک اور گرج تھی کہ سننے والے کے دل و دماغ مسحور ہو کر رہ جاتے۔ انہیں سن کر کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا۔ آپ نے قادیانیوں کے خلاف ملک کے اندر چلائی گئی تحریکوں میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ اپنے رسالے "المنبر" میں اتنا کچھ لکھا کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو قادیانیت کے خلاف کئی کتابیں بنتی ہیں۔ اپنی زندگی کے آخری حصے میں وہ جنرل ضیاء الحقؒ کے بہت قریب ہو گئے تھے۔ میرے پاس اس بات کے شواہد تو نہیں لیکن میرا وجدان کہتا ہے کہ جنرل ضیاء الحقؒ نے 1984ء میں جو امتناعِ قادیانیت آرڈی نینس ملک میں نافذ کیا اس میں مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کا بنیادی کردار ہے۔ جنرل ضیاء الحقؒ کو آپ کی علمی وجاہت پر پورا پورا اعتماد تھا اور ہر دینی کام سے پہلے وہ مولانا کی مشاورت ضروری سمجھتے تھے۔ ان دونوں کے درمیان یکجہتی اور اعتماد کی فضا قائم تھی، شاید اس لئے کہ دونوں کے دل صرف اور صرف اسلام کے لئے دھڑکتے تھے۔ جمہوریت کے دونوں خلاف تھے اور دونوں ہی یہ چاہتے تھے کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے پاکستانی معاشرہ ایک اسلامی معاشرے میں تبدیل ہو کر بنی نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کا باعث بنے۔

مولانا کا اگرچہ مسلکِ اہلِ حدیث سے تعلق تھا لیکن مجال ہے ان کے کسی بھی عمل سے تعصب کی بُو آتی ہو۔ وہ مسلمانوں کے ہر مدرسۂ فکر میں یکساں طور پر مقبول تھے۔ ان میں فرقہ وارانہ تعصب ہرگز نہیں تھا۔ وہ دینی اقدار کے خود مبلّغ تھے اور ان کی پوری زندگی دینی تعلیمات کا بہترین نمونہ ہے۔ ایسا شخص متعصب ہونا تو کجا، تعصب کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تعصب سے تو انسان مُرجھا جاتا ہے، اس کی سوچ مقید ہو کر رہ جاتی ہے، اس میں سچی بات کرنے کا حوصلہ باقی نہیں رہتا، وہ محدود ہو کر رہ جاتا ہے، اس کی فکر و دانش کجلا جاتی ہے۔ وہ اگر متعصب ہوتے تو مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نہ ہوتے کہ جن کے سینے پر خدمتِ

Marfat.com

اسلام کا ایسا تمغہ سجا ہے کہ جس کی چمک دمک آنے والی نسلوں کو یہ پیغام دیتی رہے گی۔ ؎

منزلِ عشق نہ ہو آنکھ سے اوجھل ورنہ
رائیگاں زیست کا سارا ہی سفر جائے گا

ایسے لوگوں کا یوں دنیا سے اٹھ جانا انفرادی نہیں، اجتماعی نقصان ہوتا ہے، لیکن ایسے لوگوں کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا صرف اور صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اسی منزل کی طرف رواں دواں رہا جائے جو منزل انسان کی بقا اور انسان کی نجات کی منزل ہے۔ ''خدا کی دھرتی پر خدا کا قانون'' ان کی زندگی کی تمام کاوشوں کا محور و مرکز تھا، جو ہمارا بھی ہونا چاہیے۔ ورنہ وہ ہماری ان تحریروں کے محتاج نہیں ہیں۔ ان کا مقام و مرتبہ ہمارے تصور سے بھی ماوراء ہے۔ مولاناؒ یقیناً ان لوگوں میں شامل ہیں جو مرتے ہرگز نہیں بلکہ مر کر بھی زندہ رہتے ہیں اور آنے والی نسلوں کے لئے منزل کی نشان دہی کرتے رہتے ہیں۔ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

Marfat.com

بلا کے متحرک

پروفیسر عارف رضا ☆

میں جنوری 1964ء میں مری سے یہاں گورنمنٹ کالج دھوبی گھاٹ، فیصل آباد میں بطور لیکچرار تبدیل ہو کر آیا۔ پھر یہاں کی مٹی نے ایسے پاؤں پکڑے کہ یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ 1964ء کا فیصل آباد ایک کُھلا اور صاف ستھرا شہر تھا۔ جناح کالونی کے اردگرد گلبرگ کالونی تعمیر و آبادی کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ پیپلز کالونی کے اے اور ڈی بلاک بھی آباد ہو چکے تھے۔ لوگوں میں مہر و محبت اور باہمی یگانگت زیادہ تھی۔ مجلسِ اقبالؒ اس زمانے میں یہاں کی ایک فعّال علمی و ادبی تنظیم تھی، جس کے صدر، معروف ماہرِ تعلیم اور نام وَر دانش وَر پروفیسر کرامت حسین جعفری مرحوم، نائب صدر، روزنامہ عوام کے مالک و مدیر جناب خلیق قریشی مرحوم اور سیکرٹری، افتخار احمد چشتی مرحوم تھے۔ مجلسِ اقبالؒ کے ماہانہ اجلاس میونسپل لائبریری دھوبی گھاٹ، کبھی کبھار کمپنی باغ اور دفتر ''عوام'' میں منعقد ہوتے تھے۔ سالانہ یومِ اقبالؒ کا اہتمام قبلہ چشتی صاحب کی مساعی اور جنابِ خلیق قریشی کے ذاتی اثر و رسوخ کی وجہ سے بالعموم ڈسٹرکٹ کونسل ہال میں کیا جاتا، جہاں ملک کی نام وَر شخصیات کو مدعو کیا جاتا تھا۔ ان مجالس کے انعقاد میں قبلہ حکیم عبدالرحیم اشرفؒ بھی دامے درمے سخنے حصہ لیتے تھے۔ میں بھی قبلہ چشتی صاحب کی نگاہِ التفات سے اس کا ایک سرگرم کارکن بن گیا۔ پروفیسر مرزا محمد منوّر مرحوم، لاہور سے لازماً تشریف لاتے۔ مرزا صاحب سے اپنے دیرینہ رفیق پروفیسر غلام حیدر چشتی کی وجہ سے میرا بھی نیاز مندانہ تعلق تھا۔ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ، پروفیسر مرزا محمد منوّرؒ سے ذاتی

☆ ممتاز ماہرِ تعلیم اور شاعر۔ سابق صدر شعبہ نفسیات گورنمنٹ کالج، فیصل آباد۔

Marfat.com

تعلقِ خاطر کی بنا پر ان کی دعوت ضرور کرتے۔ ان کے ساتھ ہم جیسے نیاز مند بھی شریکِ دعوت ہوتے۔ یوں مجھے مولانا کی روایتی وضع داری، دینی علمیت، سیاسی بصیرت، طبّی قابلیت، انتظامی صلاحیت، صحافیانہ اہلیت اور خطیبانہ جوہر کا اندازہ ہوا۔ پیشتر ازیں ایک دفعہ پروفیسر کرامت حسین جعفریؒ نے انہیں کالج کے طلبہ کو خطاب کرنے کی دعوت دی۔ مولانا نے طلبہ سے پورے خطیبانہ جوش سے بھرپور علمی اور تدریسی انداز میں خطاب کیا۔ یہ مولانا مرحوم سے پہلا عمومی تعارف تھا۔ 1972ء میں، مَیں گلبرگ کالونی ڈوگر چوک میں آن بسا، مولانا کی رہائش گاہ جناح کالونی کی آخری گلی میں تھی۔ اب تو گاہے بگاہے مولانا سے ملاقات رہنے لگی۔ مجھے مولانا کو مزید قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ بھٹو کا سول مارشل لائی دور تھا۔ مولانا ملکی حالات کے بارے میں بہت فکرمند تھے۔ سقوطِ ڈھاکہ نے ان کے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو کی شخصیت کے پرائیویٹ گوشوں تک بھی مولانا کی رسائی تھی۔ ایک دفعہ مجھے فرمانے لگے: ''بھٹو نے اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لئے فول پروف انتظامات کر لئے ہیں، اپنے گرد ایک پختہ حصار تعمیر کر لیا ہے، بظاہر اس حصار کو توڑنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ البتہ اوپر آسمان خالی ہے۔ اب اوپر سے اللہ تعالیٰ ہی اس کا محاسبہ کر سکتے ہیں۔ غالباً ایک آیت یا حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ''خدا متکبّر کی فوراً گردن توڑ دیتے ہیں''...... بظاہر بھٹو کی کرسی کی مضبوطی کے باوصف، انہیں یقین تھا کہ بھٹو متکبّر ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی گردن ضرور توڑیں گے۔

مولانا دھان پان جسم کے آدمی تھے لیکن بلا کے متحرک اور نکتہ سنج و نکتہ رس تھے۔ قادیانیوں نے جب سانحۂ ربوہ سے اپنی سازش کا آغاز کیا تو مولانا نے بے حد فعال کردار ادا کیا۔ وہ جانتے تھے کہ بھٹو کو ووٹ دینے والے قادیانی اس کے یمین و یسار بنے ہوئے تھے۔ بری فوج میں جنرل عبدالعلی اور ہوائی فوج میں ایئر مارشل ظفر چوہدری، ایئر چیف تھے۔ اسی زمانے میں ظفر چوہدری نے ربوہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر امیر جماعتِ احمدیہ، مرزا بشیر الدین محمود کو خصوصی سلامی دی تھی۔ مولانا مرحوم اپنے رسالہ المنبر کے ذریعے قادیانیوں کی سازشوں اور فتنہ سامانیوں کو بے نقاب کرتے رہتے تھے۔ سٹیج سے بھی واشگاف

Marfat.com

الفاظ میں عوام کو فتنۂ قادیانیت سے آگاہ کرتے۔ مجالس میں اہلِ نظر کے لئے قادیانی سازش کے پرت در پرت پہلوؤں کی نشاندہی کرتے...... چنانچہ بدرجہ آخر جب بھٹو کو اپنے اقتدار کے خلاف خطرے کا یقین ہو گیا تو اس نے قادیانیوں کے عزائم کے خلاف، زبردست عوامی ردِعمل کے تحت، قادیانیوں کو اقلیت قرار دے دیا۔ اس تحریک میں مولانا بنفسِ نفیس علماء کے ساتھ ایجی ٹیشن میں شریک ہوئے۔ انہوں نے 1977ء کی تحریک نظامِ مصطفیٰؐ میں بھی بھرپور شرکت کی۔ اسی تحریک کے دوران پولیس کی لاٹھیوں سے شدید زخمی بھی ہوئے۔ ہم جب ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹرز ہسپتال (اب ڈویژنل ہیڈ کوارٹرز ہسپتال) میں مولانا کی مزاج پُرسی کرنے گئے تو حکیم صاحب شدید زخمی ہونے کے باوجود پُرجوش اور مطمئن تھے۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ ڈاکٹروں نے بتایا، جن میں ڈاکٹر سعادت علی زیدی بھی شامل ہیں، کہ شدید زخموں کے باوجود بغیر (انستھیزیا) بے ہوشی کے، مرہم پٹی کرتے وقت کسی بھی عالم نے اُف تک نہیں کی...... مجھے مولانا کے بارے میں خصوصی تعجب ہوا، کیونکہ مولانا ادھیڑ عمر ہونے کے علاوہ بہت دُبلے پتلے جسم کے مالک تھے لیکن اپنی مزاج پُرسی کے لئے آنے والوں کے ساتھ اسی عزم اور حوصلے سے گفتگو کر رہے تھے جو ان کا عمومی انداز تھا۔ میں مولانا کی قوتِ برداشت، حوصلہ مندی، ایمانی صلابت اور دینی حمیّت سے بہت متاثر ہوا۔

مولانا مرحوم مسلک کے اعتبار سے اہلِ حدیث، لیکن طبعاً حد درجہ لبرل اور وسیع المشرب تھے، ہر مسلک کے علماء و صلحاء سے ان کا قلبی تعلق تھا۔ اختلافِ رائے کو ذاتی اختلاف میں کبھی بھی تبدیل نہ ہونے دیتے۔ پروفیسر کرامت حسین جعفریؒ، پروفیسر مرزا محمد منورؒ اور پروفیسر افتخار احمد چشتیؒ سے ان کے گہرے قلبی مراسم تھے، حالانکہ یہ حضرات جدیدیت کے حامل مذہبی نظریات رکھتے تھے۔ پروفیسر افتخار احمدؒ تو مسلکاً اہلِ سنت اور خواجگانِ چشتؒ سے روحانی اعتبار سے وابستہ تھے لیکن مولانا مرحوم، ان کی والدہ مرحومہ کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے جامعہ چشتیہ میں تشریف لائے، جنازے، دعا اور تعزیت میں شرکت کی۔ وہ اقبالؒ کے اتحاد بین المسلمین کے نظریے پر کاربند تھے۔ قولاً اور فعلاً بغیر کسی ہچکچاہٹ کے انہوں نے

Marfat.com

مسلمانوں کی اجتماعی، دینی، سیاسی تحاریک میں حصہ لیا اور اپنے قلم اور زبان سے جہاد کیا۔ جنرل ضیاء الحق شہید سے بھی مرحوم کی کافی یاد اللہ تھی۔ قادیانیوں کے اقلیت قرار دیئے جانے کے فیصلے پر عمل درآمد اور جنرل ضیاء الحق شہید سے امتناعِ قادیانیت آرڈی ننس جاری کروانے کے لئے، مولانا نے دن رات کام کیا۔ انہوں نے قادیانیت کے بارے میں قرآن وسنت کے علاوہ بے شمار تحقیقی حوالوں سے بھٹو دور میں ایک یادداشت مرتب کی۔ اس کی خوبصورت فائلیں بنا کر بنفسِ نفیس ہر رکن قومی اسمبلی کو پیش کیں۔ جنرل ضیاء الحق شہید کو بھی ہر اعتبار سے بریف کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ قادیانیوں کی سرگرمیوں کو سرکاری سطح پر کنٹرول کرنے میں مولانا مرحوم کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

مولانا مرحوم اعلیٰ پیشہ ورانہ اور انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ انہوں نے جامعہ طبیہ، جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ (جس کا الحاق مدینہ یونیورسٹی کے ساتھ ہے) جہاں دینی تعلیم کے ساتھ بی اے، ایم اے تک جدید تعلیم کی سہولت موجود ہے، قائم کرنے کے علاوہ علماء اور وکلاء کے لئے قاضی انسٹیٹیوٹ قائم کیا۔ اشرف لیبارٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، ایک بین الاقوامی شہرت کا حامل طبّی دوا سازی کا ادارہ ہے، ان کے قابل فرزندان نے اس میں سیرت پبلک سکول کا اضافہ کیا ہے۔ اعلیٰ پایہ کا مجلّہ ''المنبر'' بھی مولانا کی یادگار ہے۔ مولانا کی خواہش تھی کہ مدارس میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ سوشل سائنسز بھی شاملِ نصاب کی جائیں۔ اس سلسلے میں نفسیات، سیاسیات وغیرہ کی تدریس کا سلسلہ بھی کچھ عرصے کے لئے جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ میں شروع کیا گیا۔ نفسیات راقم الحروف پڑھاتا رہا، جبکہ سیاسیات پروفیسر خالد شبیر صاحب پڑھاتے رہے، لیکن بوجوہ یہ سلسلہ زیادہ دیر نہ چل سکا۔ بہرحال مولانا کی دینی، علمی، پیشہ وارانہ اور تدریسی خدمات بے مثل ہیں۔ انہوں نے پورے خلوص سے مشنری سپرٹ کے ساتھ یہ کارنامے سرانجام دیئے، یوں وہ ایک ہمہ جہتی شخصیت تھے۔

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

Marfat.com

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ، ایک بہت پرانی یاد

حافظ محمد سلیمان مرحوم (ایم ایڈ) ☆

عنوان بالا کے حوالے سے جس یاد کا میں ذکر کرنے والا ہوں، وہ تقریباً 1945-1946 کی ہے۔ زمانی حوالہ مجھے اس لئے یاد رہا کہ میں اس وقت آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا اور میری عمر بارہ تیرہ سال تھی۔

منظر مشرقی پنجاب کے ایک گاؤں بھینی سدھواں (تحصیل ترنتارن، ضلع امرتسر) کی مسجد کے صحن کا ہے۔ اس صحن میں داخل ہوتے ہی توت کا ایک درخت تھا۔ اس درخت سے ٹیک لگا کر میرے محترم والد مولانا عطاء اللہ شہید (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) سالہا سال تک اپنی مبارک زندگی کے آخر تک حدیث پڑھاتے رہے۔ (سبحان اللہ! کیا شغلِ سعید تھا اور کیا خوش انجامی تھی! رحمہ اللہ تعالیٰ)

جس دن کی یہ بات ہے اس دن، پتا نہیں کیوں، مسجد کے صحن میں کچھ غیر معمولی رونق تھی۔ لوگ اِدھر اُدھر آ جا رہے تھے، جو ایک غیر معمولی بات تھی۔ ایک عجیب بات جو میں نے دیکھی، وہ یہ تھی کہ ایک صاحب (ذکر ہمارے ممدوح کا ہے جن کا بدن سبک، چست اور چھریرا تھا اور قد مناسب۔ جوانی کی آمد آمد تھی) صحنِ مسجد میں آئے اور بالآخر توت کے درخت کے قریب آ کر ٹھہر گئے۔ اس دوران میں نے دیکھا کہ جدھر بھی وہ صاحب جاتے، لوگ ان کے ساتھ ساتھ ہو لیتے۔ عجیب مقناطیسیت تھی کہ یہ غیر معمولی طور پر متحرک اور پرکشش صاحب جہاں بھی ٹھہرتے، لوگ وہیں ٹھہر جاتے، کچھ اور لوگ بھی

☆ آپ فیصل آباد کے علمی و ادبی حلقوں کی معروف شخصیت تھے۔ 29 اگست 2008ء کو آپ دارِ فانی سے دار البقاء کی طرف لوٹ گئے۔

Marfat.com

شامل ہو جاتے۔ بہر حال بھیڑ بڑھتی گئی اور جن لمحات کا میں ذکر کر رہا ہوں، توت کے اس درخت کے گرد اچھا خاصا مجمع ہو گیا اور مجمع کا مرکزِ نگاہ وہی صاحب تھے، جن کا ذکر اوپر عنوان میں کیا گیا ہے۔

پتا نہیں موصوف کیا باتیں کر رہے تھے۔ ان باتوں میں کوئی خاص کشش تھی۔ لگتا تھا جیسے پورا مجمع ہمہ تن گوش ہو۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ کچھ اوپری سی، اجنبی سی باتیں کر رہے تھے، ایسی باتیں جو ایک گرما گرم بحث کا باعث بن جاتیں۔ اس زمانہ میں جماعت اسلامی نئی نئی بنی تھی اور ہمارے ممدوح اس جماعت کے السابقون الاوّلون میں سے تھے۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ اہل حدیثوں کی اس مسجد میں مسلکِ اہلِ حدیث کے ایک خاندان کے چشم و چراغ جو ایک سیّد زادے (رحمتہ اللہ علیہ) کی دعوتِ اقامتِ دین پر لبیک کہہ چکے تھے، اس حوالے سے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ (ویسے اقامتِ دین، مسلک اہلِ حدیث سے وابستہ لوگوں کے لئے ایک جانا پہچانا نعرہ تھا۔ آخر 1831ء میں بالاکوٹ کی پہاڑیوں کو جن شہیدوں کے خون نے رنگین کیا تھا، ان کے قائدین میں سید اسماعیل شہید .... جو تقویۃ الایمان کے مصنف تھے .... بھی شامل تھے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب ''ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک'')

مذکورہ مجمع کی رونق کچھ اور بڑھتی گئی تھی۔ ایک نیا جوش و خروش پیدا ہوتا نظر آ رہا تھا۔ مجھے بھی تجسس ہوا اور گھس گھسا کر موصوف کے قریب جا پہنچا۔ اپنی بساط کے مطابق باتوں کو سننے اور سمجھنے کی کوشش کرتا رہا اور اپنی نادانی کے باوجود اس بحث میں کچھ دخل دے دیا۔ مجھے یقینی طور پر کچھ یاد نہیں کہ وہ کیا موضوع تھا، جو زیر بحث تھا اور جو دخل اندازی (ظاہر ہے نامعقول ہی ہوگی) میں نے کی تھی، وہ کیا تھی۔ مجھے خدشہ تھا کہ اب شاید مجھے جھڑک دیا جائے گا، لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ مجھے یوں لگا جیسے موصوف نے میری بات دلچسپی، غور اور توجہ سے سنی ہو۔ بہر حال انہوں نے جھڑکنے سے اجتناب فرمایا اور یہ بھی فرمایا (جیسا کہ عام طور پر ایسی صورت حال میں ہوتا ہے) کہ ''ایاز قدر خود بشناس'' بلکہ میری کچھ

Marfat.com

حوصلہ افزائی فرمائی اور میری ایک خاص خداداد صلاحیت کا ذکر فرما کر مجھے شاباش دی۔(تفصیل بیان کرنا اس لئے نامناسب ہوگا کہ یہاں پر میرا مقصود اپنی کہانی بیان کرنا نہیں)

بہر حال یہ بات یہاں ختم ہوئی لیکن اس دن کا تاثراب تک باقی ہے۔اس کے حوالے سے جب بھی یاد آتی ہے تو حسب ذیل اشعار خواہ مخواہ لب پر آ جاتے ہیں۔ پہلا شعر یوں ہے ؎

آج اس بزم میں وہ جلوہ نما ہوتا ہے
دیکھیے ، دیکھیے اک آن میں کیا ہوتا ہے

جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا، اس دن ایسا ہی ہوا۔موصوف کی جلوہ نمائی، صحنِ مسجد میں اِدھر سے اُدھر گھومتے پھرتے لوگوں کی کیفیت کچھ اور ہی ہوگئی اور سب لوگوں کی توجہ کا مرکز موصوف کی ذات والا صفات بن گئی۔

اس سے قبل موصوف کی مقناطیسیت کا ذکر کیا گیا۔اس منظر کے حوالے سے جو شعر مجھے بار بار یاد آ رہا ہے، وہ بھی پیش خدمت ہے ؎

رہرو ہر ایک بہرِ تماشا ٹھہر گیا
ٹھہرے وہ جس جگہ وہیں میلہ ٹھہر گیا

یہ سارا قصہ موصوف کی بالکل ابتدائی عمرِ شباب کا ہے۔چشمِ بینا کو اس وقت بھی اندازہ ہوسکتا تھا کہ آگے جا کے ایک پسماندہ علاقے کا یہ دیہاتی لڑکا نام وَری کی انتہائی رفعتوں کو چھوئے گا، جیسا کہ فی الواقع ہوا۔

ذَ لِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡ تِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ.

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم پر اپنی خاص نوازشات فرمائے۔ان کے درجات بلند کرے اور ان کے اخلاف کو توفیق دے کہ ممدوح کے نامِ نیک کو مزید روشن کرنے کی سعادت حاصل کریں۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

Marfat.com

اپنی ذات میں انجمن

پروفیسر خلیل احمد علیم ☆

ساغر کہوں، مینا کہوں، صہبا کہوں
اے سراپا رنگ و بُو آخر میں تجھ کو کیا کہوں؟

مندرجہ بالا شعر کا قائل جس طرح اپنے جذبات و احساسات، نیز اپنی قلبی واردات کو الفاظ کا جامہ پہنانے میں پریشان و بے بس نظر آتا ہے، بالکل اسی کیفیت اور صورتحال سے راقم الحروف بھی دو چار ہے کہ میں اپنے ممدوح و مخدوم، اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے داعی اور نقیب، اسلامی نظام کے عَلَم بردار، طاغوتی قوتوں اور دشمنانِ اسلام سے تن تنہا چومکھی لڑائی لڑنے والے، دنیائے اسلام کی پیشانی کے جُھومر، حضرت مولانا عبدالرحیم اشرف مرحوم و مغفور کو کس نام اور کس لقب سے یاد کروں؟ ان کا تذکرہ، ان کی قابلِ رشک زندگی کے کس پہلو کے حوالہ سے کروں، کیونکہ وہ بیک وقت تاج العلماء بھی تھے اور اشرف الاطباء بھی، مناظرِ اسلام بھی تھے اور اسلامی صحافت کے عَلَم بردار بھی، طب و حکمت کے شناور بھی تھے اور طاغوتی قوتوں کے لئے سدِ سکندری اور شمشیرِ براں بھی، ملتِ اسلامیہ کا درد اور عالمِ اسلام کی زبوں حالی کی کسک محسوس کرنے والے اور اس کے ازالہ کے لئے ہمیشہ بے تاب و بے قرار بھی اور ہمہ وقت پا بہ رکاب بھی...... الغرض مولانا مرحوم اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، ایک ادارہ تھے اور ایک عہد تھے، جس کی یاد مدتوں تاریخ کے ایوانوں میں اپنے وجود کا احساس دلاتی رہے گی۔ نیز اس عہدِ زریں کی یاد اربابِ علم و دانش کی مشامِ جاں کو عطر بیز

☆ پروفیسر (ر) شعبہ علوم اسلامیہ، زرعی یونیورسٹی۔ فیصل آباد

Marfat.com

کرتی رہے گی، بالخصوص جب اہلِ دل اور اربابِ علم و فن، ان کے قائم کردہ اداروں کو ثمر بار اور ضیاء بار ہوتے دیکھیں گے۔

جی ہاں یہ جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ ہے جہاں صبح نور کے تڑکے سے لے کر لیلائے شب کی دراز ہوتی زلفوں میں لپٹی ہوئی تنہائی و گہرائی تک قال اللہ اور قال الرسولؐ کی روح پرور اور کیف آگیں صدائیں بلند ہوتی رہتی ہیں۔ کتاب و سنت کے اس چشمۂ صافی سے ہزاروں تشنگانِ علومِ دینیہ شکم سیر ہو کر نہ صرف اندرون ملک، بلکہ یورپ کی متمدن دنیا ہو یا افریقہ کے تپتے ہوئے صحرا اور ریگزار، ہر جگہ قرآن و حدیث کی روشنی سے لوگوں کے دلوں کو منور کر رہے ہیں۔

اور ہاں اس کے زیرِ سایہ جامعہ طبیہ اسلامیہ بھی ہے جو جاں بلب انسانیت کے لئے ایک پیغامِ شفاء ہے۔ یہیں سے آسمانِ طب کے اُفق پر، وہ صبحِ نَو اور گل رنگ سویرا پھوٹا، جس کی ضیاء پاشیوں نے عطائیت کا بڑی حد تک خاتمہ کر کے رکھ دیا۔ دیگر اطبائے کرام کے ساتھ یہ مولانا مرحوم کا ہی اعجاز ہے کہ ان کی ہر جد و جہد سے ملک کے طول و عرض اور اس کے کونے کھدروں میں بیٹھ کر مسیحائی کرنے والے ہزاروں اطباء کو رجسٹریشن کی لڑی میں پرو دیا گیا اور ان سب کو دائرۂ تنظیم میں لا کر قانونی طور پر باقاعدہ تحفظ فراہم کیا گیا۔ جامعہ طبیہ اسلامیہ، ملک کا واحد طبیہ کالج ہے جہاں داخل ہونے والے طلبہ کو نہ صرف جدید و قدیم طب سے روشناس کرایا جاتا ہے بلکہ مستقبل کے ان اطباء کی سیرت و کردار کی تعمیر و تشکیل اور ان کی روحانی بالیدگی کے لئے ابتداءً شام کے وقت باقاعدہ قرآن و حدیث کی تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا اور بعد ازاں اسے تدریسی نصاب کا حصہ بنا دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے فارغ التحصیل اطباء کو پورے ملک میں بنظرِ استحسان دیکھا جاتا ہے۔

مولانا مرحوم کی ان طبّی اکاوشوں کا دائرہ کار صرف اور صرف طبیہ کالج کی درسی و تدریسی سرگرمیوں اور طلبہ کی عملی تربیت تک ہی محدود نہیں تھا، بلکہ اس کے شانہ بشانہ آپ

Marfat.com

نے جدید و قدیم نسخہ جات اور نباتات کے حوالہ سے جدید اور سائنٹیفک ریسرچ کی طرح نَو ڈالی جس کا واضح ثبوت اشرف لیبارٹریز جیسے عظیم ادارے کا قیام ہے، جس کی تحقیق اور معیار کو دنیائے طب میں اعتماد کی سند حاصل ہے، جس کی تیار کردہ ادویات پر نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرونِ ملک بھی ماہرینِ طب نے اپنے غیر متزلزل اعتماد کا اظہار کیا اور مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ مزید برآں اشرف لیبارٹریز کی ریسرچ اور طبیہ کالج کی نصابی و غیر نصابی سرگرمیوں سے ہر کسی کو مطلع کرنے کے لئے ''راہنمائے صحت'' کے نام سے ایک ماہنامے کا اہتمام بھی کیا، جو کہ طبّی صحافت اور رہ نوردانِ شوق کے لئے ایک سنگِ میل کا کام دے رہا ہے۔

صحافت کی بات چل نکلی ہے تو کیوں نہ اسلامی صحافت کے حوالہ سے آپ کی ملکی، ملّی اور دینی خدمات کا جائزہ لیا جائے۔ اس پہلو سے اگر آپ کی بھاری بھرکم شخصیت کا مطالعہ کیا جائے تو ہفت روزہ اور پھر پندرہ روزہ اور اب ماہنامہ المنبر کے صفحات اس بات کی گواہی دیں گے کہ وطنِ عزیز یا بیرونی دنیا، جہاں بھی کہیں کسی فتنے نے سر اُٹھایا تو مولانا مرحوم کی ذاتِ گرامی ہی تھی جنہوں نے المنبر کے صفحات کی وساطت سے قلمی جہاد کے ذریعے اس فتنے کا بروقت تعاقب کر کے اس کی سرکوبی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، بالخصوص ردِ قادیانیت کے سلسلہ میں، آنے والا مؤرخ آپ کو خراجِ تحسین پیش کئے بغیر نہ رہے گا۔ قادیانیت کے قلع قمع کے لئے آپ کے قلم سے نکلنے والے علمی مقالات و نگارشات آج تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں، بقول شورش مرحوم ؎

میں اُبھروں گا سرِ پردۂ آفاق سے بے روک
میں خورشیدِ جہاں تاب ہوں رخشندہ رہوں گا
تاریخ میرے نام کی تعظیم کرے گی
میں تاریخ کے اوراق میں پائندہ رہوں گا

ناموسِ ختم نبوتؐ کے تحفظ کے لئے آپ نے شبانہ روز محنت کی۔ یہ علماءِ اُمت کی

Marfat.com

بے مثال قربانیوں اور آپ کی دلائل سے مزیّن تحریروں کا اثر ہی تھا کہ وقت کے حکمرانوں نے آخر کار چاروناچار قادیانیوں اور مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر اُمتِ مسلمہ کا ایک دیرینہ مطالبہ پورا کر دیا۔ یہ اس لئے ممکن ہوا کہ آپ کے پیش کردہ بھاری بھرکم اور وزنی دلائل کا توڑ دشمنانِ اسلام اور ختمِ نبوتؐ پر شبخون مارنے والے قادیانیوں کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ ''المنبر'' میں شائع ہونے والے آپ کے مؤقر علمی مقالات ونگارشات میں ایک ادیب کا لہجہ، شاعر کی رنگینی، خطیب کی روانی اور مصور کی چابک دستی کا سماں بھرپور طور پر موجود ہوتا بالخصوص جب آپ منشی محلّہ میں برسرِ ''منبر'' محوِ تکلّم ہوتے تو یوں محسوس ہوتا کہ جیسے شبنم کی بوندیں غنچوں کے جگر میں پیوست ہو کر انہیں پھول بنا رہی ہوں۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب مرحوم ومغفور کا عظیم مقصد جو آپ کی زندگی بھر کا نصب العین رہا اور آپ کی جہدِ مسلسل اور سعیٔ پیہم کا مرکز ومحور، وہ تھا ''نفاذِ اسلام اور وحدتِ اُمت''...... مرحوم صدر جناب ضیاء الحق کے دور میں جب نفاذِ اسلام اور اسلامائزیشن کی صدائے بازگشت ایک بار پھر سنائی دینے لگی تو نوکر شاہی نے روایتی عذرِ لنگ پیش کرتے ہوئے کہا کہ نفاذِ اسلام کے اس مرحلے پر عدالتی نظام کے پورے ڈھانچے کو تبدیل کرنا پڑے گا اور اس کے لئے اسلام کے عدالتی نظام کو چلانے کے ماہرین کہاں سے دستیاب ہوں گے؟ اسلام کے نظامِ عدل اور فقۂ اسلامی کے ماہرین کی کمی کیسے پوری ہوگی؟ تو ایسے نازک موقعہ پر جب کہ روباہی مزاج رکھنے والی قوتیں بہانہ سازی اور حیلہ طرازی کے طوفانِ بلاخیز برپا کر رہی تھیں، مولانا مرحوم ہی ایک ایسی شخصیت تھے جنہوں نے وقت کے اس چیلنج کا منہ توڑ جواب اس طرح دیا کہ صرف ایک دن کے نوٹس پر فقیہانِ اُمت، علماءِ شہر اور وکلاء کرام سے مشاورت کر کے ''معہد القضاء'' کے نام سے فوراً ایک تربیتی ادارہ قائم کر دیا، جہاں اسلام کے عدالتی نظام کے حوالہ سے علماء و وکلاء کی ایک کثیر تعداد کی تعلیم و تربیت کے کام کا آغاز کر دیا گیا۔ یہ کلاس اس دور میں ''قاضی کلاس'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کلاس کی تربیت کے لئے نہ صرف اندرون ملک سے جید علماء کرام اور مشہور وکلاء کرام کی

Marfat.com

خدمات مستعار لی گئیں، بلکہ مملکتِ سعودیہ کے علماء اور ماہرین کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔ بعدازاں یہ کلاس ایک ماہ کی عملی تربیت کے لئے الجامعہ الاسلامیہ مدینہ منورہ بھی گئی۔ سعودیہ قیام کے دوران اس کلاس نے اسلامی نظامِ عدالت کا بھرپور مطالعہ اور مشاہدہ کیا، مگر مولانا مرحوم کی ان سب مساعیٔ جمیلہ کے باوجود، نوکرشاہی کی روایتی تساہل پسندی اور نادیدہ ہاتھوں نے اسلامائزیشن کے عمل کی بساط اُلٹ کر رکھ دی۔ ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مولانا مرحوم کی زندگی کا دوسرا اہم نصب العین وحدتِ اُمت تھا۔ اتحاد بین المسلمین کے لئے آپؒ کی ذات گرامی ایک عظیم نعمت تھی۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے آپ ہمیشہ مضطرب رہے۔ علماءِ شہر کے ساتھ ان کی گفتگو کا اکثر و بیشتر موضوع وحدتِ اُمت ہی ہوتا تھا۔ خود راقم الحروف کے سامنے بارہا اس حوالہ سے اپنے اضطراب کا اظہار کیا۔ فیصل آباد شہر کے تمام علماء کو بلاامتیازِ مسلک و مشرب اکٹھا کر کے اتحاد بین المسلمین اور وحدتِ اُمت کی اہمیت وافادیت واضح کرتے اور بڑے ہی درد بھرے اور سوز و گداز سے بھرپور رقت آمیز لہجہ میں فرمایا کرتے: ''اے وارثانِ انبیاء! اپنی تمام تر صلاحیتوں کو وحدتِ اُمت کے لئے وقف کردو، اور فرقہ واریت کی تنگنائیوں سے نکل کر وحدتِ اُمت اور اتحاد بین المسلمین کے بحرِ بے کنار سے ہمکنار ہوجاؤ۔'' بقول شاعرِ مشرق ؎

اے شرمندہ ساحل اچھل کر بحرِ بیکراں ہو جا

وحدتِ اُمت کے عظیم تر پس منظر میں علمائے شہر کے یہ اجلاس کبھی جامعہ اثریہ منٹگمری بازار کی قدیم عمارت میں منعقد ہوتے، تو کبھی جامع مسجد جناح کالونی کے پُرشکوہ ہال میں۔ جامع مسجد جناح کالونی کے در و دیوار آج بھی اس پر شاہد ہیں۔ بارہا علمائے اُمت کی یہ میٹنگز، اسی عظیم مسجد کے زیرِ سایہ ''بیت الشرف'' میں منعقد ہوتیں۔ وحدتِ ملّت اور ملکی و ملّی اتحاد کے ان اجلاسوں میں اکثر و بیشتر فقیہہِ شہر حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ اور فاتح قادیانیت حضرت مولانا تاج محمود صاحبؒ مدیرِ ''لولاک'' بھی تشریف فرما ہوتے۔

Marfat.com

آج ہنگاموں اور ہڑتالوں کے شہر فیصل آباد میں رواداری اور تحمل و برداشت کی فضا اگر کسی حد تک موجود ہے تو وہ یقیناً حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

مانا کہ اس زمین کو نہ گلزار کر سکے ہم
کچھ خار کم تو کر گئے گزرے جدھر سے ہم

بہرحال نفاذِ اسلام اور وحدتِ اُمت، آپ کی زندگی کا نصب العین اور مقصدِ وحید تھا اور اسی مقصد کے حصول کے لئے تا دمِ واپسی اپنی تمام تر صلاحیتوں اور کاوشوں کو بروئے کار لاتے رہے، کہ ایک دن اچانک داعیٔ اجل کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے ''الرفیق الاعلیٰ'' کی زیارت وملاقات کے لئے خُلدِ بریں کے مکین ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

زمانہ بڑے شوق سے سُن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

آپ کے انتقال پُر ملال سے دنیائے اسلام ایک عظیم مدبّر، ایک عظیم عالمِ دین، اسلامی صحافت کے نقیب اور سسکتی کراہتی بیمار انسانیت کے عظیم مسیحا سے محروم ہوگئی، جن کا مدتوں خلاء پُر ہونا ناممکن ہے۔ آپ کی جدائی سے جہاں مولانا مرحوم کے اہلِ خانہ، عزیز و اقارب اور متعلقین ومتوسلین اس صدمۂ جانکاہ سے دوچار ہوئے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ، جامعہ طبیہ اسلامیہ، اشرف لیبارٹریز اور المنبر بھی، آپ کے سایہ عاطفت سے محروم ہوگئے۔

فَمَا كَانَ قَيْسٌ هُلْكُهُ هُلْكُ وَاحِدٍ
وَلٰكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تَهَدَّمَا

''خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را'' (آمین)

Marfat.com

پیکرِ دعوت و عزیمت

ڈاکٹر سعید احمد چنیوٹی ☆

حکیم صاحب کے نام سے شناسائی کا آغاز ہفت روزہ المنبر کے حوالہ سے ہوا، جس کے سرورق پر بطور مدیر ان کا نام چھپا ہوتا تھا۔ بعد میں حضرت الاستاذ مولانا محمد عبداللہ ویرووالویؒ بانی مدرسہ دارالقرآن والحدیث کی مجالس میں اکثر ان کی زبانی حکیم صاحب کا تذکرہ سنتے، جس سے استاد شاگرد کے والہانہ تعلقِ خاطر کا احساس ہوتا۔ حقیقتاً ان کی تعلیم و تربیت اور کردار سازی میں مولانا ویرووالویؒ کی محنت کا بے حد دخل ہے۔ تمام تر تعلیم حکیم صاحب نے مولانا مرحوم سے حاصل کی۔ انہی کے مکتب میں داخل ہوئے اور وہیں سے تکمیلِ حدیث کی سند حاصل کی۔ مدرسہ شمسیہ عربیہ ویرووال کے پہلے طالب علم حکیم صاحب ہی تھے۔ ان کے تایا محترم جنابِ شیخ دین محمد رحمۃ اللہ علیہ اس مدرسہ کے ناظم تھے۔ 1931ء میں جب مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی تو حکیم صاحب سکول میں تیسری جماعت کے طالب علم تھے، ان کے تایا جان فرمانے لگے: ''عبدالرحیم! اس تعلیم کو چھوڑ کر اصل تعلیم کی طرف آ جاؤ۔'' پھر ایک ہونہار طالب علم کو کامل استاد کے سپرد کیا جس کے فیضانِ نظر نے انہیں کندن بنا دیا۔

مکتب کی تعلیم کے علاوہ انہیں اخلاقیات اور اسلامی حمیّت و غیرت کا درس دیا۔ کفر و باطل اور ادیانِ باطلہ کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے ان کے خلاف برسرِ پیکار رہنے کی خو سکھلائی۔ دن رات کی صحبت سے انہیں کچھ اس طرح فیض یاب کیا کہ اس کی مثال

☆ سابق خطیب کلیہ دارالقرآن والحدیث، فیصل آباد۔ لیکچرار (عربی) تعلیم الاسلام کالج، چناب نگر

Marfat.com

دورِ حاضر میں ملنا دشوار ہے۔ حکیم صاحب کو زندگی بھر اس کا اعتراف رہا۔ وہ اس کا اظہار متعدد مجالس میں فخریہ طور پر کیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ 1984ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے وائس چانسلر الشیخ الدکتور عبداللہ الزاید پاکستان کے دورے پر آئے، تو مدرسہ دارالقرآن والحدیث کی انتظامیہ کی طرف سے ان کے اعزاز میں عظیم الشان ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ استقبالیہ کلمات کہنے کے لئے حکیم صاحب کھڑے ہوئے، تو ابتداء میں انتہائی شستہ اور فصیح عربی میں انہوں نے استاذِ گرامی کا تعارف ایسے انداز میں کرایا کہ ہر سامع متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس کی آنکھیں پُرنم تھیں۔ زمانۂ طالب علمی کے واقعات سناتے ہوئے بتلایا کہ شیخ، تدریس میں کس قدر نظم وضبط کے قائل تھے۔ انہوں نے تعلیم و تربیت میں استاذِ جلیل کی دلچسپی اور صبح و شام سفر و حضر میں ساتھ رکھنے کا تذکرہ کیا۔

انہوں نے بتلایا کہ دعوت وارشاد کے سلسلہ میں سکھوں کے گوردواروں اور ہندوؤں کے تہواروں میں جاتے تو دس دس، بیس بیس میل مجھے سائیکل کے پیچھے بٹھا کر لے جاتے۔ یہ ذکر کرتے ہوئے حکیم صاحب آبدیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے: ''آج کے دور میں اساتذہ میں ایسی شفقت کہاں؟'' حکیم صاحب کو اپنے استاذِ گرامی کے علم وتقویٰ پر اعتماد تھا اور استاذِ گرامی کو اپنے تلمیذ کی صلاحیتوں پر ناز تھا۔ کسی شخص کی ثقاہت وعظمت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ استاذ اس کے کمالات کا معترف ہو اور شاگرد استاذ کی خدمات کا۔ اس حوالہ سے حکیم صاحب کی شخصیت کا جائزہ لیں تو بہت سی قابلِ فخر روایات سامنے آتی ہیں۔ شیخ رحمہ اللہ جب بھی ماضی کے واقعات بیان کرتے تو کسی نہ کسی طور پر حکیم صاحب کا تذکرہ ضرور ہوتا۔ تعلیم وتعلم، دعوت وارشاد، تصنیف وتالیف، قادیانیت کے خلاف مہم جوئی، ہر حوالے سے وہ سفر و حضر میں ان کے رفیق ومصاحب رہے اور اس تعلق کو تادمِ آخر نبھایا۔ اگرچہ قیامِ پاکستان کے بعد میدانِ عمل کی کئی راہیں جدا ہو گئیں اور فکری نہج بدل گیا، لیکن استاذ شاگرد کا باہمی تقدس قائم رہا۔ ایک مرتبہ شیخؒ فرمانے لگے: اگر حکیم عبدالرحیم اشرفؒ قیامِ پاکستان کے بعد دعوت وارشاد کے سلسلہ میں ہمہ وقت میرا ساتھ

Marfat.com

دیتے تو میں سرزمینِ فیصل آباد سے بدعات و خرافات کا قلع قمع کر دیتا۔ یہ ریمارکس استاذ کی طرف سے شاگرد کی صلاحیتوں کے اعتراف کی سند ہے اور استاذ بھی وہ جس کا معیارِ انتخاب بھی بلند ہو۔ افسوس یہ کام نہ ہو سکا، ورنہ علم و سیاست کا یہ مجمع البحرین سرزمین فیصل آباد کی سیرابی کے لئے نیا ہی سماں پیدا کرتا اور علم و عمل کے نئے سوتے پھوٹتے۔ حکیم صاحب، مولانا علیہ الرحمہ کی زندگی کے آخری ایام میں بکثرت ان کے پاس آتے۔ پھر کوئی ہی دن خالی جاتا کہ ملاقات کے لئے حاضری نہ دیتے۔ وہ خصوصی خمیرہ جات حضرت الشیخ کی خدمت میں ہدیتاً پیش کرتے۔ آخری سالوں میں ہر سال تواتر سے تقریبِ بخاری میں شرکت کرتے اور حاضرین میں بیٹھ کر نہایت ادب سے تقاریر سنتے۔

اس سلسلہ کا ایک دلچسپ واقعہ یاد آیا کہ مدرسہ دارالقرآن والحدیث کی طرف سے سالانہ جلسۂ تقسیمِ اسناد کے موقعہ پر جماعتی اخبارات میں یہ اعلان شائع کروایا گیا کہ شیخِ محترم کے وہ قدیم تلامذہ جن کے پاس ان کی ذاتی سند نہیں ہے یا بوسیدہ ہو چکی ہے تو وہ نئے سرے سے اس موقع پر سند حاصل کر سکتے ہیں۔ اس موقع پر سینئر ترین تلامذہ میں سند حاصل کرنے والے دو بزرگ تھے۔ پروفیسر غلام احمد حریریؒ اور مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ۔ یہ دونوں حضرات اپنی علمی شہرت و شخصی احترام اور ظاہری بزرگی کے باوجود، جب انتہائی انکساری اور ادب و احترام سے حضرت الاستاذ کے سامنے کھڑے ہوئے تو مجلس میں عجیب سماں تھا۔ سند حاصل کرنے کے لئے جب حکیم صاحب کی باری آئی تو شیخِ محترم ضُعف کی وجہ سے ہاتھ نہ بڑھا سکے تو کسی دوسرے شخص نے ان کے ہاتھ سے سند لے کر حکیم صاحب کو پکڑانا چاہی۔ حکیم صاحب فرمانے لگے: ''نہیں، یہی سعادت حضرت الاستاذ کے دستِ مبارک سے حاصل کرنے کے لئے تو حاضر ہوا ہوں۔'' ان لوگوں نے علم اور اصحابِ علم کی قدر کی جس کی بناء پر اللہ نے انہیں بلند مقام عطا فرمایا۔ حکیم صاحب کو حضرت الاستاذ کی وفات کا بے حد صدمہ ہوا۔ جنازہ کے موقع پر اپنے تأثرات بیان کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو فرطِ جذبات پر قابو نہ پا سکے اور محض یہی جملہ ادا کر سکے۔ ''واللہ! میں آج یتیم

Marfat.com

ہوگیا۔'' یہ غم مدت تک ان کے ذہن پر اثر انداز رہا۔ وہ ان کے حالاتِ زندگی بھی لکھنا چاہتے تھے، جس کا انہوں نے راقم الحروف سے بھی تذکرہ کیا، لیکن ان کی صحت نے ساتھ نہ دیا، یوں یہ عظیم تاریخ رقم نہ ہوسکی۔

یہ تمہید محض ان کی شخصیت کے ایک پہلو کو اُجاگر کرنے کے لئے باندھی گئی ہے۔ بلاشبہ ان کی تربیت ایک کامل استاذ کے زیرِ اثر ہوئی۔ اسی بنا پر دین کی حمیّت اور اس کے بارے میں غیرت شروع ہی سے ان کی طبیعت میں ودیعت تھی۔ جب بھی ملک میں دین کی بقاء و وجود اور مسلمانوں کے جداگانہ ملّی و اسلامی تشخص کو کوئی خطرہ پیش آیا تو ان کی طبیعت بے چین اور ان کا دل دردمند ہوا اور انہوں نے اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے خود بھی سعی کی اور اہلِ اثر کو متوجہ کرنے کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ ملک میں جب بھی اسلام کی حمایت اور کفر کے خلاف کوئی تحریک چلی تو حکیم صاحب اس کی روحِ رواں رہے۔ ملک کی جماعتی اور انفرادی تحریکوں میں تو نمایاں کردار ادا نہیں کیا، البتہ اجتماعی اور ملّی تحریکوں میں ہراول دستہ کے طور پر کام کیا۔ ان کا اصل ہدف ملّتِ اسلامیہ کی اجتماعیت، لادینیت کے خلاف یلغار، اسلام کا دفاع اور طاغوتی قوتوں کی سرکوبی تھا۔ انہی مقاصد کے حصول میں ان کی صلاحیتیں صرف ہوئیں۔ حکیم صاحب کی خدمات محض کسی ایک شعبہ تک محدود نہ تھیں۔ انہوں نے تعلیم وتعلّم اور دعوت وارشاد کے شعبہ جات کے علاوہ سیاست وصحافت اور طبابت میں بھی نام پیدا کیا۔ ہر شخص کسی ایک شعبہ پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے اور اسی میں شہرت حاصل کرکے نام پیدا کرتا، اور اسی حوالہ سے پہچانا جاتا ہے۔ آخر انہوں نے ایسا کیوں نہ کیا؟ یہی ایک نکتہ ہے جس سے ان کی شخصیت اُجاگر ہوتی ہے۔ دراصل اس کے پس منظر میں جو ہدف تھا، اسے انہوں نے مختلف شعبوں میں جدوجہد کے ذریعہ حاصل کرنا چاہا۔ ملّتِ اسلامیہ میں بیداری پیدا کرنا، اسے ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنا، لادین عناصر اور گمراہ فرقوں کا سدِباب کرنا اور سیکولر نظاموں کے خلاف علَمِ جہاد بلند کرنا ان کا مقصدِ حیات تھا۔ اسی حوالہ سے ان کی خدمات کا مختصر جائزہ تحریر کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

دعوت وارشاد

حضرت حکیم صاحب کو زمانۂ طالب علمی سے ہی تبلیغِ اسلام کا شوق تھا۔ اسے وہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا مشن سمجھتے تھے۔ استاذِ گرامی کی معیّت میں سکھوں اور ہندوؤں کے میلوں اور تہواروں میں جا کر تبلیغ کرتے اور کسی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر کلمۂ حق بلند کرتے۔ ایک روز حسبِ پروگرام جلال آباد کے مشہور میلہ میں تبلیغ کی غرض سے حضرت الاستاذ کے ساتھ گئے۔ ان کے برادرِ صغیر شیخ عبدالمجید بھی ان کے ساتھ تھے۔ اہلِ سنت کی مزار والی مسجد میں سلسلۂ وعظ شروع کیا تو جاٹوں نے شور وشغب بلند کر دیا اور اس لئے پتھر مارنے شروع کر دیئے کہ انہوں نے ہمارا میلہ خراب کر دیا ہے۔ انہوں نے حملہ کا پروگرام بنایا۔ اس خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے فرداً فرداً تمام ساتھی وہاں سے نکل گئے اور چوہدری نوردین کے دیوان خانہ میں جمع ہو گئے، لیکن اپنے درمیان حکیم صاحب کو نہ پا کر پریشان ہوئے۔ ان کی تلاش میں نکلے تو وہ بلا خوف وخطر مسجد میں جوش وخروش سے وعظ کر رہے تھے۔ فارغ ہونے پر انہیں حالات کا علم ہوا تو کہنے لگے: ''واللہ! مجھے دعوت کی لگن میں قطعاً علم نہیں ہو سکا کہ آپ کب یہاں سے گئے اور ارد گرد کے حالات کیا ہیں؟'' اسلام کی حمایت اور گمراہ فرقوں کی تردید کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا تھا۔ علاقہ ویرووال، قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں کا مرکز تھا اور ان کے مبلّغین، مناظروں اور مباحثوں کے ذریعے لوگوں کو بہکانے میں مصروف تھے۔ لیکن استاذ اور شاگردان کے سدباب کے لئے تحریراً اور تقریراً سرگرم عمل ہوئے اور ان کا تعاقب کیا۔ جہاں ان کی آمد کی خبر ہوتی، کتب لے کر پہنچ جاتے۔ کھانے پینے کی پرواہ کئے بغیر پوری رات گزر جاتی۔ اس طرح کے متعدد واقعات ہیں۔ انہی میں سے ایک واقعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ ان کے دل میں دعوتِ دین کی بے اندازہ اہمیت تھی اور وہ انتہائی ناخوشگوار ماحول اور نامساعد حالات میں بھی دعوت وتبلیغ سے پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک مرتبہ ویرووال میں اپنے محلے کی مسجد میں خطبہ کے دوران انہوں نے زور وشور سے قادیانیت کی تردید کی۔ انداز اس قدر مؤثر تھا کہ دورانِ خطبہ

Marfat.com

عبداللہ نام کا ایک شخص کھڑا ہوا اور اعلان کیا کہ میں مرزائیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کرتا ہوں۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ اور دیگر مقامات پر ملک کی نام وَر شخصیات کو دعوت دیتے اور مسلسل کئی کئی روز تک تربیتی پروگرام منعقد کراتے۔ ان شخصیات میں ملکی اور غیر ملکی سکالرز شامل تھے۔ ان میں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، علامہ علاؤالدینؒ، مولانا حنیف ندویؒ، مولانا عبدالغفار حسنؒ اور دیگر شخصیات شامل تھیں۔

جماعتِ اسلامی میں شمولیت کے پس منظر میں بھی یہ جذبہ کارفرما تھا کہ دعوتِ دین کو منظم طریقے سے ملک میں پھیلایا جائے۔ جب مقاصد کما حقہٗ پورے نہ ہو سکے تو جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی، پھر کسی دوسری جماعت میں شامل نہ ہوئے۔

صحافت

صحافت کا آغاز بھی قادیانیت کے خلاف لکھنے سے کیا۔ ابتداءً چند پمفلٹ لکھے۔ پھر استاذِ گرامی کی زیرِ ادارت ماہانہ رسالہ اشاعۃ السنۃ شائع کرنا شروع کیا، جس کی تمام تر ذمہ داری حکیم صاحب پر تھی۔ ہفت روزہ ''تنظیم اہلِ حدیث'' اور دیگر رسالوں میں ''مبصر ویرووال'' کے نام سے مضامین لکھتے رہے۔ لکھنے کا آغاز طالب علمی کے زمانہ سے ہی کر دیا تھا۔ ہفت روزہ ''تنظیم اہلِ حدیث'' جون 1936ء کی فائل نظر سے گزری جس میں ان کا ایک مضمون ''علاماتِ مسیح موعود علیہ السلام اور مرزا قادیانی'' متعدد قسطوں میں شائع ہوا اور ان کا نام اس انداز سے درج تھا:

''از: ابوسعید عبدالرحیم، متعلم شمسیہ عربیہ، ویرووال۔''

قیامِ پاکستان کے بعد ہفت روزہ المنبر کا اجراء کیا، جس نے مرزائیت کے خلاف تیس سال تک بھرپور کردار ادا کیا اور ملک کے تمام حلقوں میں مقبولیت حاصل کی۔ وہ قادیانیوں کے ترجمان ہفت روزہ ''الفضل'' کی تحریروں کا خوب رَد لکھتے۔ مرزائیت کی قیادتِ علیا بھی ان کی شخصیت سے متعارف تھی۔ حکیم صاحب کے برادرِ صغیر محترم شیخ عبدالمجید صاحب نے ایک دلچسپ واقعہ سنایا:

Marfat.com

قادیانی خلیفہ مرزا ناصر سے ملاقات

تقسیم کے بہت بعد کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حکیم صاحب کے پاس پاکستان کے مشہور اور نام وَر طبیب مولانا حکیم محمد عبداللہؒ آف جہانیاں تشریف لائے اور سرگودھا جانے کا پروگرام طے ہوا۔ راستہ میں جاتے ہوئے وہ ربوہ رُکے کہ مرزا ناصر سے ملاقات کریں۔ وہاں پہنچتے ہی مرزائیوں کی خفیہ فورس نے پہچان کر مرزا ناصر کو مطلع کر دیا تو اس نے رابطہ کر کے کہا کہ انہیں فوراً لے آؤ۔ چنانچہ انہیں ایک خاص کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ کچھ ہی دیر میں مختلف قسم کے پھل اور پُر تکلف اشیاء میز پر سجا دی گئیں۔ مرزا ناصر اپنے مخصوص قادیانی افراد کے ساتھ آیا اور ملاقات کے بعد بیٹھتے ہی یورپ و افریقہ میں اسلام کو متعارف کرانے کے سلسلہ میں اپنی تبلیغ و اشاعت کا ذکر شروع کر دیا کہ ہم نے دور دراز علاقوں میں اسلام کے لئے بڑے کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ اس نے بڑے زوردار انداز میں واقعات بیان کئے۔ دونوں اصحاب خاموشی سے سنتے رہے۔ جب مرزا ناصر نے گفتگو ختم کی تو حکیم صاحب نے نہایت اختصار سے دو جملے کہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ فاسق و فاجر سے دین کی حمایت کا کام لے لیتا ہے۔'' یہ سنتے ہی وہ فوراً مجلس سے اٹھ کر چلا گیا اور یہ حضرات سرگودھا روانہ ہوئے۔

سیاست

سیاست میں براہِ راست حصہ لینے سے اجتناب کیا۔ کسی جمہوری ادارے میں دلچسپی نہ لی، نہ انتخابی سیاست کے میدان میں کودے۔ البتہ ملکی سیاست میں جس قدر رول ادا کیا، وہ قابلِ فخر تھا۔ صاف ستھری سیاست کا باب رقم کیا۔ مالی مفادات، خودغرضی اور لالچ سے اپنے دامن کو داغ دار نہیں ہونے دیا۔ عہدہ یا منصب کی طلب سے دور رہ کر محض دینی مقاصد تک اپنا دائرۂ کار محدود رکھا۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں حکومت کے انتہائی قریب رہنے کا موقع ملا لیکن کوئی بھی سرکاری منصب قبول نہ کیا۔ اس دور میں مجلسِ شوریٰ بنی لیکن اس کی رکنیت کی پیشکش کے باوجود اجتناب برتا۔ حکومتی خرچ پر کبھی

Marfat.com

سفرِ حج یا کسی غیر ملکی دورے پر نہیں گئے۔ البتہ ضیاء الحق مرحوم کے دور میں صد سالہ جشنِ دیوبند کے موقعہ پر انڈیا گئے لیکن وہ بھی دینی مقاصد کے لئے تھا۔ O

طبابت

طب کے شعبہ میں بھی اپنا نام پیدا کیا اور ملک کے نام ور حکماء میں ان کا شمار ہونے لگا۔

اشرف لیبارٹریز انہی کی کاوشوں سے عظیم دوا خانوں کے ہم پلّہ ہوئی۔ جامعہ طبیہ کا اجراء بھی انہی کا کارنامہ ہے۔ طبِ اسلامی کی ترویج کو ذریعہ معاش کے علاوہ قومی خدمت اور اسلامی جذبہ کے تحت سرانجام دیا۔ پاکستان میں ایلوپیتھی کے مقابلہ میں اسے فروغ دینے کے لئے اَن تھک محنت کی۔ انہی کی کاوشوں سے حج کے موقع پر ڈاکٹروں کی ٹیم کے ساتھ طبِ اسلامی کا وفد بھی خدمتِ حجاج کے لئے سعودیہ بھیجا گیا۔

ایسی جامع شخصیت پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، لیکن اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی دینی و ملّی، تصنیفی اور طبّی جملہ انفرادی و اجتماعی خدمات قبول فرمائے اور بلندیٔ درجات کا سبب بنائے۔ آمین

O یہ دورہ بھی ذاتی ہی تھا، سرکاری نہیں۔ سرکاری دورہ محض ایک تھا اور وہ بھی سوڈان کا۔ (ز۔ا)

Marfat.com

چھوٹی قامت کے بڑے انسان

پروفیسر عظمت اللہ خان مرحوم ☆

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف مرحوم، فیصل آباد کے حوالے سے ایک معروف عالم، ادیب، دانش ور اور طبیب تھے۔ آپ کی تمام زندگی دین و مذہب اور علم و ادب کی نذر ہوئی۔ ایک مصلحِ قوم و ملک ہونے کے ناطے سے ان کا نام ہمیشہ سنہرے حروف میں لکھا اور پڑھا جائے گا۔

ان کا دنیوی پیشہ تو مریض تک، دواؤں کی ترسیل تھا، مگر دین سے تادمِ آخر (عملی طور پر) منسلک رہے۔ قرآن، احادیث اور دیگر علومِ دینیہ سے شغف، انہیں ان کے ہم عصروں میں ممتاز کرتا ہے۔

شہر فیصل آباد کی ایک مسجد میں وہ مدتوں، درسِ انسانیت اور سبقِ حیات دیتے رہے اور حق یہ ہے کہ ان کی تزکیۂ نفس کی مساعیٔ جمیلہ کے سبب ان کے سامعین کی کایا پلٹ گئی۔ وہ جو مسجد کے نام تک سے ناآشنا تھے، گلی محلوں میں تبلیغِ اسلام کرتے نظر آنے لگے اور جو مادر پدر آزاد فلسفۂ زندگانی کے رسیا تھے، وہ ایسے باشرع ہوئے کہ شرحِ قلب کے مدارج، عجلت سے طے کر گئے اور کیوں نہ ایسا ہوتا!

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

حکیم عبدالرحیم اشرف مرحوم کی تین حیثیات، دورانِ حیاتِ دنیوی، نمایاں رہیں:

☆ سابق پروفیسر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج سمن آباد۔ فیصل آباد۔ آپ 27 دسمبر 2002ء کو دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔

Marfat.com

1.....ریفارمر، جدید دینی تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے۔

2.....حکیم، معالجانہ اور دوا سازی کی مصروفیات کے حوالے سے۔

3.....مثبت طرزِ فکر کا اسلامی سیاست دان و نقاد۔

یہ تینوں جہتیں، تینوں باب، ان کی زندگانی مستعار میں تحریک بھی پیدا کرتے رہے اور ان کے مشاغلِ شب و روز بھی کہلائے۔

المنبر ایک ایسی چیز ہے جو انہوں نے دنیائے چشم وگوش میں جاری کی اور آج بھی اس کے اوراق دین وحکمت اور علم وادب سے آگاہی کی نشان دہی کرتے رہتے ہیں، جسے ان کے عزیز ہی باقاعدگی کے ساتھ چھاپتے بھی ہیں اور اہلِ نظر تک پہنچاتے بھی ہیں۔ حکیم مغفور، کبھی کبھی اپنے نظریات اور لیکچروں میں کچھ سخت اور کسی حد تک خشک بھی ہو جاتے تھے، لیکن اس کے پیچھے دینِ اسلام سے وہ پختہ لگاؤ تھا جو انہیں حد درجہ بے باکی اور بے خوفی کی اوٹ لے جاتا تھا۔

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز وسازِ رومی، کبھی پیچ وتابِ رازی

اشرف بھائیؒ خوش مزاج انسان تھے۔ بہت صاف ستھرے رہتے اور چہرہ ہشاش بشاش رکھتے۔ عام طور پر مسکراتے ہوئے مصافحہ کرتے، بعض اوقات معانقہ بھی کرتے۔ حال احوال پوچھتے اور کسی وصف کی داد دیتے۔ ایک حد تک کھل بھی جاتے اور کبھی کبھار ہلکے پھلکے لطیفے سن بھی لیتے اور سنا بھی دیتے۔ ایسے مواقع، عموماً جمعہ پڑھانے کے بعد آتے اور مسجد کی صف پر بیٹھے بیٹھے یا کھڑے ہوئے وہ اپنے اعزّہ کے ہمراہ احباب کی محبتوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے۔ کبھی شربت، قہوہ، یا چائے کا مختصر ترین دور بھی چل پڑتا۔ چھوٹی قامت کے بڑے انسان تھے۔ آواز میں ایسی لیک اور کڑک تھی کہ ان کے دلائل، اور وزنی معلوم ہوتے۔ اشراف کی نشانیوں میں سے تھے اور چاہتے تھے کہ مملکت خداداد پاکستان میں اللہ تعالیٰ اور رسول برحق ﷺ کے ناموں سے باطل کی تاریکیاں مٹ

Marfat.com

جائیں۔ وہ گھر اور باہر، ہمہ وقت مسلمانانِ عالم کی حالت کو سدھارنے کی مقدور بھر سعی کرتے رہے۔ ان تھک محنت کے ہاتھوں آخری عمر میں بیماری کی خاصی تکلیف اٹھائی مگر سانس کا آخری حصہ بھی، دینی فضا میں اچھال دیا۔ ایسے باہمت، اخلاص شعار، پُر جوش، مثبت طریقِ زیست کے حامل اور عاشقین خدا اور رسولؐ روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن اور ادارہ ہوتے ہیں۔ ان کے اس عالمِ ناپائیدار سے اُٹھ جانے پر احساس ہوتا ہے کہ قوم و وطنِ عزیز کا کتنا نقصان ہو گیا، کتنا گراف نیچے آ گیا۔ دعا ہے کہ خالق این و آں اور مالک کرم و فیل، مرحوم کے درجات بلند فرمائے، متعلقین کو حوصلۂ نو سے نوازے اور پیغامِ اشرف کو یوں دلوں میں تازہ رکھے کہ اصلاحِ معاشرہ کی قندیل، ہر فرد کو راہِ راست کی خوبصورتیوں کا نظارہ کرنے میں ایک گائیڈ کا کام دے۔

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

Marfat.com

شعلہ بیان خطیب

مولانا محمد امینؒ ☆

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دین کی خدمت واشاعت کے لئے جن نیک بخت بندوں کو منتخب فرمایا انہیں آخرت میں تو بہترین جزا عطا فرمائیں گے کیونکہ اس کی ضمانت اور بشارت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دے رکھی ہے، ایسے حضرات کو وہ دنیا میں بھی نیک نامی اور عزت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ انہی بزرگوں میں مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کو ایک خاص قدر و منزلت کا مقام حاصل تھا۔

مولانا صاحبؒ فردِ واحد نہیں، ایک ادارہ تھے۔ انہیں اللہ کریم نے گوناگوں صفات سے متصف کر رکھا تھا۔ وہ بیک وقت عالمِ دین، شعلہ بیان خطیب، مستند اور تجربہ کار طبیب، کاروباری طبقہ میں باعزت تاجر، سرکاری درباروں میں کلمہ حق کہنے والے نڈر مشیر اور واعظ، بزمِ علماء میں ایک مثالی رہنما عالم، طلبہ کے بہترین استاد اور عوام الناس میں دینی، سیاسی اور علمی خدمات سرانجام دینے والے فکرمند انسان تھے۔

آپ نے اپنے تعلیمی اور تدریسی دور میں ہی جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے ایک مجموعہ چھپوایا تھا جو علماء، طلبہ اور عوام میں بہت مقبول تھا۔ اس کی منتخب احادیث اور ترتیب، آپ کے عمدہ ذوق کی علامت اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کی ایک واضح دلیل تھی۔

☆ ریٹائرڈ معلم اسلامیات، گٹی، فیصل آباد۔ 9 مئی 2016ء کو دارفانی سے رحلت فرمائی۔

Marfat.com

آپ فنِ تقریر میں یدِطُولیٰ رکھتے تھے۔آپ کا مختصر بیان جوش اور ہوش کے حسین امتزاج سے ایسا تاثر دیتا کہ بڑی بڑی ضخیم کتابوں کے مطالعہ کے بعد جو حصہ قاری کو مل سکتا، وہ آپ کی ایک تقریر میں ہی سامع کو حاصل ہو جاتا تھا۔جن لوگوں نے منشی محلہ کی مسجد میں جمعۃ المبارک کی تقریریں باقاعدگی سے سنیں وہ اس کی صداقت اور شہادت پیش کرنے پر فخر کر سکتے ہیں۔جن دنوں قراردادِ مقاصد منظور کرانے کے لئے جدوجہد جاری تھی اور اس مقصد کے لئے باقی تمام جماعتوں کو جماعت اسلامی رہنمائی دے رہی تھی، ان دنوں کی جانے والی تقریروں میں جوش وخروش آپ کے دم قدم سے ہی تھا۔اور پھر تحریکِ ختم نبوت میں نتائج سے بے نیاز ہو کر اور جان ہتھیلی پر رکھ کر آپ نے جو تقاریر کیں انہیں کبھی بُھلایا نہیں جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو عمدہ سوچ اور فصیح گفتگو کے ساتھ ساتھ جذباتی خطاب کرنے اور حاضرین کو متوجہ رکھنے کی جو خوبیاں عطا فرمائی تھیں، آپ اپنے جلسوں میں انہیں بدرجۂ اَتم بروئے کار لاتے تھے۔

مولانا مرحوم تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر میں بھی مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔المنبر اور راہنمائے صحت کے صفحات باقاعدگی کے ساتھ آپ کی تحریروں سے مزین ہوا کرتے تھے۔تحریر جیسے مشکل کام کو باقاعدگی سے نبھانا آپ کا ہی کام تھا، جو فضلِ ایزدی سے ہی میسر آ سکتا تھا۔یہ سلسلہ ایک دو دن کا نہ تھا۔اس معمول کو آپ نے چالیس سال سے زائد تک ذمہ داری سے سرانجام دیا۔

دینی اور طبی حوالوں سے جلسوں کا انعقاد، آپ کی مصروفیات کا ایک اہم حصہ تھا۔آپ جواں مردوں کی طرح اسے بڑی تندہی سے نبھاتے رہے۔یقین نہیں آ سکتا کہ ایک نحیف اور نزار جسم اتنے بڑے مشکل کام کیسے سرانجام دیتا رہا۔بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ تائیدِ ایزدی آپ کے شاملِ حال رہی۔مزید برآں مولانا مرحوم کے قائم کردہ اداروں میں اشرف لیبارٹریز بھی شامل ہے جس کی تیار کردہ زوداثر ادویات عالمی سطح

Marfat.com

پر اپنے آپ کو منوا چکی ہیں۔ یہ بھی ان کے کمالِ حکمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

میں نے مولانا مرحوم کو ایک مدت تک بہت قریب سے دیکھا۔ مجھے ان کا ہر انداز بڑا حسین دکھائی دیا۔ میں ایک طالب علم اور مولانا عالم و فاضل شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی عظمت ہمیشہ مجھے متاثر کرتی رہی۔

اخلاقی لحاظ سے آپ کا یہ مقام تھا کہ کثرتِ کار کے باوجود کبھی تند خوئی اور ناراضی کے آثار آپ کے چہرہ پر نظر نہ آتے۔ سب سے خوش خوش ملنا آپ کا شیوہ تھا۔ تھوڑی اور بامقصد بات آپ کا معمول تھا۔ صاف ستھرے رہنا اور سفید اُجلا لباس پہننا آپ کو مرغوب تھا۔

آج جبکہ آپ اللہ کریم کے ہاں جا چکے ہیں، نیازمندی کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے لئے استغفار کرتے ہوئے دعائیں پڑھیں:

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَاتَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَؤُوْفٌ رَّحِیْم۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَه، وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَکْرِمْ نُزُلَه، وَوَسِّعْ مُدْخَلَه۔

اللہ کریم آخرت کی بہترین جزا سے آپ کو نوازیں، اور آپ کے وہ کارنامے، جن سے آپ کو دوام کی نعمت ملی، اس کا وافر حصہ ورثاء کو بھی ملے تاکہ ان کا فیض جاری و ساری رہے۔

Marfat.com

جامعِ کمالات

ڈاکٹر ریاض الحق صدیقی ☆

جہاں تک مجھے یاد پڑھتا ہے حکیم عبدالرحیم اشرف (مرحوم) کو آج سے تقریباً 58 برس پہلے سرگودھا شہر میں حکیم عبدالرحمٰن ہاشمی کے ساتھ جماعتِ اسلامی ضلع سرگودہا کے ایک اجتماع میں دیکھا اور سنا۔ میں اس وقت ہائی سکول کا ایک طالب علم تھا۔ 1955ء میں علاجِ حیوانات کے کالج، واقع لاہور سے حصولِ تعلیم کے بعد 1962ء میں زرعی یونیورسٹی کے قیام پر لائل پور (فیصل آباد) چلا آیا۔ حکیم صاحب (مرحوم) اس وقت تک جماعت اسلامی سے الگ ہوکر ایک نئی دنیا بسا رہے تھے۔ مختلف دینی تحریکوں اور مکتبہ ہائے فکر کے اجتماعات میں حکیم صاحب بھرپور حصہ لیتے تھے۔ راقم کو اپنے دوستوں ڈاکٹر سعید احمدؒ اور ڈاکٹر ابرار حسین گیلانی کے ہمراہ انہیں مختلف دینی اور سیاسی جلسوں میں سننے اور قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ چند ایک مواقع پر ان سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا۔

مرحوم اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے بھی دیگر مسالک کے مقامی اور مرکزی رہنماؤں کے ساتھ نہایت خوشگوار تعلقات رکھتے تھے۔ خطابت میں ایک منفرد انداز کے حامل تھے۔ ایک تقریب میں انہوں نے تفصیل سے یہ بتلایا کہ اللہ کے آخری نبیؐ کے خطبات کی یہ خوبی ہے کہ وہ مختصر مگر جامع ہوتے تھے۔ حکیم صاحب کے ارشاد کے مطابق حضور ﷺ کے کسی خطبے کا دورانیہ پندرہ بیس منٹ سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ حجۃ الوداع کا خطبہ اس کی بہترین مثال ہے۔ میرے مشاہدے کے مطابق حکیم صاحب (مرحوم) اپنی

☆ سابق چیئرمین ڈیپارٹمنٹ آف فزیالوجی اینڈ فارماکالوجی، زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد۔

Marfat.com

تقریر یا خطاب میں نبی کریم ﷺ کی اس سنت کی پیروی کرتے تھے۔ بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر دینی اقدار کا دفاع اور تحفظ کرتے۔ اس سلسلہ میں اپنے ہم عصر اہلِ علم کو خود آگے بڑھ کر تعاون پیش کرتے۔

چند ایک مواقع پر جناح کالونی میں واقع اشرف لیبارٹریز میں ان سے ملاقاتیں کیں جن میں انہوں نے مختلف پودوں اور جڑی بوٹیوں کے انسانی اور حیوانی جسم پر اثرات کے بارے میں مفید معلومات فراہم کیں۔ انہوں نے اس اصول کی وضاحت بھی فرمائی کہ اطبائے قدیم نے مختلف پھلوں، پھولوں، پتوں اور بیجوں کی انسانی اعضاء کے ساتھ شکل و شباہت کی مناسبت سے ان کے خواص کا اندازہ لگایا، مختلف امراض میں مریضوں پر تجربات کئے اور طبی طور پر ایسے پھلوں یا پھولوں کی افادیت ثابت کی۔

حکیم صاحب مرحوم کی شخصیت اس اعتبار سے جامعِ کمالات تھی کہ وہ جیّد عالم، نام وَر خطیب، قابل حکیم، صاحبِ طرز ادیب و صحافی، معلّم اور اعلیٰ انتظامی مہارت کے حامل تھے۔ مزید برآں وہ انتہا درجے کے صلح جو فرد اور قومی درد رکھنے والے راہنما تھے۔ ان کے نام سے موسوم مختلف ادارے اس بات کا بیّن ثبوت ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چشمۂ فیض کو جاری وساری رکھے اور ان کے لائق بیٹوں کو اپنے عظیم والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ملّتِ اسلامیہ کی بہتری کے لئے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

Marfat.com

علم و عمل میں بے مثال

پروفیسر محمد اسلم فاروقی ☆

حکیم مولانا عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کم وبیش دس سال اس قدر تعلق رہا کہ شاید ہی کسی دن ملاقات میں ناغہ ہوتا۔ ان کا تعارف کچھ اس طرح ہوا کہ ایک روز چند احباب لاہور میں حکیم محمد سعیدؒ (ہمدرد) کے ساتھ بیٹھے تھے کہ دوران گفتگو حکیم صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ آج کل ڈیرے کہاں ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ لائل پور (فیصل آباد) میں۔ فرمایا کہ ہمارے شعبہ کی دو شخصیات وہاں ہیں، ان سے ملتے رہا کریں، دنیا و آخرت کے حوالے سے راہ نمائی ملے گی۔ ایک حکیم حافظ عبدالمجید (دھوبی گھاٹ میں)، اور دوسرے حکیم مولانا عبدالرحیم اشرف (جناح کالونی میں)۔ ان دونوں سے ملاقات کے بعد تو اس میں کوئی شک ہی نہ تھا کہ دونوں حضرات علم اور عمل میں اپنی مثال آپ ہیں۔

حکیم حافظ عبدالمجیدؒ سے ہفتہ میں ایک دو مرتبہ عشاء کی نماز کے بعد ملاقات ہوتی، لیکن حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے ساتھ تقریباً روزانہ ملاقات ہو جاتی۔ اس کی یہ وجہ تھی کہ میری سائنس اکیڈیمی جو ''فارابی سائنس اکیڈیمی'' کے نام سے مشہور تھی، ان کے گھر کے نزدیک تھی۔ ہم دونوں جامع مسجد جناح کالونی میں فجر اور عشاء کی نماز اکٹھے پڑھتے تھے۔ کتنا اچھا دور تھا کہ فجر اور عشاء کی نماز کے بعد ہر نمازی کی کوشش ہوتی تھی کہ احباب میرے ساتھ گھر چلیں۔ جو گھر میں کھانے پینے کے لئے ہوتا، پیش کر دیا جاتا۔

☆ سابق پرنسپل فارابی سائنس اکیڈمی۔ فیصل آباد

Marfat.com

حکیم صاحب کے ہاں اکثر اندرون و بیرون ملک سے کوئی نہ کوئی نام ور شخصیت مہمان ہوتی۔ وہ مہمان شخصیت کے خیالات سے ساتھیوں کو مستفید فرمانے کا اہتمام کرتے، جہاں باقی احباب کو بلاتے، مجھے بھی اطلاع کر دیتے۔ خاص طور پر ایک جملہ کا اضافہ کرنا نہ بھولتے کہ کھانا بھی ہمارے ساتھ کھانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکیم صاحب کو مہمان نوازی کی بڑی توفیق عطا فرمائی تھی۔ ایک دن میں نے عرض کیا: بھائی جان! ہم تو اکثر آپ کے مہمان ہوتے ہیں۔ آپ باہر سے آنے والے اپنے مہمانوں کی خدمت کریں۔ انہوں نے فرمایا: کیا آپ نہیں چاہتے کہ میرے رزق، کاروبار اور اولاد میں خیر و برکت ہو۔

دوسری بات جو میں نے حکیم صاحب سے پائی، وہ صبر و تحمل سے دوسرے کی بات سننا ہے۔ حکیم صاحب فرمایا کرتے تھے کہ دینِ اسلام متحمل مزاجی، رواداری اور معافی کا دوسرا نام ہے۔ وہ ہمارے معاشرہ میں تیزی سے پھیلنے والے مذہبی تعصبات اور گروہ بندیوں سے بڑے پریشان ہوتے تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر اس طوفان کو نہ روکا گیا تو ہماری آئندہ نسلیں دین سے دور ہوتی جائیں گی۔ اس طوفان کے سامنے بند باندھنے کے لئے وہ اپنی سی کوشش کیا کرتے تھے اور ہر مکتبہ فکر کے اہلِ علم کو اپنے ہاں تشریف لانے کی دعوت دیتے اور ان کے لیکچرز کا اہتمام کرتے تھے۔ ان کی اس جدوجہد کے بہت اچھے نتائج برآمد ہوتے تھے۔

تیسری خوبی جو میں نے ان میں پائی، وہ ان کا مالی ایثار تھا، وہ اس کام کو بڑے خفیہ طریقہ سے کرتے تھے۔ میں نے کبھی ان کی زبان سے نہ سنا کہ اب گنجائش نہیں ہے، پھر کریں گے۔ اس سلسلہ میں اکثر کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہر ضرورت پوری تو کرنی ہے۔ اگر وہ یہ کام ہمارے ذریعہ کروا دیں تو اس میں ہمارا کیا کمال ہے؟ دیا ہوا تو سب کچھ اسی ذات کا ہے۔ بے شمار ایسے مواقع آئے کہ جب بھی کسی ضرورت کی طرف توجہ دلائی تو فوری طور عمل کرتے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ نیکی کا موقع ملے تو بلا تاخیر کر ڈالو، دیر کرو گے تو شیطان کسی نہ کسی بہانے ذہن بدل دے گا۔

Marfat.com

ایک دفعہ رات کو مجھے ایک دوست نے اطلاع دی کہ میٹرک پاس بچوں کے لئے پی۔ٹی۔سی داخلے شروع ہونے والے ہیں۔ اگر بچے داخل کروانے ہوں تو مجھے فوراً مطلع کریں۔ میں حکیم صاحب کے پاس گیا۔ صورت حال بتلائی، کہنے لگے: میں حاضر ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ طالب علموں کو کیسے تلاش کریں؟ بڑی سوچ و بچار کے بعد فرمایا کہ مخلوقِ خدا کی خدمت کے لئے آرام اور سٹیٹس کو ایک طرف رکھ کر کام ہو سکتا ہے۔ آپ ایسا کریں کہ ایسے چوکوں میں جائیں جہاں مزدور مزدوری کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں۔ وہاں میٹرک پاس جو نوجوان بھی ملے، اسے لے آئیں۔ یہ صحیح حق دار بچے ہوں گے۔ ان کی کتابوں، یونیفارم اور ہوسٹل کے اخراجات سب کچھ میں ادا کروں گا۔ لیکن میری ایک شرط ہے کہ کسی کو بتانا نہیں۔ یہاں تک کہ طالب علموں کو بھی پتہ نہ چلے۔ بچوں کی تعداد زیادہ ہونے کے پیشِ نظر میں نے عرض کیا کہ نیکی کے اس کام میں زیادہ سے زیادہ افراد کو شامل کرنا چاہیے۔ یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے۔

آخر میں بس یہی کہنا چاہوں گا کہ اتنی بڑی شخصیت جن گونا گوں صلاحیتوں کی حامل تھی، میرے لئے اس کا کماحقہ تذکارِ خیر انتہائی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتیں ان کی لحد پر نازل ہوں۔ آمین۔

Marfat.com

عظیم قلم کار و خطیب

محمد ضیاء الحق شیخ ☆

زندگی میں ایسے احباب سے بھی واسطہ پڑتا ہے جو اپنے بے لوث خلوص و محبت کے باعث قریبی رشتہ داروں سے بھی زیادہ قریب ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے قول و فعل میں یکتا ہوتے ہیں۔ انہی میں سے ایک مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی ذات ہے، جن کا وجود بڑی برکتوں اور بڑے حوصلوں کا سبب تھا۔ اس لئے اہلِ پاکستان کی بڑی تعداد مولانا سے خونی رشتہ نہ رکھنے کے باوجود ان سے زبردست ذہنی و عقلی بلکہ روحانی و قلبی تعلق رکھتی ہے۔ انہوں نے عمر بھر اس ملکِ خداداد میں اسلامی تہذیب و اقدار کے لئے جدوجہد کی اور اسے اپنی زندگی کا بنیادی مقصد بنائے رکھا۔ مجھے یقینِ کامل ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوئے ہوں گے تو ان کے پاس ایسا سرمایۂ عمل ہو گا جو انہیں بلند درجات سے نوازے گا۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کی شخصیت کے میرے ذہن میں بہت سے پہلو ہیں۔ مخلص دوست، عظیم قلم کار، شیریں بیاں خطیب اور مایۂ ناز طبیب۔ ان کی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے، اور جو بھی ایک مرتبہ اسے پڑھ لیتا ہے، وہ ان کا گرویدہ دکھائی دیتا ہے۔ مولانا ایک خوش قسمت ترین انسان تھے، جن سے دوستوں کو دُکھوں میں قلبی سکون اور ذہنی طمانیت حاصل رہی۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا اپنے عہد میں یکتائے عصر کا مقام رکھتے ہیں۔ وہ توحید

☆ ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر۔ معروف مضمون نگار (راولپنڈی)

Marfat.com

کے علَم بردار اور رسول ﷺ کے سچے اطاعت گزار تھے۔ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ سنت و شریعتِ محمدیؐ کے تابع گزرا۔ وہ اللہ کے بے باک سپاہی تھے۔توحید کا رنگ اس قدر غالب تھا کہ ان کا اپنا وجود بے معنی تھا۔ان کا ہر سانس اور زندگی کا ہر لمحہ، اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت تھا۔مادیت ان کے قریب نہ پھٹک سکی۔ان کی زندگی تو انسانیت کی خدمت کے لئے وقف تھی۔انہوں نے ہمہ وقت حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا خاص خیال رکھا۔ آپ نے اپنی اولاد کو دینی و دنیاوی تعلیم کے زیور سے آراستہ فرمایا۔اپنی حیات میں ہی انہوں نے کاروباری ذمہ داریاں سونپ دیں اور آپ صرف ان کی نگرانی اور راہنمائی فرماتے رہے۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ سے بے شمار مواقع پر شرفِ ملاقات نصیب ہوا اور مختلف النوع موضوعات پر تبادلۂ خیال کی سعادت حاصل ہوئی۔ان کی منفرد شخصیت کے بارے میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی محقق اور دانش وَر، مسرت و شادمانی، نیز محبت کی خوشبو اور مہک کی تشریح جاننا چاہے تو مولانا کو ایک نظر دیکھ لینے سے سبھی تشریحات ازخود منکشف ہو جائیں۔وہ اپنی ذات میں ایک انجمن، ایک ادارہ اور ایک تحریک تھے۔ان کے فیضِ نظر سے ہزاروں روحانی وجسمانی بیمار صحت یاب ہوئے۔

مَیں ان لوگوں میں شامل ہوں جو ہر قدم پر ان کے پُرخلوص مشوروں سے مستفید ہوتے رہے۔اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر میں نے نوٹ کی کہ اگر ان سے کوئی شخص مشورہ لینا چاہتا تو وہ صاف اور ٹھیک مشورہ دیتے، خواہ اس سے ان کا کوئی دوست ناراض ہی کیوں نہ ہو جائے۔

مولانا بے پناہ مصروفیات کے باوجود ہمیشہ مسکراتے نظر آتے۔صبح و شام اس مردِ درویش کے ہاں لوگوں کی آمدورفت رہتی۔اس کا اصل سبب یہی تھا کہ یہ شخصیت مادیت سے بہت دُور تھی۔جو بھی ان سے ملتا ان کا گرویدہ ہو جاتا۔اسلام سے محبت ان کی نس نس میں خون کی طرح دوڑتی رہی۔ان کی سوچ ایک قومی وملّی دانش وَر کی سوچ تھی۔آج وطنِ عزیز

Marfat.com

میں نسلی اور لسانی تعصبات کی جو تند و تیز ہوا چل رہی ہے، اسے خطرے کی گھنٹی سمجھ کر اس کے سامنے بند باندھنے کے لئے وہ میدانِ عمل میں کود پڑتے تھے۔ ردِ قادیانیت میں ان کے کارہائے نمایاں اسلامی دنیا کا بہت بڑا ورثہ ہیں۔

اپنی طبیعت کی ناسازی کے باوجود مولانا، خدمتِ خلق کے جذبوں سے سرشار کارہائے خیر میں مصروفِ عمل رہے۔ بلاشبہ آپ کی شخصیت عصرِ حاضر میں نہ صرف ہمارے لئے مشعلِ راہ رہے گی، بلکہ یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ آپ جیسے درویش صفت لوگوں کی وجہ سے ہی ہماری تہذیبی روایات زندہ ہیں۔ ہم مجموعی طور پر انحطاط اور زوال کے عہدِ زیاں کار سے گزر رہے ہیں۔ تاریکی بڑھ رہی ہے۔ ایسے میں مولانا جیسے صاحبِ کردار و عمل لوگوں کا بچھڑ جانا یقیناً بہت بڑا قومی نقصان ہے۔ اللہ بزرگ و برتر انہیں جوارِ رحمت میں جگہ دیں۔

Marfat.com

نفع بخش علم

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ

علم نفع بخش وہی ہے جس سے انسان :

اوّلاً: اپنے اور اس کائنات کے خالق و مالک کو پہچانے اور یہ معلوم کرے کہ اس ذرۂ حقیر کا رشتہ و تعلق، اس حقیقتِ کبریٰ سے کس طرح استوار ہو سکتا ہے جس سے تعلق کے بعد یہ ذرّہ خورشید بن جائے گا اور اس کی روشنی سے اس کا ماحول منوّر ہو گا۔

ثانیاً: اس کائنات کی صحیح حیثیت ، اس کی تخلیق کے اسرار و رموز اور اس کائنات کی زیادہ سے زیادہ اشیاء کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کس قانون کے تحت معرضِ وجود میں آئیں، ان کے اندر رُو نما ہونے والے تغیّرات وحوادث، کن ضوابط کے رهینِ منت ہیں اور ان اشیاء کو ایک جانب ، اس کرّۂ ارضی کو آباد کرنے میں کس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے اور دوسری طرف ان اشیاء کو اصل نصب العین، معرفت و تعلق باللّٰہ..... کے لئے کیسے مؤثر ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔

یہ ہے وہ حقیقتِ علم، جس کے بغیر نہ کوئی فرد آگہی و شعور کی نعمت سے مالا مال ہو سکتا ہے، نہ اس پر ترقی و ارتقاء کی راہیں کھل سکتی ہیں، نہ اس کا وجود ، خود اس کی اپنی ذات اور خلقِ خدا کے لئے مفید ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس علم کے بغیر کوئی قوم عروج و سربلندی سے سَر فراز ہو سکتی ہے۔

(المنبر، جامعہ نمبر۔ صفحہ نمبر80)

Marfat.com

نگارشاتِ

اہلِ قلم

Marfat.com

Marfat.com

تذکرہ ایک نابغہ وعبقری کا

جمیل اطہر ☆

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کا نام نوکِ قلم پر آتے ہی وطنِ عزیز کی ایک نہایت متحرک، فعّال اور دل آویز شخصیت کا پیکرِ جمیل آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے، جس نے بلاشبہ نصف صدی تک پاکستان کے سیاسی، دینی، طبی اور صحافتی شعبوں میں نہایت مثبت کردار ادا کیا۔ وہ نہ صرف ان شعبوں کے آفاق پر پوری آب وتاب سے جلوہ گر رہے بلکہ ہر کسی سے اپنی بے پایاں صلاحیتوں کا لوہا بھی منوایا۔ وہ اگرچہ جسمانی طور پر زیادہ قد کاٹھ کے مالک نہیں تھے مگر یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ قومی زندگی میں اپنی غیر معمولی فعّالیت کے باعث ان کا شمار ہماری قدآور قومی وملّی شخصیات میں ہونے لگا تھا۔ انہوں نے مولانا مودودیؒ کی قیادت میں اسلامی دستور کے نفاذ کی تحریک سے لے کر تحفظِ ختمِ نبوت کی دونوں تحریکوں اور تحریک نظامِ مصطفیٰؐ تک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ان تحریکوں میں قید وبند کی صعوبتیں بھی نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ سے میرا تعارف 56-1955ء میں ہوا جب میں اپنے زمانۂ طالب علمی میں ہی خارزارِ صحافت میں قدم رکھ رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ ایک عالمِ دین، ایک سیاسی قائد، جماعت اسلامی کے رہنما اور ممتاز صحافی کی حیثیت سے جانے جاتے

☆ چیف ایڈیٹر روزنامہ تجارت (لاہور، گوجرانوالہ، سرگودھا، کوئٹہ، کراچی)۔ چیف ایڈیٹر روزنامہ جرأت (لاہور، راولپنڈی، مظفرآباد، میرپور، کوئٹہ، پشاور)۔ چیف ایڈیٹر ڈیلی بزنس (لاہور، فیصل آباد)۔ سابق صدر اے پی این ایس۔ سابق سیکرٹری جنرل سی پی این ای۔ ممتاز مصنف ودانش ور۔

Marfat.com

تھے۔ ان کا ذریعۂ معاش تو پاکستان بننے سے پہلے ہی یونانی طب کا شعبہ تھا۔ پاکستان بننے کے بعد انہوں نے امین پور بازار، فیصل آباد میں اشرف میڈیکل ہال کے نام سے اپنا مطب قائم کیا تھا۔ یہ مطب اس جگہ واقع تھا جس کے اوپر اب بھی جامع مسجد اہل حدیث موجود ہے۔ روزنامہ ''غریب'' (جو اس وقت لائل پور سے شائع ہونے والا سب سے کثیر الاشاعت اور مؤثر روزنامہ تھا، جس کی ادارت کا فریضہ چودھری ریاست علی آزادؒ انجام دیتے تھے، جو نہایت جرأت مند اور دبنگ صحافی تھے) کا دفتر اشرف میڈیکل ہال کے بالکل سامنے سٹیشنری اور کتابوں کی ایک دکان کی بالائی منزل میں واقع تھا اور جہاں اپنی صحافت کے ابتدائی دور میں میرا جانا ہوتا تھا۔

ابتداء میں میرا رجحان اور میلان بائیں بازو کی سیاست اور صحافت کی طرف تھا۔ میں سیاست کے آغاز میں ہی ٹوبہ ٹیک سنگھ میں جو بائیں بازو کی سیاست کے خوگر سیاسی کارکنوں کا اہم مرکز تھا، ترقی پسند اصحاب کے حلقہ میں بیٹھنے لگا تھا۔ جب میں نے اخبارات کے بچوں کے صفحات میں لکھنا شروع کیا تو روزنامہ ''غریب'' میں بچوں کے صفحہ کے نگران بلند پایہ ترقی پسند شاعر جناب احمد ریاض تھے، جن کا مجموعۂ کلام ''موجِ خون'' ان کی رحلت کے بعد شائع ہوا، وہ روزنامہ ''غریب'' کے مدیر معاون ہونے کے ساتھ ساتھ لائل پور (اب فیصل آباد) میں روزنامہ ''امروز'' لاہور کے نمائندے بھی تھے۔ ''امروز'' کو اس دور میں ترقی پسندوں کی ایک توانا آواز کا مقام حاصل تھا۔ جب میں نے احمد ریاض مرحوم کو ٹوبہ ٹیک سنگھ میں بچوں کی ایک تقریب میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیا تو انہوں نے روزنامہ ''امروز'' کے اس دور کے ایڈیٹر جنابِ احمد ندیم قاسمی کے نام ایک خط لکھ کر میرے حوالے کر دیا جس میں مجھے ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ''امروز'' کا نامہ نگار مقرر کرنے کی سفارش کی گئی تھی۔ میں ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ''امروز'' کا نامہ نگار اور اس وقت ترقی پسندوں کی سیاسی جماعت آزاد پاکستان پارٹی کا سیکرٹری اطلاعات (اس وقت اسے پروپیگنڈہ سیکرٹری کا نام دیا جاتا تھا) تو بن گیا مگر میرے تایا قاضی نصیرالدین سرہندی مرحوم جو جماعتِ اسلامی کے رکن تھے، میری

Marfat.com

سرگرمیوں کے متعلق تشویش میں مبتلا رہنے لگے اور ایک روز انہوں نے مجھے بہت اصرار کے ساتھ کہا: ''میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں مگر تم وعدہ کرو کہ میری بات مان لو گے اور انکار نہیں کرو گے''۔ میں اپنے تایا جان کی بہت عزت کرتا تھا اور ان کی کسی بات کا انکار کرنے کی مجھ میں جرأت نہیں تھی، میں نے جب اثبات میں گردن ہلائی تو انہوں نے کہا: ''میری خواہش ہے کہ تم ٹوبہ ٹیک سنگھ میں جماعتِ اسلامی کے ترجمان اخبار ''تسنیم'' کے نامہ نگار کی حیثیت میں کام کرو''۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ میں روزنامہ ''امروز'' کا نامہ نگار ہوں اور آزاد پاکستان پارٹی ٹوبہ ٹیک سنگھ کا پروپیگنڈہ سیکرٹری، میں جماعتِ اسلامی کے اخبار کی نمائندگی کا حق کیسے ادا کرسکوں گا؟ میرا یہ موقف سُن کر میرے تایا جان نے کہا: ''جرائم کی جو وارداتیں ہوتی ہیں اور عدالتیں جو فیصلے کرتی ہیں، کیا ان خبروں کا تعلق کسی خاص جماعت سے ہوتا ہے''؟ میں نے عرض کیا: ''نہیں''۔ تب انہوں نے کہا کہ تم ''تسنیم'' کے لئے صرف ایسی خبریں ہی بھیجو گے۔ جماعتِ اسلامی کی سرگرمیوں کی خبریں جماعتِ اسلامی کے امیر خود ''تسنیم'' کو بھیج دیا کریں گے، اس طرح میرے تایا نے مجھے ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ''تسنیم'' کا نامہ نگار مقرر کرا دیا جس کی وجہ سے میں لاہور میں روزنامہ ''تسنیم'' کے دفتر جانے لگا، جہاں میری ملاقاتیں چیف ایڈیٹر جناب سعید ملک، جو جماعتِ اسلامی پنجاب کے امیر بھی رہے، ایڈیٹر جناب ارشاد احمد حقانی، جو اس وقت جماعتِ اسلامی کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات بھی تھے، پبلشر جناب مصطفیٰ صادق اور اسسٹنٹ ایڈیٹر جناب آباد شاہ پوری سے ہونے لگیں، اس دوران ہمارے محلہ کی مسجد، توکلی مسجد، میں جس کی بنیاد میرے والدِ محترم قاضی سراج الدین سرہندی نے اس وقت رکھی تھی جب وہ میونسپل کمیٹی ٹوبہ ٹیک سنگھ کے رکن اور بعد ازاں وائس پریذیڈنٹ منتخب ہوئے، جماعتِ اسلامی ٹوبہ ٹیک سنگھ کا ایک اجتماع منعقد ہوا جس میں لائل پور سے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ، چودھری عبدالحمیدؒ خان، جناب چودھری علی احمد خان اور چودھری محمد احمد بھی شریک ہوئے۔ یہ سب جماعتِ اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ انہوں نے اس اجتماع سے خطاب کیا اور ''تسنیم'' کے نامہ نگار کی حیثیت سے میرے تایا

Marfat.com

مجھے بھی اس اجتماع میں لے گئے جہاں مولانا عبدالرحیم اشرفؒ سے میری پہلی بار ملاقات ہوئی۔ جماعتِ اسلامی کے کارکن اور رہنما اپنے خاص لباس، شلوار قمیض، قمیض پاجامہ، اچکن، شیروانی اور قراقلی ٹوپی کی وجہ سے اپنی امتیازی شناخت رکھتے تھے اور عام لوگوں میں بیٹھے ہوئے اپنی الگ پہچان کے حامل تھے۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ اپنے مطب اور جماعتِ اسلامی سے متعلق سرگرمیوں کے علاوہ اس وقت ایک ہفت روزہ المنیر بھی شائع کرتے تھے۔ یہ ڈیکلریشن تو چنیوٹ کے ایک صحافی جناب جاوید جوئیہ کے نام تھا، مگر مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے یہ ڈیکلریشن کچھ شرائط پر ان سے مستعار لے لیا تھا۔ ہفت روزہ المنیر جماعتِ اسلامی اور اس کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے فکر و فلسفہ کا ترجمان تھا، لاہور سے ملک نصر اللہ خان عزیز کی ادارت میں ہفت روزہ ''کوثر''، کراچی سے سید اسعد گیلانی کی زیرِ ادارت ہفت روزہ ''جہانِ نو'' اور چودھری غلام محمد کی ملکیت اور جنابِ نعیم صدیقی کی ادارت میں شائع ہونے والا ماہنامہ ''چراغِ راہ'' اس وقت جماعتِ اسلامی کے ترجمان جرائد میں نمایاں تھے۔ مولانا مودودیؒ کا اپنا جریدہ ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' تو جماعتِ اسلامی کے کارکنوں کے لئے فکری غذا مہیا کرنے کا سب سے مؤثر ہتھیار تھا۔ اس کے علاوہ مولانا ماہر القادری کا ماہنامہ ''فاران'' کراچی، سید حسن ریاض کا ہفت روزہ ''مقاصد'' کراچی، اور ابو صالح اصلاحی اور بشیر احمد ارشد کی زیرِ ادارت شائع ہونے والا ماہنامہ ''یثرب'' لاہور، بھی جماعتِ اسلامی کے ہم نوا جرائد میں شامل تھے۔ کچھ عرصہ بعد مولانا عبدالرحیم اشرفؒ اور چودھری عبدالحمید خانؒ نے، جو اشرف میڈیکل ہال کو اب اشرف یونانی لیبارٹریز میں تبدیل کر کے کاروباری شراکت دار بھی بن گئے تھے اور یہ دواخانہ ماڈل ٹاؤن لائل پور میں کرایہ کی ایک عمارت میں منتقل ہو چکا تھا، لائل پور سے روزنامہ ''اعلان'' کی اشاعت کا آغاز کیا۔ روزنامہ ''اعلان'' کے مالک تو لائل پور کے ایک صحافی اختر رانا (اختر حسین خان رانا) تھے لیکن مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے ایک معاہدہ کے تحت یہ اخبار ان سے حاصل کر لیا اور اختر رانا ''اعلان'' میں نیوز ایڈیٹر کے فرائض انجام دینے لگے۔ اس اخبار کا دفتر کچہری بازار کی گلی وکیلاں میں واقع

Marfat.com

چودھری عبدالحمید خانؒ کی رہائش گاہ کے ایک یا دو بیرونی کمروں میں قائم کیا گیا۔ اعلان کے عملۂ ادارت میں جناب کمال سالار پوری بھی شامل تھے جن کی ذات شاعر، صحافی اور سیاسی کارکن کا حسین امتزاج تھی، جن سے اُسی دور میں راہ و رسم ہوئی، وہ بعد کے سالوں میں جماعتِ اسلامی کے کسان بورڈ کے سربراہ بھی رہے۔ جب مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے مجھے ٹوبہ ٹیک سنگھ میں روزنامہ ''اعلان'' کا نامہ نگار بنایا تو میں اس اخبار کا نیوز ایجنٹ بھی رہا اور ہر صبح لائل پور سے آنے والی ٹرین سے اس کا بنڈل وصول کر کے خریداروں تک پہنچانا بھی میرے فرائض میں شامل تھا۔ میں روزنامہ ''اعلان'' کے نامہ نگار کی حیثیت سے سیلاب زدہ علاقوں کے دورے پر گیا۔ شورکوٹ روڈ ریلوے جنکشن سے خانیوال کی طرف جاتے ہوئے، شورکوٹ اور عبدالحکیم ریلوے سٹیشنوں کے درمیان ایک ریلوے سٹیشن سے کچھ فاصلہ پر ایک نہر کے کنارے سیلاب زدہ لوگوں نے بڑی تعداد میں پناہ لے رکھی تھی۔ نہر اور ریلوے سٹیشن کے مابین سیلاب کا پانی تھا۔ میرا شوقِ اخبار نویسی مجھے اس پانی میں لے گیا جس کی گہرائی کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ میں ایک دُبلا پتلا پندرہ سال کی عمر کا نامہ نگار، اس پانی میں ڈوبتے ہوئے بچا۔ پانی میری قمیض کی جیب تک پہنچ گیا تھا جہاں مجھے اپنی قیمتی متاع، روزنامہ ''اعلان'' کے نمائندگی کے کارڈ کی حفاظت کی فکر ستا رہی تھی۔ جب میں بمشکل نہر پر پہنچا تو سب سے پہلے میں نے یہ کارڈ ہی جیب سے نکال کر دیکھا جس پر ہاتھ سے لکھی ہوئی عبارت اور چودھری عبدالحمید خان کے دستخطوں کو سیلاب کا پانی متاثر کر چکا تھا۔ سیلاب سے متاثر یہ کارڈ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کے روزنامہ ''اعلان'' کی یاد تازہ کرنے کے لئے اب بھی میرے پاس محفوظ ہے۔

جب 1957ء میں جماعتِ اسلامی کا سالانہ اجتماع، رحیم یار خان کے قریب ماچھی گوٹھ میں منعقد ہوا، جہاں انتخابات میں براہِ راست حصہ لینے کے مسئلہ پر جماعتِ اسلامی کے بعض اکابر نے مولانا مودودی مرحوم کی حکمتِ عملی سے اختلاف کا اظہار کیا تو میرے تایا جان قاضی نصیرالدین مرحوم کے پاس آنے جانے والے جماعتِ اسلامی کے

Marfat.com

ارکان کی گفتگو سے مجھے ان اختلافات کی سُن گُن ملنے لگی۔ ان گفتگوؤں سے ہی پتہ چلا کہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ، ڈاکٹر مسعود الدین حسن عثمانیؒ، مولانا عبدالغفار حسنؒ، مولانا عبدالرحیم اشرفؒ، جنابِ سعید ملکؒ، جناب ارشاد احمد حقانیؒ اور جنابِ مصطفیٰ صادقؒ نے انتخابات میں حصہ لینے کی مخالفت کی، لیکن جماعت کے ارکان نے رائے شماری میں واضح اکثریت سے مولانا مودودیؒ کی حکمتِ عملی کی تائید و حمایت کر دی۔ مجھے ان گفتگوؤں سے ہی پتہ چلا کہ جناب ارشاد احمد حقانیؒ نے روز نامہ ''تسنیم'' کی ادارت سے مستعفی ہونے کا اعلان کر دیا ہے اور ''تسنیم'' کے عملۂ ادارت کے جن ارکان نے اس اجتماع میں مولانا مودودیؒ کی سوچ اور لائحہ عمل سے اختلاف کا اظہار کیا ہے وہ اخبار سے از خود مستعفی ہو رہے ہیں یا مولانا مودودیؒ انہیں اس بنیاد پر اخبار سے الگ کرنے والے ہیں کہ چونکہ جس پالیسی پر رائے عامہ ہموار کرنے کا فریضہ ان اصحاب نے ادا کرنا ہے اُس کی جڑ، بنیاد سے انہیں اختلاف ہے، اس بنا پر وہ اب ادارت کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے اہل نہیں رہے۔ روز نامہ ''تسنیم'' کے ناشر اور اسسٹنٹ ایڈیٹر جنابِ مصطفیٰ صادقؒ بھی ان اصحاب میں شامل تھے جو ''تسنیم'' سے الگ ہو گئے۔ روز نامہ ''تسنیم'' کے نامہ نگار کی حیثیت سے کام کے دوران میری جنابِ ارشاد احمد حقانیؒ اور جنابِ مصطفیٰ صادقؒ سے دفتر ''تسنیم'' میں کئی ملاقاتیں ہو چکی تھیں، جب میں نے روز نامہ ''امروز'' میں جماعت اسلامی کے اندر اختلافات کی خبریں اور ارشاد احمد حقانیؒ کے استعفیٰ کی خبریں شائع کیں تو میں مولانا عبدالرحیم اشرفؒ، ارشاد احمد حقانیؒ اور مصطفیٰ صادقؒ کی توجہ کا مرکز بن گیا اور جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ ''تسنیم'' سے الگ ہو جانے کے بعد جناب مصطفیٰ صادقؒ، لاہور سے لائل پور منتقل ہو گئے ہیں اور انہوں نے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کے ہفت روزہ المنبر کی ادارت کے فرائض سنبھال لئے ہیں تو میں ان سے ملاقات کے لئے جناح کالونی میں اشرف لیبارٹریز گیا۔ المنیر اور المنبر کے ضمن میں یہ لطیفہ قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث بنے گا۔ جب کئی سال المنیر شائع کرنے کے بعد مولانا عبدالرحیم اشرفؒ المنبر کے نام سے اپنے ہفت روزہ کا ڈیکلریشن لینے میں کامیاب ہو گئے تو انہوں نے

Marfat.com

المنبر جاوید جوئیہ کو واپس دے دیا۔ جب المنبر دوبارہ جاوید جوئیہ نے خود نکالا تو اس کے پہلے شمارے میں انہوں نے مقالہ خصوصی سپردِ قلم کیا جس میں نہایت افسوس کے ساتھ یہ لکھا کہ میں نے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کو المنبر دیا تھا۔ انہوں نے اب اپنا ہفت روزہ المنبر نکال لیا ہے، گویا المنبر کا صرف ایک نقطہ ہی مجھے واپس کیا ہے اور باقی حروف المنبر کی صورت میں خود رکھ لئے ہیں۔ چند ماہ ہی گزرے تھے جناب مصطفیٰ صادق کو ہفت روزہ المنبر میں کام کرتے ہوئے کہ ممتاز صنعت کار سعید سہگل کے روزنامہ ''آفاق'' میں، پہلے بحیثیت سب ایڈیٹر، پھر نیوز ایڈیٹر اور آخر میں ریذیڈنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے انہیں کام کرنے کی پیش کش ہوئی جوان کے عزیز دوست جناب زکریا ساجد کی کوشش کا نتیجہ تھی، جو اس وقت روزنامہ ''آفاق'' لاہور میں نیوز ایڈیٹر تھے (اور کئی سال بعد کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ صحافت کے سربراہ بن کر ریٹائر ہوئے)۔ ''آفاق'' میں شمولیت کے چند ہفتوں بعد مصطفیٰ صادق صاحب، لائل پور سے ٹوبہ ٹیک سنگھ تشریف لائے، میں میٹرک کا امتحان دے کر رزلٹ کا انتظار کر رہا تھا اور رزلٹ آنے کے بعد گورنمنٹ کالج لائل پور میں داخلہ لینے کا خواہاں تھا۔ مصطفیٰ صادق صاحب میرے دادا قاضی محمد اصغر سرہندی اور میرے والد قاضی سراج الدین سرہندی اور میرے تایا قاضی نصیرالدین سرہندی سے ملے، ہمارے گھر پر ہی قیام کیا اور مجھے تعلیم کے لئے لائل پور آنے کی صورت میں روزنامہ ''آفاق'' میں سب ایڈیٹر یا سٹاف رپورٹر کی حیثیت سے کام کرنے کی دعوت دی۔

اس طویل تمہید کا مدعا یہ ہے کہ مصطفیٰ صادق چونکہ ہفت روزہ المنبر مرتب کر رہے تھے اور مئی 1958ء میں یہ خاکسار بھی روزنامہ ''آفاق'' میں ان کے ساتھ جا ملا تو یہیں سے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کے ساتھ گہرے رشتوں کا آغاز ہوا۔ انہوں نے مجھ ناچیز کی بے حد وحساب حوصلہ افزائی کی۔ مجھے ہفت روزہ المنبر کی ادارت کا کام سونپ دیا اور اسی پر اکتفا نہیں کیا، میں کافی عرصہ تک اُن کے خالص فنی جریدہ، ماہنامہ ''راہنمائے صحت'' کا ایڈیٹر بھی رہا۔ میری ناز برداری کے لئے انہوں نے کرائے کے اُنہی دو کمروں میں سے ایک

Marfat.com

کو میرا دفتر بنا دیا جہاں میں رہائش پذیر تھا، یہ جگہ روزنامہ ''آفاق'' کے دفتر کے بالکل ساتھ تھی۔ آفاق کا دفتر 17-جناح کالونی میں تھا اور مصطفیٰ صادق صاحب اور میری رہائش 19-جناح کالونی میں تھی۔ وہ اوپر کے حصے میں رہتے تھے جو ایک کمرے پر مشتمل تھا اور دوسرا کمرہ جو دراصل برآمدہ تھا، چقوں کے ذریعے بنایا گیا تھا۔ میری رہائش زیریں حصے میں تھی جہاں میرے والدین بھی ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لائل پور آ کر میرے ساتھ ہی سکونت پذیر تھے۔ میں گورنمنٹ کالج میں پڑھتا تھا۔ رات کو ''آفاق'' میں کام کرتا تھا اور اب دن کا کچھ وقت المنبر اور ''راہنمائے صحت'' کے لئے دینے لگا۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ ایک نہایت شائستہ اور نرم خُو انسان تھے، وہ مجھ سے میرے والد کی طرح ہی شفقت و محبت کا برتاؤ کرتے، اور والد صاحب کا کاروبار چونکہ ٹوبہ ٹیک سنگھ اور گوجرہ میں خسارہ کا شکار ہو چکا تھا، اس لئے وہ نہ صرف میری مالی ضروریات کا خیال رکھتے بلکہ انہوں نے میرے والد صاحب کو بھی اشرف لیبارٹریز میں منیجر کی حیثیت سے کام کرنے پر آمادہ کر لیا، اور میرا چھوٹا بھائی معراج ظفر بھی والد صاحب کے ساتھ اشرف لیبارٹریز میں ہی کام کرنے لگا۔ دو سال بعد دماغی عارضہ کے باعث وہ انتقال کر گیا، جس کی رحلت کے صدمہ کے باعث والد صاحب بھی اشرف لیبارٹریز چھوڑ کر واپس ٹوبہ ٹیک سنگھ چلے گئے جہاں انہوں نے کئی سال مالی پریشانی میں گزارے تا آنکہ میرے چچا قاضی محمد عبداللہ، انہیں جڑانوالہ اپنی فلور ملز میں لے گئے جو انہوں نے پٹہ پر لے رکھی تھی اور بعد ازاں وہ اکبر فلور ملز، نشاط آباد لائل پور میں آ گئے جو میرے چچا صاحب نے خرید لی تھی۔

1959ء میں روزنامہ ''آفاق'' کی انتظامیہ نے جناب ملک مظفر احسانی کو روزنامہ ''آفاق'' لائل پور کا ایڈیٹر انچارج مقرر کر دیا۔ ریذیڈنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے نام تو اب بھی جناب مصطفیٰ صادق کا چھپ رہا تھا، لیکن انتظامیہ کی کوشش تھی کہ مظفر احسانی اخبار کا پورا کنٹرول سنبھال لیں۔ میں ان دنوں رات کو سب ایڈیٹر کا کام کرنے کے علاوہ روزنامہ ''آفاق'' کے آخری صفحہ پر ''گھنٹہ گھر سے گھنٹہ گھر تک'' کے عنوان سے ایک کالم لکھتا تھا۔ کالم

Marfat.com

کا لفظ تو اردو صحافت میں بہت بعد میں آیا، اس دور میں اسے ڈائری کا نام دیا جاتا تھا۔ مظفر احسانی نے ایک روز شائع ہونے والی ڈائری کے بعض مندرجات پر اعتراض کیا اور مجھے اس کے قانونی نتائج سے ڈرانے کی کوشش کی، جس پر میں نے انہیں کہا کہ آپ کا نام تو اخبار پر شائع نہیں ہوتا، پرنٹ لائن میں مصطفیٰ صادق کا نام چھپتا ہے اور ڈائری پر میرا نام۔ قانونی گرفت ہوگی تو ہم دونوں کی ہوگی۔ آپ اس اندیشہ میں کیوں مبتلا ہو رہے ہیں؟ قارئین کو یاد دلاتا چلوں کہ یہ مظفر احسانی وہی صاحب تھے جنہیں ممتاز دولتانہ کی حکومت نے روزنامہ ''نوائے وقت'' پر پابندی عائد کر کے، کئی روز بعد اس کا ڈیکلریشن انہیں دے دیا تھا اور جب دولتانہ صاحب نے ''نوائے وقت'' سے پابندی اٹھائی تو حمید نظامی صاحب نے کچھ دے دلا کر ان سے دوبارہ ڈیکلریشن حاصل کیا تھا۔ مظفر احسانی صاحب سے گفتگو میں بدمزگی بڑھتی چلی گئی اور میں نے کچھ دن پہلے ان کے ارادے بھانپ کر چند فقروں پر مشتمل استعفیٰ لکھ کر اپنی جیب میں رکھ لیا تھا جو میں نے جیب سے نکالا اور تاریخ لکھ کر مظفر احسانی صاحب کو تھما دیا، یہ استعفیٰ دے کر میں 17- جناح کالونی سے نکل کر اپنی قیام گاہ 19- جناح کالونی پہنچا ہی تھا کہ ''آفاق'' کا چپڑاسی میرے پیچھے پیچھے، میرے استعفیٰ کی منظوری کا خط لے کر میرے پاس پہنچ گیا۔ اس طرح ''آفاق'' میں میری ملازمت ختم ہوگئی۔

میری ''آفاق'' سے علیحدگی کے بعد مصطفیٰ صادق صاحب کئی ماہ وہیں رہے، میں نے اس دوران پاک نیوز سروس کے نام پر مقامی اخبارات کو لائل پور کی خبریں فراہم کیں۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور کے بیورو چیف کے طور پر تین ماہ آزمائشی طور پر کام کیا۔ ڈیلی بزنس رپورٹ، جو ایک تجارتی اخبار کی بجائے سیاسی اخبار کے طور پر صبح شائع ہونے لگا تھا، میں نے بطور نیوز ایڈیٹر کچھ وقت گزارا۔ چند ماہ بعد مصطفیٰ صادق بھی ''آفاق'' سے الگ ہو کر ''قافلہ سخت جاں'' میں شامل ہو گئے۔ مقامی اخبارات ہماری خبر ایجنسی کے سب سے بڑے خریدار تھے مگر ماہانہ معاوضہ بروقت ادا نہیں کرتے تھے۔ یہاں بھی مولانا عبدالرحیم اشرفؒ ہماری مدد کو آ گئے۔ اشرف لیبارٹریز مقامی اور قومی اخبارات میں اپنے

Marfat.com

دواخانہ کے اشتہارات دیتی تھی۔ ہم نے مولانا سے درخواست کی کہ آپ کے اشتہارات کی ڈیزائننگ ہم کریں گے، اشتہارات آپ پاک نیوز سروس کے ذریعے جاری کریں، ہم یہ اشتہارات اخبارات میں چھپوائیں گے جنہیں ادائیگی اپنی نیوز سروس کے بل کی رقم منہا کر کے کریں گے۔ اس طرح ہمیں ادائیگی بروقت ہونے لگی، نہ صرف پاک نیوز سروس کو استحکام ملا بلکہ ہم نے خبر ایجنسی اور اشتہارات کے شعبوں کو الگ الگ کر دیا اور اشتہارات کے شعبے کا نام پاک ایڈورٹائزرز رکھ دیا گیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کوہ نور ٹیکسٹائل ملز کے سوا لائل پور کی تمام بڑی بڑی ملیں ہماری ایجنسی کے ذریعے اشتہارات چھپوانے لگیں۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ سے شب وروز تعلق گہرا ہوتا چلا گیا، ہم دن میں جامع مسجد جناح کالونی کے سامنے واقع اشرف لیبارٹریز میں چلے جاتے اور کئی کئی گھنٹے مولانا کے ساتھ گزارتے۔ مولانا کے پاس مریضوں کی آمدورفت ہی کچھ کم نہ ہوتی تھی، علماءِ کرام، سیاسی کارکنوں، سماجی ودینی جماعتوں کے قائدین اور اخبار نویسوں کا، مولانا کے ہاں تانتا بندھا رہتا، چائے کے وقت چائے، کھانے کے وقت کھانا اور گفتگو کا سلسلہ تو کبھی نہ ختم ہونے والا، پھر نمازِ مغرب یا نمازِ عشاء کے بعد جناح کالونی میں ہی ان کے گھر پر حاضری، وہاں بھی کھانا اور چائے کے کئی کئی دَور، المنبر اور ''راہنمائے صحت'' کو اور زیادہ معیاری بنانے پر بات چیت، کبھی کبھی مولانا زیادہ ہی اچھے مُوڈ میں ہوتے تو ہمیں نمازِ عشاء کے بعد چوک گھنٹہ گھر میں، بھوانہ بازار اور امین پور بازار کے سنگم پر واقع کشمیر ہوٹل میں لے جاتے اور مرغ و ماہی سے ہماری تواضع کی جاتی۔ سچ پوچھیں تو مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کے دسترخواں جیسا لُطف پھر کبھی نہ آیا۔ بڑے نام وَر علماء اور اہلِ سیاست ان کے ہاں کھانے پر مدعو ہوتے۔ یہ بھی ان کی غیر معمولی شفقت واخلاص ہی تھا جس کی وجہ سے اس عاجز کو اپنے دور کی برگزیدہ شخصیتوں کی صحبت میں بیٹھنے اور ان کے چشمۂ فیض سے استفادہ کا موقع ملتا رہا۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی وساطت سے جن بڑی شخصیتوں سے ملاقات کا شرف حاصل رہا، ان میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (علی میاں)، مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدیر الفرقان لکھنؤ،

Marfat.com

مولانا امین احسن اصلاحیؒ، مولانا عبدالجبار غازیؒ، شیخ سلطان احمدؒ، مولانا مفتی زین العابدینؒ، ڈاکٹر اسرار احمدؒ، مفتی سیاح الدین کاکا خیلؒ، مولانا تاج محمودؒ، مولانا عبدالغفار حسنؒ، پروفیسر مرزا محمد منورؒ، پروفیسر سید کرامت حسین جعفریؒ، حکیم سلطان احمد داؤدیؒ، چودھری محمد افضل چیمہؒ (سابق سینئر ڈپٹی سپیکر قومی اسمبلی)، خان شیریں گل خانؒ (صدر انجمن اصلاح معاشرہ)، حکیم یوسف حسنؒ (سابق ایڈیٹر ماہنامہ نیرنگِ خیال) جیسی نادر روزگار شخصیتیں شامل تھیں۔ ان شخصیتوں میں ایک بابرکت نام کا ذکر سب سے پہلے ہونا چاہئے تھا اور وہ تھے حاجی برکت علیؒ (جنہیں حکیم صاحبؒ، مولوی برکت علیؒ کے نام سے یاد کرتے تھے کیونکہ وہ قیام پاکستان کے فوری بعد جماعت اسلامی میں شامل ہوئے اور مولوی برکت علیؒ کہلائے اور فریضۂ حج کی سعادت حاصل ہونے پر اپنے احباب میں حاجی برکت علیؒ کے نام سے معروف ہوئے)، مولانا عبدالرحیم اشرفؒ اور حاجی برکت علیؒ باہم دوستی اور اخوت کے لازوال رشتوں میں منسلک تھے، وہ لاہور میں شاہ ابوالمعالی روڈ پر، ظہیر کین ہاؤس کے نام سے کین تیار اور فروخت کرنے کا کاروبار کرتے تھے۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ جب لاہور جاتے تو حاجی صاحب کی دوکان کے قریب واقع لاہور ہوٹل میں قیام کرتے اور جب 1965ء میں کوچہ اسمٰعیل حسین، دل محمد روڈ پر ان کا اپنا مکان بن گیا تو مولانا ان کے مکان پر ہی قیام کرنے لگے۔ حُسنِ اتفاق یہ ہوا کہ جب مصطفیٰ صادق صاحب اور اس خاکسار نے اپریل 1965ء میں لاہور سے شام کا اخبار روزنامہ ''وفاق'' شروع کیا، تو ہم دونوں نے بھی ان کے مکان کے ایک حصے میں ڈیرے ڈالے اور کئی سال تک ان کی سرپرستی اور ہمسائیگی کی برکات سے فیض یاب ہوتے رہے۔ ہمارے لائل پور کے قیام کے دوران حاجی برکت علیؒ ہفتہ میں ایک دو بار وہاں ضرور آتے، ان کا قیام مولانا اشرفؒ کے ہاں ہی ہوتا اور وہ ان کے ذاتی اور کاروباری معاملوں میں ہی مشیر نہیں تھے بلکہ ان کے سیاسی معاملوں میں بھی ان کے بہترین مشیر رہے۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی زندگی پر قلم اٹھایا ہے تو موضوعات کا چمنستان کِھل رہا ہے۔ وہ جماعتِ اسلامی کے ممتاز قائدین میں شمار ہوتے تھے، مگر انتخابی سیاست میں حصہ

Marfat.com

لینے پر انہیں مولانا مودودیؒ کی رائے اور حکمتِ عملی سے اختلاف ہو گیا۔ پھر مودودی صاحبؒ سے اختلاف کرنے والے ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ بعض اصحاب کی رائے تھی کہ ایک نئی جماعت تشکیل دی جائے اور بعض کا خیال تھا کہ جماعت اسلامی سے الگ ہونے والوں کو اب کسی جماعت کے قیام کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہئے اور اپنی ساری توجہ تعلیم و تدریس کے شعبے پر مرکوز کرنی چاہئے۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کا ہفت روزہ المنیر اور بعد میں ہفت روزہ المنبر ان کے فکر و فلسفہ کے آئینہ دار رہے۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے جامعہ تعلیمات اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ ابتداء میں اس کا کام جناح کالونی کی ایک کوٹھی کے ایک دو کمروں میں ہوا۔ جماعت اسلامی سے علیٰحدگی اختیار کرنے والی ممتاز علمی شخصیت حضرت مولانا عبدالغفار حسنؒ کو اس کی سربراہی کا فریضہ سونپا گیا، جو بڑی لگن سے یہ ذمہ داری ادا کرتے رہے۔ بعد ازاں انہیں مدینہ یونیورسٹی میں حدیث کی تدریس کی پیشکش ہوئی جو انہوں نے قبول کر لی۔ مولانا اشرفؒ نے طب کی تعلیم کے لئے بھی جامعہ طبیہ اسلامیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ اب ماشاء اللہ یہ دونوں ادارے سرگودھا روڈ پر اپنی عمارتوں میں منتقل ہو چکے ہیں اور فیض کے ان چشموں سے ہر سال سینکڑوں نوجوان فیض یاب ہو رہے ہیں۔ یہ وہ صدقۂ جاریہ ہے جو ان شاء اللہ ان کے درجات کی بلندی اور مغفرت و بخشش کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

روزنامہ ''آفاق'' سے الگ ہو جانے کے بعد مصطفیٰ صادق صاحب اور خاکسار نے پاک نیوز سروس اور پاک ایڈورٹائزرز دو ادارے قائم کئے۔ پاک ایڈورٹائزرز لائل پور کی اہم اشتہاری ایجنسی بن کر ابھری۔ ہم نے دوسرے اخبارات و جرائد کی طرح آغا شورش کاشمیریؒ کے ہفت روزہ ''چٹان'' میں بھی لائل پور کے صنعتی و تجارتی اداروں کے اشتہارات شائع کرائے۔ ان دنوں میں میرا قلمی نام شورش پاکستانی تھا۔ آغا صاحب نے اپنے ہفت روزہ میں مجھے لائل پور میں ''چٹان'' کا نمائندہ مقرر کرنے کا اشتہار بھی شائع کیا۔

ہم نے 25 دسمبر 1959ء کو ہفت روزہ ''وفاق'' کے اجراء کا فیصلہ کیا۔ اس کا

Marfat.com

اشتہار ''نوائے وقت'' کے صفحۂ اوّل پر شائع ہوا۔ اشتہار میں یہ بات بھی شامل تھی کہ یہ ہفت روزہ مصطفیٰ صادق اور شورش پاکستانی کی زیرادارت شائع ہوگا۔ یہ اشتہار شائع ہی ہوا تھا کہ ہمیں آغا شورش کاشمیریؒ کی برہمی اور ناراضی کی خبریں ملنے لگیں۔ سب سے پہلے یہ خبر ممتاز شاعر جناب حافظ لدھیانویؒ کے ذریعے ہمیں ملی، جو آغا صاحب سے ملاقات کے لئے ''چٹان'' کے دفتر میں گئے تھے۔ پھر یہ کوئی خفیہ خبر نہ رہی اور آغا صاحب نے ''چٹان'' میں ایک شذرہ ''لائل پور میں جعلی شورش'' کے نام سے لکھ مارا۔ یہ شذرہ شائع ہونے کے بعد ہمارے حلقہ احباب میں یہ ایک اہم موضوع بن گیا۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کے گھر پر نمازِ عشاء کے بعد ہماری حاضری روز کا معمول تھا۔ اس شب جب ''چٹان'' میں یہ شذرہ شائع ہوا، مولانا کے ساتھ نشست میں یہ موضوع بھی زیرغور آیا۔ مولانا کی رائے تھی کہ مجھے اپنا نام تبدیل کر لینا چاہیے۔ میرا خیال تھا کہ اگرچہ میرے والدین نے میرا نام تاج الدین رکھا تھا مگر جب 1953ء میں ٹوبہ ٹیک سنگھ ریلوے سٹیشن پر ایک اجتماع میں قادیانیوں کے خلاف ایک نظم پڑھنے پر مجھے گرفتار کیا گیا اور لوگوں نے مجھے شورش کہنا شروع کر دیا تو میں نے پہلے تاج شورش اور پھر شورش پاکستانی کے نام سے سیاسی اور صحافتی میدان میں کام کیا، اس طرح 1953ء سے 1959ء تک میں نے جو نام کمایا وہ ضائع ہو جائے گا اور مجھے عملی زندگی میں نئے نام سے ازسرِنو جدوجہد کا آغاز کرنا ہوگا، مگر آغا شورش کاشمیری کی ناراضی کے پیشِ نظر مولانا اشرفؒ کی رائے ماننے کا ہی فیصلہ ہوا۔ اسی نشست میں انہوں نے شورش پاکستانی کی بجائے جمیل اطہر کا نام تجویز کیا اور اگلے روز شورش پاکستانی کے نام سے سیاست و صحافت کی دنیا میں چھ سال متعارف رہنے کے بعد شورش پاکستانی ہمیشہ کے لئے پسِ منظر میں چلا گیا اور جمیل اطہر اُفقِ صحافت پر نمودار ہوا۔ یہ نام مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے عطا کیا تھا۔ اب ''وفاق'' کی پیشانی پر ادارۂ تحریر مصطفیٰ صادق، جمیل اطہر کے الفاظ درج تھے۔

1962ء میں ہم نے ہفت روزہ ''وفاق'' کو روزانہ اخبار بنانے کا فیصلہ کیا۔

Marfat.com

حقیقت میں یہ خواہش تو اس دن سے ہی موجود تھی جب ہم روزنامہ ''آفاق'' سے الگ ہوئے تھے اور ہم نے ڈیکلریشن کے لئے درخواست بھی روزنامے کے لئے ہی دی تھی، مگر یہ ایوب خان کا دور تھا اور ڈیکلریشن کا حصول قریب قریب ناممکن۔ مگر اتفاق یہ ہوا کہ پشتو زبان کے مشہور شاعر جناب فضل حق شیدا، اسسٹنٹ ڈائریکٹر بن کر پریس لاز برانچ میں آ گئے۔ اس وقت صدر ایوب خان نیا آئین نافذ کرنے والے تھے۔ مصطفیٰ صادق پریس لاز برانچ میں گئے، تو شیدا صاحب نے سوال کیا کہ اگر آپ کو ''وفاق'' روزانہ شائع کرنے کی اجازت دے دی جائے تو نئے آئین کے نفاذ پر آپ اپنے اخبار میں کیا لکھیں گے؟ مصطفیٰ صادق نے فوراً جواب دیا: ''اگر یہ آئین کتاب وسُنت کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہوا تو ہم اس کی مخالفت کریں گے''۔ شیدا صاحب ذہنی طور پر ایوبی آمریت کے خلاف تھے، انہوں نے یہ جواب سنتے ہی ''وفاق'' کو ہفت روزہ سے روزانہ شائع کرنے کے اجازت نامہ پر دستخط کر دیئے اور اس طرح روزنامہ ''وفاق'' کا اجراء عمل میں آیا، جس کی نیوز پرنٹ کی ضروریات کے لئے مالی اعانت کا وعدہ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے کیا تھا۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کو قادیانیت کے بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ پر ہمیشہ تشویش رہی، انہوں نے فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے عمر بھر ان تھک کام کیا۔ انہوں نے 1953ء کی تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوتؐ میں جیل بھی کاٹی اور قادیانیت کے خلاف کتابچے اور کتابیں بھی سپردِ قلم کیں۔ وہ اپنے جرائد کے ذریعے قادیانیت کے سربستہ رازوں کو بے نقاب کرنے کے لئے سینہ سپر رہے، انہوں نے اس مقصد کے لئے علماء کو بیدار اور منظم کرنے کے لئے بھی دن رات کام کیا۔ جب جنرل محمد ضیاء الحقؒ اقتدار میں آئے تو انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف چلائی گئی تحریکِ نظامِ مصطفیٰ کے اثرات کے تحت علماء سے خصوصی رابطوں کا اہتمام کیا۔ ان علماء کرام میں جن کا جنرل محمد ضیاء الحقؒ سے قریبی رابطہ استوار ہوا، حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ اور مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کے اسماءِ گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے صدر ضیاء الحق سے قریبی تعلق کو

Marfat.com

قادیانیوں کے خلاف اس تاریخی فیصلہ کے مابعد معاملات کو قانونی شکل دینے کے لئے استعمال کیا جو جناب ذوالفقار علی بھٹو نے نہ چاہتے ہوئے شدید عوامی دباؤ پر کیا تھا اور جس کے تحت سوادِ اعظم کا یہ تاریخی مطالبہ تسلیم کرلیا گیا تھا کہ احمدی خواہ وہ قادیانی ہوں یا لاہوری، غیر مسلم ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر کے علماء اور دینی جماعتوں کے رہنماؤں نے یہ مطالبہ منوانے کے لئے تاریخ ساز جدوجہد کی تھی، اس جدوجہد کی آخری منزل میں مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے مولانا مفتی زین العابدینؒ کی مدد سے صدر ضیاء الحقؒ کو نہایت اہم اقدامات پر آمادہ کیا، جن کے نتیجے میں قادیانیت کے فروغ اور نشو ونما کے کئی ایسے راستے جو کھلے رہ گئے تھے، بند کردیئے گئے۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی قائدانہ بصیرت وفراست اور اصلاحِ معاشرہ کے نصب العین سے ان کی وابستگی کی یوں تو بہت سی مثالیں ہیں جن کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے، مگر 1960ء میں جب گلی وکیلاں کچہری بازار سے دو نوجوان لڑکیوں کو سکول سے گھر آتے ہوئے اغوا کرلیا گیا تو ان کی بازیابی کے لئے شہر میں ایک زبردست تحریک چلائی گئی اور اس مقصد کے لئے انجمن اصلاحِ معاشرہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس تحریک کے دوران شہر کے ایک تاجر، خان شیریں گل خانؒ، جو صوبہ سرحد کے رہنے والے تھے اور لائل پور میں آکر آباد ہوئے تھے، ایک بڑی جاندار سیاسی وسماجی شخصیت کے طور پر اُبھرے۔ یہ اغواء شدہ بچیاں اس تحریک کے نتیجے میں بازیاب ہوئیں۔ مولانا مفتی زین العابدینؒ اور خان شیریں گل خان دونوں ہی اس تحریک کے نتیجے میں لائل پور کے اُفق پر آفتاب بن کر ابھرے۔ اس تحریک میں کلیدی کردار مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کا تھا۔ پھر اسی انجمن اصلاحِ معاشرہ نے چنیوٹ بازار اور امین پور بازار کے مابین گول بازار کو بازارِ گناہ سے پاک کرنے کا بیڑہ اُٹھایا، یہ تحریک بھی اپنے قائدین کے خلوصِ نیت کی بدولت کامیابی سے سرفراز ہوئی۔ شہر کے مرکز سے یہ بازارِ گناہ اس طرح ختم ہوا کہ وہاں رہنے والی عورتوں کے لئے باعزت رشتے تلاش کئے گئے اور انہیں انجمن اصلاحِ معاشرہ کے اکابرین نے باپ اور بھائی بن کر پیا

Marfat.com

گھر رخصت کیا۔ اس گول بازار کو پاک بازار کا نام دیا گیا۔ اس اصلاحی کام میں بھی مولانا عبدالرحیم اشرفؒ بہت پیش پیش رہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، روزنامہ ''وفاق'' کے اجراء میں مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی طرف سے اخباری کاغذ مہیا کرنے کی پیشکش کا بھی دخل تھا۔ اخبار جاری ہوئے ابھی کچھ ہی عرصہ ہوا تھا کہ ادارہ شدید مالی بحران کی لپیٹ میں آ گیا۔ اخبار کو زندہ رکھنے کی کوشش میں پاک نیوز سروس اور پاک ایڈورٹائزرز کا کام بالکل ختم ہو کر رہ گیا۔ پرانے مقامی روزناموں کے مالکوں اور مدیروں کی طرف سے شدید مخالفت اور پرنٹنگ پریس کے مسلسل عدمِ تعاون کے باعث لائل پور سے اخبار نکالتے رہنا قریب قریب ناممکن ہو گیا۔ ادھر رمضان المبارک کے آخری عشرے میں مولانا اعتکاف میں بیٹھ گئے اور ہم نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ حالتِ اعتکاف میں ہم نیوز پرنٹ کے حصول کے لئے ان کے مرہون منت ہوں۔ حالات سے پریشان ہو کر رمضان کے آخری دنوں میں ایک شب ہم نے لائل پور سے ہجرت کر کے سرگودھا سے اخبار نکالنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد سے مصطفیٰ صادق صاحب اور میں اگلے ہی دن سرگودھا چلے گئے جہاں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے پوتوں نے ثنائی برقی پریس میں ''وفاق'' چھاپنے پر خوش دلانہ آمادگی ظاہر کی اور سرگودھا کے مسلم لیگی رہنما اور سابق رکن پنجاب اسمبلی قاضی مرید احمد نے دفتر کے لئے سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا میں اپنی زیرِ تعمیر کوٹھی ہمیں کسی کرایہ کے بغیر دینے کی فراخدلانہ پیشکش کی، جسے ہم نے قبول کر لیا۔ سرگودھا منتقلی کا اجازت نامہ ملتے ہی ہم نے اپنے ساتھی کارکنوں کو اعتماد میں لیا جو سب کے سب ہمارے ساتھ لائل پور سے سرگودھا جانے کو تیار تھے۔ ایک ٹرک میں دفتر اور گھر کا سارا سامان لاد دیا گیا اور ''وفاق'' کے مالکوں اور کارکنوں پر مشتمل پوری جماعت، سرگودھا سے پہلا روزنامہ اخبار نکالنے کے لئے لائل پور سے سرگودھا منتقل ہو گئی۔ ہم اس جبری منتقلی کا سارا بوجھ آنے والے دَور میں ہلکے پھلکے انداز میں مولانا عبدالرحیم اشرفؒ پر ڈالتے رہے کہ آپ کے اعتکاف میں بیٹھنے کی وجہ سے ہمیں وفاق کو لائل پور سے سرگودھا لے جانے کا فیصلہ کرنا پڑا، کیونکہ اخبار

Marfat.com

کے لئے نیوز پرنٹ کی بہم رسانی ممکن نہ رہی تھی۔

1962ء سے 1965ء تک ہم وفاق سرگودھا کی اشاعت کے سلسلے میں سرگودھا میں اقامت پذیر ہوئے۔ اس دوران ہم تواتر کے ساتھ لائل پور جاتے رہے اور مولانا عبدالرحیم اشرفؒ سے ہمارے رابطے جاری رہے۔ 1965ء میں ہم نے وفاق کا ایک ایڈیشن لاہور سے نکالا، اتفاق دیکھئے کہ وفاق کا دفتر آغا شورش کاشمیریؒ کی ''چٹان بلڈنگ'' کے بالائی حصے میں قائم ہوا، اور اس سارے عرصہ میں آغا صاحب سے بہت اچھا تعلق رہا۔ جب جنگِ ستمبر کے بعد مغربی پاکستان کے گورنر جنرل (ر) محمد موسیٰ نے آغا شورش کاشمیریؒ کی گرفتاری کے احکام اس وقت جاری کئے جب ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر آغا صاحب کے رزمیہ نغمے گونج رہے تھے تو ان کی رہائی کی تحریک میں بھی ہم پیش پیش رہے۔ لاہور کے تمام ایڈیٹروں کی طرف سے آغا شورش کاشمیریؒ کی رہائی کی اپیل پر جناب مصطفیٰ صادق نے دستخط کرائے۔ یہ اپیل اخبارات میں شائع ہونے کے بعد ہی آغا صاحب کی رہائی ممکن ہوئی۔ ان کی رہائی پر شیزان ہوٹل میں استقبالیہ تقریب کا اہتمام بھی ادارہ ''وفاق'' کی طرف سے ہوا۔ اس طرح ''وفاق'' کے اجراء کے موقع پر شورش پاکستانی کے نام سے آغا صاحب نے جو بدمزگی پیدا کی تھی، ''چٹان'' بلڈنگ میں کئی سال قیام کے دوران اس کا تذکرہ تک نہ ہوا اور ہم بہت خوشگوار فضا میں 1969ء میں ''چٹان'' بلڈنگ سے رخصت ہو کر لاہور ہوٹل کے سامنے ایک عمارت میں منتقل ہو گئے۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کا لاہور میں قیام ''لاہور ہوٹل'' میں ہوتا تھا۔ 1964ء میں جب میں روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور سے وابستہ ہوا تو رہائش کے لئے میں نے لاہور ہوٹل میں ہی ایک کمرہ نما کوٹھڑی تین روپے روزانہ (90 روپے ماہانہ) کرایہ پر حاصل کی۔ اس وقت میری تنخواہ تین سو روپے ماہانہ تھی۔ جب مولانا لاہور آتے تو ان کے ساتھ ملاقاتیں رہتیں اور ان کے پاس آنے والی ممتاز شخصیات سے بھی راہ و رسم پیدا ہو جاتی۔ اُس زمانے میں میری صحت کی حالت اچھی نہیں تھی۔ نزلہ، زکام، کھانسی کا مریض، دُبلا پتلا،

Marfat.com

دھان پان، ہوا کے ایک جھونکے سے ہی گر جانے کا اندیشہ۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ میرے محسن، میرے مربّی، میری صحت کی اس ابتری پر فکر مند اور پریشان رہتے۔ کبھی ایک دوائی، کبھی دوسری دوائی، بعض اوقات دماغ لکھنے پڑھنے کے کسی کام پر آمادہ نہ ہوتا تو وہ ''دماغ افروز'' ایک ٹانک عطا فرماتے، خدا گواہ ہے کہ المنبر اور ''راہنمائے صحت'' کے دورِ ادارت میں میری کچھ کام کی تحریریں مولانا کی طبّی رہنمائی اور نگہداشت کی مرہونِ احسان تھیں۔ ''وفاق'' کے زمانۂ ادارت میں بھی وہ مسلسل میری ضرورت کے حساب سے ادویات بھیجتے رہتے تھے۔

مجھے ساری عمر اپنی نالائقیوں اور کوتاہیوں کا احساس رہا، حقیقت تو یہی ہے کہ میں کسی کام کے لائق نہ تھا، زیادہ سے زیادہ کسی اخبار کے دفتر میں چپڑاسی یا کلرک بھرتی ہو جاتا یا کسی سیاست دان اور ایڈیٹر کا جھولی بردار بن کر رہ جاتا، مگر مولانا عبدالرحیم اشرفؒ اور جناب مصطفیٰ صادق نے مجھے اٹھارہ سال کی عمر میں ایڈیٹر بنا دیا۔ ان سے بزرگوں کی مجلس میں شریک ہونے کے آداب اور گفتگو سننے اور کرنے کا قرینہ اور سلیقہ سیکھا، ان سے شعور حاصل کیا، آگہی سے آشنائی ہوئی اور دانش و بصیرت رکھنے والوں کی مجلسوں میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ فکری، نظریاتی اور علمی اعتبار سے ایک نہایت پختہ شخص تھے۔ انہوں نے اپنے لئے جو راہ منتخب کی، اس پر پوری استقامت اور ثابت قدمی سے جمے رہے۔ انہوں نے تحفظِ ختمِ نبوت کے لئے شب و روز کام کیا اور اس راہ میں کسی خوف اور لالچ کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیا۔ منشی محلّہ کی مسجد میں خطبۂ جمعہ ہو یا المنیر اور المنبر کے صفحات پر اظہارِ خیال، ربوہ کو چناب نگر قرار دینے کی جدوجہد ہو یا قادیانیوں کو اسلامی شعائر کے استعمال سے روکنے کی آئینی جدوجہد ہو، چنیوٹ میں سالانہ تحفظِ ختمِ نبوت کانفرنس ہو یا ملک کے کسی حصے میں ختمِ نبوت کی حفاظت کے نام پر ہونے والی کانفرنس یا جلسہ، پھر لائل پور کو شاہ فیصل سے منسوب کر کے اس کا نام فیصل آباد رکھنے کا مسئلہ، مولانا عبدالرحیم اشرفؒ ان سب محاذوں پر سرگرمِ عمل رہے۔ دینی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے بھی انہوں نے عمر بھر اَن تھک جدوجہد کی۔ اس کوشش میں وہ کبھی کامیاب

Marfat.com

ہوئے، کبھی ناکام، مگر وہ پسپا نہیں ہوئے اور نہ ہی ان کا عزم متزلزل ہوا۔ سچ بات یہ ہے کہ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ جیسے عزم وارادے کے انسان مائیں خال خال ہی جنتی ہیں۔ وہ قوم کو ان خطرات کی طرف مسلسل توجہ دلاتے رہے جو اس وقت وطنِ عزیز کے اُفق پر منڈلا رہے تھے اور آج جن کی شدت میں بہت اضافہ ہو چکا ہے۔ اس موقع پر ممتاز شاعر سیف الدین سیف کا شعر یاد آتا ہے۔ ؎

بڑے خطرے میں ہے حُسنِ گلستاں ہم نہ کہتے تھے
چمن تک آ گئی دیوارِ زنداں ہم نہ کہتے تھے

1977ء میں جب ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف تحریک چل رہی تھی، روزنامہ ''وفاق'' اس میں پیش پیش تھا اور اس حقیقت کے باوجود کہ مدیرِ ''وفاق'' جناب مصطفیٰ صادق کو بھٹو صاحب کا بہت قُرب حاصل تھا، اخبار ان کی آمریت کے خلاف صف آرا رہا۔ اس عرصہ میں مصطفیٰ صادق صاحب اور میرے مابین اختلافات بھی پیدا ہوئے اور چند روز کے لئے میں ناراض ہو کر گھر بیٹھ گیا اور دفتر جانا چھوڑ دیا۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کو اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، وہ لاہور آئے ہوئے تھے، انارکلی میں ادارہ اسلامیات سے انہوں نے دفتر ''وفاق'' فون کیا، جب انہیں پتہ چلا کہ میں نے دفتر جانا چھوڑ رکھا ہے تو انہوں نے مجھ سے گھر پر رابطہ کیا اور پھر گھر تشریف لے آئے اور اپنے مخصوص پیرایہ میں کہا: یہ گھر بیٹھنے کا وقت ہے؟ اور وہ بھی محاذ جنگ چھوڑ کر۔ تم کیسے سپاہی ہو کہ اپنا مورچہ خالی چھوڑ آئے ہو؟ مصطفیٰ صادق صاحب سے کہہ دو کہ لڑائی بھڑائی بعد میں ہوتی رہے گی، اب تو وقت ہے مورچہ سنبھال لینے کا۔ ان کی باتیں بہت اثر کرنے والی تھیں، میں ان کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا اور اپنا مورچہ سنبھالنے کے لئے پھر کمربستہ ہو گیا۔

آخر میں تبرک کے طور پر عاجز کے نام مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کا ایک مکتوب گرامی جو انہوں نے 19 نومبر 1962ء کو میرے نام لکھا، جب ہم نے ان سے روزنامہ ''وفاق'' سرگودھا کے سرگودھا ڈویژن نمبر کے لئے مضمون اور اشتہار کی درخواست کی تھی۔

Marfat.com

عزیز مکرم

مزاج گرامی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گرامی نامہ دستی ملا، یاد دہانی کا شکریہ! آپ نے مجھے ''وفاق'' کے سرگودھا ڈویژن نمبر میں اشرف لیبارٹریز کے تعارف میں پوری دلچسپی لینے کا ارشاد فرمایا ہے، درآنحالیکہ میری پوری دلچسپی صرف اس بات میں ہے کہ ہمارے آقا نے جو فرصت ہمیں اپنے آپ کو آئندہ کی زندگی میں نجات پانے والے گروہ میں شامل کرنے کے لئے عطا فرمائی، چونکہ یہ مدت بڑی تیزی سے ختم ہو رہی ہے اور بالخصوص جس برق رفتاری سے اس دور میں انسان رختِ سفر باندھے بغیر مجبورِ سفر ہو رہے ہیں، اس لئے ساری دلچسپی تو اس سفر کی تیاری اور اپنی نجات ہی کے لئے ہونی چاہئے اور جو کام ہم یہاں کر رہے ہیں ان کو اسی سفر کے وسیلے ہی کی حیثیت سے اختیار کرنا چاہئے، ہر وہ کام ہماری فہرست سے خارج ہو جائے جو اس سفر کی تیاری میں رخنہ اندازی کا باعث ہو سکتا ہو اور ہر وہ کام ہماری کاوشوں کو جذب کرے جو اس لمبے، مشکل اور کامل طور پر تنہائی کے سفر کو بہتر بنا سکتا ہو۔

اسے آپ وعظ کہہ کر ٹالئے نہیں، ''پوری دلچسپی'' کا مستحق تو یہی کام ہے! اور آپ سے تعلق کی بنا پر ایک عرصے کے بعد جو عرض معروض کا موقع ملا ہے تو اس کا اعادہ ضروری محسوس ہوا۔

لٹریچر قسم کی اشیاء دوبارہ ارسال کر رہا ہوں، آپ کا اپنا لکھا ہوا بھی اس میں شامل ہے۔ امید ہے کہ آپ ہر دو حضرات ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ امر لائقہ سے مطلع فرمائیں۔ کچھ ضروری کتابیں، آپ کے پاس ہوں گی، کیا بھجوا کر ممنون فرمائیں گے؟

والسلام

عبدالرحیم اشرف

Marfat.com

یہ خط اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ نصیحت، خیر خواہی اور آخرت کے لئے فکر مندی اور تیاری کی طرف توجہ دلانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے تھے۔

خط کے آخر میں انہوں نے اشرف لیبارٹریز کے اُس تعارفی مواد کی طرف اشارہ کیا ہے جو میں نے 60-1959ء میں مرتب اور تحریر کیا تھا۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ جنہیں مولانا ماہر القادریؒ ہی ''مولانا محمد اشرف'' نہ لکھتے تھے اور بھی کئی اصحاب ان کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں مولانا محمد اشرف لکھ دیتے، حقیقت میں ایک نابغہ اور عبقری تھے، وہ پاکستان میں اسلامی انقلاب کا خواب اپنے ذہن میں سجائے ہوئے تھے، ان کے قلم سے نکلنے والے شہ پارے ان کی اسلام سے بے پایاں محبت اور پاکستان کی عظمت و رفعت اور استحکام و سالمیت کی تمنا اور آرزو کی خوشبو میں بسے ہوتے تھے، افسوس! ان کی رحلت سے قوم اپنے ایک فرزندِ جمیل اور بطلِ جلیل سے محروم ہوگئی۔

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

Marfat.com

فیصل آباد کا بانی

مجیب الرحمن شامی ☆

وہ نہ تو مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں تھے نہ شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی، نہ ہی انہیں ہمدرد الملک حکیم محمد سعید دہلوی کے مماثل قرار دیا جاسکتا تھا وہ تو بس اپنی طرز اور اپنی ادا کے مالک تھے۔ حکیم عبدالرحیم اشرف تھے۔ اپنی مثال آپ اور اپنی رفتار آپ۔ ایک دوا ساز ادارے کی بنیاد رکھی اور اسے شہرت کی بلندیوں تک پہنچایا۔ اشرف لیبارٹریز فیصل آباد کا نام ہمدرد اور قرشی انڈسٹریز کے مقابلے میں بہت کم سہی لیکن دوسرے بہت سے اداروں کے مقابلے میں معروف اور ممتاز ہے۔

طبِ مشرق کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ جس سے وابستہ بہت سے افراد انفرادی کے ساتھ ساتھ اجتماعی امراض کا علاج کرنے کے شوق میں بھی ڈوبے رہتے ہیں۔ کئی ایسے حکیم گزرے ہیں اور ہمارے درمیان بھی موجود ہیں کہ پیسہ بٹورنا جن کا مقصدِ زندگی نہیں بن پایا۔ یہ اپنے رزق میں سے رازق کا حصہ الگ کرنے اور اس کی راہ میں خرچ کرنے کے قائل ہیں۔ ہمدرد دواخانہ تو ہے ہی ایک وقف ادارہ۔ اس کا ایک پیسہ بھی کسی کی تجوری میں نہیں جاتا۔ حکیم محمد سعید لاہور میں ہزار سی سی کی اس کار میں سفر کرتے ہیں جس میں ایئر کنڈیشنز بھی نہیں ہے۔ کسی مریض سے کوئی فیس معائنہ نہیں لیتے۔ ذاتی مکان نام کی شے سے آشنا نہیں ہیں۔ چند فٹ لمبے اور چند فٹ چوڑے کمرے میں زندگی کے دن بڑے آرام

☆ نامور صحافی اور قائد صحافت، چیف ایڈیٹر روزنامہ پاکستان، دنیا ٹی وی کے پروگرام نقطہ نظر کے سینئر تجزیہ کار

Marfat.com

واطمینان سے گزار رہے ہیں۔ ناظم آباد کراچی میں ان کے دفتر کا یہ کمرہ ان کا ڈرائنگ روم بھی ہے اور بیڈ روم بھی۔ حکیم محمد حسن قرشی اور ان کے ایک جواں ہمت بیٹے حکیم آفتاب قرشی طب کی اس دنیا سے رخصت ہو چکے لیکن ریاض قرشی اور اقبال قرشی ان کی روایات کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ ان کا دواخانہ اب ایک بڑی صنعت کی شکل اختیار کر چکا ہے، اور کثیر سرمائے سے قرشی فاؤنڈیشن بھی قائم کر دی گئی ہے جس کا مقصد تعلیمی، سماجی اور رفاہی سرگرمیوں کو فروغ دینا ہے۔

حکیم محمد حسن قرشی حکیم محمد اجمل خان کے شاگرد اور علامہ اقبال کے معالج تھے۔ اتحادِ عالم اسلامی کا خواب دیکھتے اور دکھاتے رہے۔ موتمر عالم اسلام کی بنیاد رکھنے میں مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی مرحوم کے ساتھ ساتھ تھے۔ اپنے بیٹے آفتاب قرشی کو تحریکِ پاکستان کے لئے وقف کر دیا۔ ایک طالب علم کے طور پر انہوں نے وہ خدمات انجام دیں، نوجوانوں کو اس طرح گرمایا اور یوں تحریک پاکستان کا ہراول دستہ بنایا کہ تاریخ ان کو سلام کرتی ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد آفتاب قرشی لوٹو اور کھاؤ کی سیاست سے وابستہ نہیں ہوئے۔ طبِ مشرق کو منوانے کے لئے دن رات ایک کر دیا۔ حکیم عبدالرحیم اشرف کو بھی یہی لگن لگی رہی۔ ایسے حضرات کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ حکیم "عطائی" کے بجائے معالج قرار پائے اور سرکاری سطح پر ان کا اعتراف کرنا پڑا۔

حکیم عبدالرحیم اشرف نے قیامِ پاکستان کے کچھ ہی عرصہ بعد اپنے دواخانے کی بنیاد رکھی اور اول روز سے آمدنی کا ایک حصہ اللہ کی راہ میں وقف کر دیا۔ اپنے نفع میں سے اپنے رب کا حصہ الگ رکھتے رہے۔ ایک بڑے دینی تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی اور ایک طبیہ کالج بھی قائم کیا۔ جماعت اسلامی سے وابستہ تھے، اس لئے اپنے بے وسیلہ ہم سفروں کا ہاتھ بٹاتے رہے۔ مصطفیٰ صادق اور جمیل اطہر ان کی فیاضی کے قصے سناتے ہیں تو سننے والے حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔ مولانا کوثر نیازی مرحوم تک کو ایک زمانے میں دوسو روپے ماہوار

Marfat.com

پیش کرتے رہے کہ انہیں فقر و فاقے کی ایک طویل رات بسر کرنی پڑی تھی۔

حکیم صاحب مولانا ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم کے جانثاروں میں تھے۔ جماعت اسلامی کی مرکزی مجلسِ شوریٰ کے رکن بنے۔ مسلکاً اہل حدیث تھے، اس لئے شدت اور قوت کی کمی نہیں تھی۔ انتخابات میں حصہ لینے کے طریق کار پر جماعت میں جو اختلاف پیدا ہوا، اس نے ان کا راستہ الگ کر دیا۔ اس کے بعد وہ غیر جماعتی انداز میں اپنے نظریات کا پرچار کرتے رہے۔ قادیانیت کا تعاقب ان کا محبوب مشغلہ تھا، سو اس کا حق بھی ادا کیا۔ ان کا ادارہ کئی مجلّے شائع کرتا تھا۔ ان کی ادارت کے فرائض بھی انہوں نے کمال خوبی سے ادا کیے۔

حکیم صاحب کو عربی زبان پر عبور حاصل تھا۔ علمائے عرب میں وہ ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے۔ وہ خود کو عالمِ اسلام کا شہری سمجھتے تھے اور تھے بھی۔ سعودی عرب خاص طور پر ان کی محبت کا مرکز تھا۔ شاہ فیصل شہید سے ایسی عقیدت تھی کہ لائل پور کا نام فیصل آباد رکھنے کی مہم چلائی اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچا کر دم لیا۔ اس لحاظ سے ان کا شمار فیصل آباد کے بانیوں میں کیا جا سکتا ہے۔

اس شہر میں مفتی سیاح الدین کاکاخیل اور مولانا تاج محمود جیسے نام ور علمائے دین روشنی پھیلاتے رہے اور اب یہ مولانا مفتی زین العابدین کے دم سے منور ہے۔ مولانا ضیاء القاسمی کی گونج بھی اس کی رونقوں میں اضافہ کرتی ہے اور اب مولانا عبدالرحیم اشرف کی بدولت یہ طبی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا اور ہر نظریاتی حلقے کی آنکھوں کی ٹھنڈک بھی بن گیا تھا۔

جنرل ضیاء الحق کے دور میں حکیم عبدالرحیم اشرف کی اپنی شان تھی۔ وہ جنرل صاحب کے قریب سمجھے جاتے تھے اور اپنے طور پر ان کی معاونت کی کوشش کرتے تھے۔ مجلس شوریٰ کی تشکیل میں پیش پیش رہے لیکن خود اس کا رکن بننا گوارہ نہ کیا۔ کوئی منصب قبول کرنا ان کی سرشت میں نہیں تھا۔ انہیں اس بات کا شدید قلق رہا کہ پاکستان کے دینی عناصر اور

Marfat.com

جماعتیں جنرل ضیاء الحق سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا پائیں۔ ان کے بیٹے زاہد اشرف ضیاء الحق فاؤنڈیشن کے رکنِ رکین ہیں اور اپنے والد کی روایت نبھا رہے ہیں۔

گزشتہ چند سالوں سے حکیم صاحب یادداشت کھو بیٹھے تھے۔ ان کی فراست نے ان کی نفاست کا ساتھ چھوڑ دیا تھا لیکن وہ ملاقاتیوں کو پتہ نہیں چلنے دیتے تھے کہ انہیں پہچاننے سے قاصر ہیں۔ باقاعدہ تیار ہو کر گھر سے نکلتے اور خندہ پیشانی سے پیش آتے لیکن انہیں کچھ معلوم نہ ہو پاتا کہ کون آیا ہے اور اس سے کیا بات کرنی چاہیے یا کس بات کا کیا جواب دینا چاہیے۔

انتقال کے چند گھنٹے پہلے خواہش ظاہر کی کہ عزیزوں سے ملا دیا جائے۔ ہر ایک سے جا کر ملے، رات ڈوبی تو نبض ڈوبنے لگی۔ چند ہی منٹ میں اپنے رب کے پاس تھے۔ کم و بیش 80 سال گزار کر اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ جنازہ اٹھا تو پورا فیصل آباد اٹڈ آیا۔ مرزا منور اور ڈاکٹر بشارت الٰہی جیسے اکابر لاہور سے بھاگم بھاگ پہنچے۔ مولانا ارشاد الحق اثری نے جہری قراءت سے نماز جنازہ پڑھائی تو زرعی یونیورسٹی کا گراؤنڈ آمین آمین سے گونج اٹھا۔ اے ہمارے رب! ہمارے اس بھائی، اس بزرگ، اس ساتھی کو جنت میں بلند درجہ عطا فرما۔

(روزنامہ جنگ لاہور۔ 5 جولائی 1996)

Marfat.com

کامیاب مِشنری

اقبال فیروز ☆

1952ء میں کالج جانا شروع کیا، تو گھر سے گورنمنٹ کالج تک پیدل آتے جاتے راستہ میں امین پور بازار کی مسجد اہلِ حدیث کے نیچے دکانوں میں سے ایک دکان پر نظر پڑتی تھی، جس کی دیوار سے لگے شیلف پر چند رسالے اور اخبارات پڑے ہوتے۔ دکان میں آٹھ دس کرسیاں بھی رکھی تھیں۔ بالعموم دو یا تین آدمی وہاں مطالعے میں مصروف نظر آتے۔ دکان کے باہر ایک چھوٹا سا بورڈ لگا تھا جس پر لکھا تھا ''دارالمطالعہ جماعتِ اسلامی''...... جس قسم کے گھریلو ماحول سے میرا تعلق تھا، اس کی فضا کچھ اس قسم کی تھی کہ جماعتِ اسلامی اور اس کے بانی مولانا مودودیؒ کا نام میرے لئے اجنبی نہ تھا۔ مولانا مودودیؒ کا ''رسالہ دینیات'' ہمارے سکول کی نویں اور دسویں جماعتوں میں شاملِ نصاب ہونے کی وجہ سے اسے سبقاً پڑھ چکا تھا۔ پھر نویں یا دسویں ہی کے دنوں میں مجھے ایک دوست نے، دادا فیروز الدین منصور کا چھوٹا سا کتابچہ ''مودودیات'' لا کر دیا تھا جو مولانا مودودیؒ کے معاشی نظریات بالخصوص ان کی معرکہ آراء کتاب ''مسئلہ ملکیتِ زمین'' کے خلاف لکھا گیا تھا۔

چنانچہ ایک مرتبہ دارالمطالعہ سے بے نیازانہ گزر جانے کے بعد دوسری مرتبہ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں بلا جھجک اندر جا کر اخبارات و رسائل کی ورق گردانی کرنے لگا۔ چند لمحوں کی ورق گردانی کے بعد جانے لگا تو ساتھ والی دکان سے جو یونانی دواخانہ اور مطب کی ملی جلی شکل تھی اور جس کے عقبی حصہ میں سے دارالمطالعہ کی طرف راستہ رکھا گیا تھا، ایک

☆ ممتاز سکالر و دانش ور۔ ادیب پرور۔ سابق ادارتی رکن ہفت روزہ ''چٹان'' و روزنامہ ''کوہستان'' لاہور۔

Marfat.com

دُبلے پتلے، میانہ قامت، سیاہ ریش شخص نظر آئے اور ایک دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ مخاطب ہوکر پوچھنے لگے کہ آپ نے مولانا مودودیؒ کی کوئی کتاب پڑھی ہے؟ مَیں نے کہا کہ کوئی خاص کتاب تو نہیں پڑھی، البتہ ان کی ایک تصنیف کے جواب میں لکھی گئی کتاب نظر سے گزری ہے، اس لئے چاہتا ہوں کہ اصل تصنیف بھی پڑھ لوں۔ انہوں نے فی الفور الماری میں سے ایک کتابچہ نکال کر مجھے دیا اور ساتھ ہی پوچھا کہ، اسے آپ کتنے دن میں پڑھ کر واپس کر دیں گے؟ مَیں نے دو تین دن میں پڑھ کر واپس کرنے کی بات کی تو فرمانے لگے کہ یوں نہیں، بلکہ آپ اسے ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکتے ہیں، تاہم سات دن کے بعد یہ واپس دارالمطالعہ میں پہنچ جانی چاہیے۔ مَیں نے تین چار دن میں وہ کتابچہ پڑھ کر واپس کیا تو اس دوران مجھے پتہ چل چکا تھا کہ مطب اور دارالمطالعہ کے مہتمم کا اسمِ گرامی حکیم عبدالرحیم اشرف ہے اور وہ مولانا مودودی کے قریبی ساتھیوں میں سے ہیں۔

''مسئلہ ملکیتِ زمین'' واپس لیتے ہی انہوں نے ایک اور کتاب میرے ہاتھ میں تھما دی۔ نام تھا ''تفہیمات'' اور فرمایا کہ یہ کتاب بھی آپ کی نظر سے گزرنی چاہیے، مگر زیادہ سے زیادہ ایک مہینہ کے اندر اسے پڑھ کر واپس کیجئے۔ غرضیکہ اسی مبلغانہ اندازِ تربیت سے انہوں نے مزید تین کتابیں ''تنقیحات''...... ''مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش'' حصہ اوّل، اور مولانا مسعود عالم ندویؒ کی ''ایک بدنام مصلح'' پڑھا ڈالیں۔ ان کتابوں کی اہمیت کا اندازہ اس وقت تو نہ ہو سکا مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا، پتہ چلا کہ یہ ہمارے دینی لٹریچر میں اس پائے کی کتابیں ہیں جنہیں مولانا علی میاںؒ کی زبان میں بجا طور پر ''محسن کتابیں'' کہنا چاہیے۔

حکیم صاحب سے ربط و تعلق کا سلسلہ اس سے آگے اس لئے نہ چل سکا کہ انہی دنوں میرے ایک دوست اکرام رانا نے غلام احمد پرویز کی تصنیفات پڑھنے کی طرف رغبت دلائی۔ کچھ ذہن کی ناپختگی اور کچھ نثر میں اشعار کی میناکاری کا کرشمہ کہ اس زمانے میں مجھے پرویز صاحب کی تحریر مولانا مودودیؒ کی نثر سے زیادہ پُرکشش محسوس ہوتی تھی۔ بہرکیف اس مختصر سے عرصے میں حکیم صاحب کی شخصیت کے بارے میں تین تأثر میرے ذہن پر ایسے نقش ہو

Marfat.com

گئے کہ ساری عمر کے ذہنی نشیب و فراز اور نظریاتی تغیر و تبدل کے باوجود وہ نقش کبھی نہ مٹ سکے، یعنی ایثار...... اعتبار اور...... انضباط۔ اور یہی تین خصوصیات ایک کامیاب مشنری کے لئے ضروری ہیں، یعنی دوسروں تک اپنے معتقدات کے ابلاغ کے لئے اپنی طرف سے ایثار۔ دوسرے پر اعتبار، اور اس اعتبار و ایثار کو خاص نظم و ضبط کی حدود سے باہر نہ جانے دینا۔

کچھ عرصہ بعد سن ترپن کی تحریکِ ختمِ نبوت کا غلغلہ بلند ہوا۔ اسی اثناء میں ایک دن مولانا تاج محمود مرحوم کے ہاں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں مجلسِ احرار کے تین چار زعمائے شہر، مولانا عبیداللہ احرار مرحوم، محمد عالم مرحوم اور یعقوب اختر مرحوم کسی کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ جماعتِ اسلامی کے قیّمِ شہر حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کا انتظار ہو رہا ہے۔ اتنے میں حکیم صاحب اچکن، سر پر اونچی دیوار کی قراقلی ٹوپی، غرضیکہ خاصہ اُجلا اور قیمتی لباس پہنے تشریف لائے۔ مولانا تاج محمود مرحوم نے گفتگو کا آغاز کیا اور تحریک کے متعلق جماعتِ اسلامی کے مجموعی رویّے پر تنقید کی۔ حکیم صاحب نے مولانا کی بے تکلف گفتگو کا جواب انتہائی پُرتکلف انداز میں دیا یعنی باقاعدہ کھڑے ہو کر وہاں پر موجود تین چار سامعین کو آدھ پون گھنٹہ اس طرح خطاب کیا، جیسے کوئی پروفیسر کلاس روم میں کھڑے ہو کر طلبہ کو لیکچر دیتا ہے، اور جماعت کا وہ مشہور موقف سمجھایا کہ تمام مذہبی قوتوں کو متحد ہو کر براہِ راست ''نظامِ اسلامی'' کے لئے جدوجہد کرنی چاہیے جس کے نتیجہ میں بقیہ ضمنی اور ذیلی مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ حکیم صاحب کے جانے کے بعد میں نے مولانا سے حکیم صاحب کے اندازِ گفتگو میں نظم و ضبط اور سلیقہ مندی کا تذکرہ کیا تو مولانا مرحوم کہنے لگے کہ جماعتِ اسلامی سے منسلک اکثر حضرات پر مولانا مودودیؒ کی شخصیت کی چھاپ اس قدر گہری ہو گئی ہے کہ ان کی نشست و برخاست اور تقریر و تحریر میں نظم و ضبط کو دیکھ کر آدمی واقعی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

ایم اے کرنے کے بعد ادارہ ''چٹان'' سے وابستہ ہوا تو آغا شورش کاشمیری جیسے کوہِ آتش فشاں کی شرر باریوں کا بچشمِ سر مشاہدہ کیا۔ آغا صاحب مشکل ہی سے کسی شخص سے مرعوبیت کا اظہار کرتے۔ بڑے بڑے عظمت کے پہاڑ ہر وقت ان کے تیشۂ قلم کی زد میں

Marfat.com

رہتے مگر خدا گواہ ہے کہ وہ جب بھی حکیم صاحب کا ذکر کرتے، ادب سے کرتے۔ آغا صاحب نے حکیم صاحب سے اظہارِ ممنونیت ان کے رُو برو شاید کبھی نہ کیا ہو مگر عدمِ موجودگی میں ہمیشہ ان کی علم پروری اور دوست نوازی کا اعتراف کرتے۔ آغا صاحب کا یہ مقولہ میں اکثر و بیشتر سنایا کرتا ہوں کہ ''...... دن رات گپیں ہانکنے اور ہر لحظہ منکر نکیر کی طرح ساتھ چمٹے رہنے والے دوست تو بے شمار مل جاتے ہیں مگر یہ پوچھنے والا خال ہی کوئی ہوتا ہے کہ آج تم نے اور تمہارے بچوں نے روٹی بھی کھائی ہے یا نہیں۔'' ...... حکیم صاحب انہی خال خال انسانوں میں سے تھے۔ ہفت روزہ ''چٹان'' میں اشرف لیبارٹریز کا فُل سکیپ اشتہار سالہا سال تک مسلسل آتا رہا۔ اور نہ جانے اس ملک کے کتنے ماہنامے، کتنے ہفت روزے، کتنے جرائد اور کتنے رسائل حکیم صاحب کی سِرّی اور جہری فیض رسانیوں سے زندگی کی نمو پاتے رہے۔ بعض گمنام اور قلیل الاشاعت جرائد میں اشرف لیبارٹریز کا اشتہار دیکھ کر حیرت ہوتی تو پھر یہی عقدہ کھلتا کہ حکیم صاحب کے دستِ سخا نے اس پرچے کے لئے پنپنے اور پھلنے پھولنے کی ایک سبیل پیدا کی ہے۔ کشمکشِ حیات میں نہ جانے کتنے قلم کاروں نے حکیم صاحب کے خفیہ اور خاموش ایثار سے ہمت و حوصلہ حاصل کیا۔ کتنے اہلِ علم اور اہلِ قلم...... بشرطیکہ ان کے علم اور قلم کے رجحانات دینی یا خدمتِ دین کے جذبہ کے عکاس ہوں...... حکیم صاحب کی نگاہِ جو ہر شناس کی بدولت اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ مگر جب وہ کامیابی و کامرانی کی بلندیوں پر پہنچ گئے تو حکیم صاحب نے، نہ کبھی ان سے کوئی توقع رکھی اور نہ ان سے نبھائی ہوئی وفاؤں کا صلہ چاہا۔ کیونکہ ان کا مقصد تو محض دینِ حق کی سربلندی اور اپنے خالق و مالک کی رضا جوئی تھا:

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى، اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى.

(واللیل۔(92):19-20)

اس خالق و مالک نے حکیم صاحب کو کسی نہج، کسی جہت پر اپنی نعمتوں اور رحمتوں سے محروم نہیں رکھا بلکہ وہ اس ملک کے ان گنتی کے صاحبانِ کمال میں سے تھے جنہوں نے

Marfat.com

ہر لحظہ، ہر قدم پر رزقِ حلال اور لقمہ طیب کا پابند رہتے ہوئے بے پناہ رزق پیدا کیا، پھر اس رزق کی شادکامیوں سے اپنوں، بیگانوں سب کو بہرہ وافر دیا۔ ایک طرف طبابت کی مصروفیات تو دوسری طرف سیاست کی مشغولیات۔ پرورشِ لوح وقلم بھی جاری ہے اور پرورشِ اہلِ قلم بھی۔ ملک کے علمی حلقوں میں حکیم صاحب کا جو مقام تھا سیاست کے ایوانوں میں اس سے کہیں بڑھ کر تھا۔ اُمورِ مملکت کی تاریخ میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس ملک کی سیاست کی نبضیں حکیم صاحب کے ہاتھ میں تھیں۔ شہید ضیاء الحق کے حکیم صاحب پر اعتماد کا یہ عالم تھا کہ پیچیدہ مسائل کی عقدہ کشائی کے لئے صبح وشام رابطہ رکھنے کے علاوہ ضلعی وصوبائی ایڈمنسٹریشن کے معاملات میں بھی اکثر وبیشتر حکیم صاحب کی اصابتِ رائے کے طالب رہتے۔ اس زمانے میں مشہور تھا کہ حکیم صاحب جب چاہیں صدر مملکت کو سوتے میں بھی جگا سکتے ہیں مگر اتنے قُرب کے باوجود جنرل صاحب کو یہ حسرت ہی رہی کہ حکیم صاحب ان سے اپنی ذات کے لئے کوئی کام لیں۔ حکیم صاحب نے کام لیا تو وہ، جو ان کی بخشش کے لئے کافی ہے۔ جنرل ضیاء الحق کے ہاتھوں اس تاریخی آرڈیننس کا نفاذ کرایا جسے امتناعِ قادیانیت آرڈیننس 1984ء کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی حکایتِ لذیذ ہے جس کی تفصیل کے لئے الگ مضمون درکار ہے۔ تاہم مولانا تاج محمودؒ کی زبانی جو حقائق مجھ تک پہنچے، ان کی مختصر رُوداد یہ ہے کہ جنرل ضیاء الحق کے بارے میں پہلے پہل تو ملک کے مذہبی حلقوں بالخصوص علمائے دیوبند کے مدنی گروپ کی رائے کوئی زیادہ اچھی نہ تھی، بلکہ ان میں سے بعض غیر محتاط حضرات تو برملا جنرل مرحوم پر قادیانیت کا لیبل لگاتے تھے۔ اس لئے ضیاء الحق مرحوم کو ایسے Mediators کی ضرورت محسوس ہوئی جو مذہبی حلقوں میں ان کی ساکھ بحال کریں۔ چنانچہ بعد از تلاشِ بسیار دو ایسے شخص مل گئے جن کے ذاتی اور شخصی روابط ملک کے تمام مذہبی مکاتبِ فکر سے یکساں گہرے اور جن کی ثقاہت وشرافت شک وشبہ سے بالاتر تھی۔ ایک راجہ ظفر الحق اور دوسرے عبدالرحیم اشرفؒ۔ اس سلسلہ میں 1980ء کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں جنرل شہید نے فیصل آباد کے سرکاری دورہ کے دوران علمائے کرام سے ملاقات کا پروگرام بنایا تو دورانِ ملاقات مولانا تاج محمود مرحوم نے اپنی تعارفی تقریر میں

Marfat.com

جب یہ الفاظ کہے کہ "......اس سرزمین کو اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کی شکل میں پہلا حکمران میسر آیا ہے جس کے معمولات اور اوضاع و اطوار میں مذہب کا گہرا رنگ جھلکتا ہے، اس لئے ہم جیسے دین کے ادنیٰ طالب علموں کو اس مسئلہ میں زیادہ دقت پیش نہیں آنی چاہیے کہ قادیانی فتنے کی دسیسہ کاریوں کی جزئیات اور تفصیلات سے آپ کو کیسے آگاہ کریں......تو جنرل صاحب مرحوم کا چہرہ فرطِ انبساط سے سرخ ہو گیا اور وہ سینہ تان کر کہنے لگے کہ "علماء حضرات! میرے بس میں ہو تو قادیانیوں کو بحیرۂ عرب میں غرق کر دوں کیونکہ میں بخوبی جانتا ہوں کہ اس قوم کی نوے فیصد مصیبتوں کے پیچھے قادیانیوں کا سازشی ہاتھ کارفرما ہوتا ہے"......اس تاریخی دورہ کے بعد بباطن تو جنرل ضیاء الحق نے قادیانیوں کی سرکوبی کا فیصلہ کر لیا مگر مغرب کی اسلام دشمن قوتوں بالخصوص امریکہ کا دباؤ آڑے آنے لگتا تو ان کے مقربین میں سے یہی دو حضرات......راجہ ظفر الحق اور حکیم عبدالرحیم اشرفؒ......ان کا حوصلہ بڑھاتے اور نہایت حکیمانہ انداز میں انہیں ایمان و ایقان کے انجکشن لگاتے رہتے۔ ان حضرات نے جنرل شہید کے ہاتھوں 1984ء کا آرڈیننس نافذ کرا کے قادیانیوں کو وہ ضرب لگائی جو 1974ء کی ضرب سے بھی شدید تر تھی۔ دین کے اس بےلوث خادم سے آخری مرتبہ جب عزیزی حامد اشرف نے ایک تقریب میں ملاقات کرائی تو محسوس ہوا کہ اب وہ وادیٔ عشق کی اس منزل میں ہیں جسے قرآن حکیم نے لِكَيْ لَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا کے بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے اور جس میں بقول جگر مرادآبادی ؎

دنیا کے ستم یاد نہ اپنی ہی وفا یاد
اب کچھ بھی نہیں ہم کو محبت کے سوا یاد

حامد صاحب نے میرا نام لیا تو اسی دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ پُرتپاک مصافحہ کیا، جس دلآویز مسکراہٹ کا عکس پہلے دن کی دارالمطالعہ کی ملاقات کے بعد تصوّر کی آنکھ میں ابھی تک محفوظ ہے۔ ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

Marfat.com

شب زندہ دار

ابو عمار زاهد الراشدی ☆

حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ غائبانہ تعارف تو بچپن ہی سے تھا۔ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں طالبِ علمی کے زمانے (1962ء تا 1970ء) میں میرا معمول یہ تھا کہ شہر میں جہاں کہیں کسی لائبریری یا دارالمطالعہ کا پتہ چلتا، وہاں تک رسائی کی کوشش کرتا اور یوں اخبارات و رسائل کے مطالعہ کے لئے کچھ نہ کچھ وقت روزانہ صرف ہو جاتا۔ انہی میں سے ایک دارالمطالعہ چوک نیائیں میں، اہلحدیث دوستوں کا بھی تھا۔ سالہا سال تک یہ سلسلہ جاری رہا کہ روزانہ یا کم از کم ہفتہ میں دو بار وہاں ضرور جاتا اور کچھ وقت مطالعہ میں گزارتا۔ ہفت روزہ المنبر سے وہیں شناسائی ہوئی اور مختلف عنوانات پر حکیم صاحب کی تحریرات پڑھنے کا موقع ملا۔ البتہ یہ دَور حکیم صاحب کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی اور فکری موافقت کا دور نہیں تھا۔ کیونکہ میرا شمار اس دور میں دینی مدارس کے ان طلبہ میں ہوتا تھا جو جماعتِ اسلامی کے شدید مخالف اور جمال عبدالناصر مرحوم کے پُر جوش حامی تھے۔ ہم لوگ اس وقت جمال عبدالناصر کو عالمِ اسلام کی استعمار دشمن قوتوں کا نمائندہ سمجھتے تھے اور جماعتِ اسلامی ہمارے نزدیک استعمار دوست حلقوں اور دانش وَروں کی کمین گاہ تصور ہوتی تھی، جبکہ حکیم صاحب مرحوم جمال عبدالناصر کے شدید مخالف تھے اور ایک عرصہ تک ان کا تعلق جماعتِ اسلامی کے ساتھ رہ چکا تھا، اس لئے ان کے مضامین پڑھنے کے باوجود ان کے لئے دل کے کسی گوشے میں انس یا موافقت کا کوئی جذبہ اس دور میں موجود نہیں پاتا تھا۔

☆ مدیر مسئول ماہنامہ ''الشریعہ''۔ ناظم اعلیٰ ''الشریعہ اکیڈمی۔ خطیب مرکزی جامع مسجد، گوجرانوالہ۔ ممتاز مفکر، دانش وَر اور کالم نگار۔

Marfat.com

یہ والدِ محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کی صحبت اور تربیت کا فیض ہے کہ طالب علمی کے دور سے ہی یہ ذوق چلا آ رہا تھا کہ کسی بھی مسئلہ پر کچھ کہنے، سننے، یا رائے قائم کرنے سے پہلے موافق اور مخالف دونوں پہلوؤں کا جائزہ لینا اور دونوں فریقوں کے نقطۂ نظر اور موقف سے آگاہی حاصل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اسی نقطۂ نظر سے حکیم صاحب مرحوم کی تحریرات کا مطالعہ کرتا، ان میں مین میخ نکالتا اور کبھی کبھار دوستوں کی محفل میں ان پر تبصرہ بھی کرتا تھا۔

اس صورت حال میں تبدیلی کا آغاز، اس وقت ہوا جب مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے کچھ مضامین قادیانیت کے خلاف سامنے آئے۔ قادیانیت کے خلاف جدوجہد میری گھٹی میں شامل تھی۔ زندگی میں پہلی بار چار پانچ سال کی عمر میں والد صاحب کو آٹھ دس ماہ تک مسلسل گھر سے غائب پایا تو یہ 1953ء کا سال تھا جب وہ تحریکِ ختم نبوت کے سلسلہ میں کم و بیش دس ماہ جیل میں رہے اور ان کی گرفتاری اور رہائی کا منظر اب تک نگاہوں کے سامنے ہے۔ قادیانیت کے خلاف حکیم صاحبؒ کے مضامین اور کتابچے منظرِ عام پر آئے تو انہیں نہ صرف خود پڑھا بلکہ بہت سے دوستوں کو پڑھایا۔ حکیم صاحبؒ کا اپنا انداز تحریر تھا۔ وہ بات کو سمجھانے کے لئے اسے کئی پہلوؤں اور نکات میں تقسیم کر لیتے تھے اور پھر ایک ایک کو موضوعِ بحث بنا کر اپنا موقف پورے شرح و بسط کے ساتھ پیش کرتے تھے۔ ان کی کوشش ہوتی کہ زیرِ بحث مسئلہ کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا پہلو بھی مخاطب کی نظروں سے اوجھل نہ رہ جائے۔ مجھے اس طرزِ تحریر سے مناسبت نہیں ہے اور میری کوشش ہوتی ہے کہ لمبی سے لمبی بات مختصر الفاظ میں اس طرح بیان ہو جائے کہ مخاطب بات کا اصل مقصد سمجھ لے، مگر اس کے باوجود قادیانیت کے بارے میں حکیم صاحب مرحوم کے مضامین بہت پسند آئے اور اس کے بعد کافی عرصے تک یہ سلسلہ رہا کہ جدید تعلیم سے بہرہ ور کوئی دوست قادیانیت کے بارے میں لٹریچر کی نشاندہی کے لئے کہتا، تو اسے جن کتابوں اور رسائل کے مطالعہ کا مشورہ دیتا ان میں حکیم صاحبؒ کے مضامین اور کتابچے بھی شامل ہوتے اور اس طرح حکیم صاحبؒ کے ساتھ کسی درجہ ذہنی انس اور فکری ہم آہنگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

Marfat.com

حکیم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پہلی ملاقات غالباً اس دور میں ہوئی جب انہوں نے جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کا اپنی عمارت میں آغاز کیا اور اس کے لئے مختلف مکاتبِ فکر کے اہلِ علم کو یکجا کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ میں تدریس کے لئے جن حضرات کو اکٹھا کیا، ان میں غزنی خیل، ضلع لکی مروت کے مولانا احمد جان بھی تھے، جن کا تعلق جمعیت علمائے اسلام سے تھا اور وہ ایک موقع پر جمعیت کی طرف سے ایم۔ این۔ اے بھی منتخب ہوئے تھے۔ میرا ان سے جماعتی تعلق تھا اور دوستانہ بے تکلفی بھی تھی اور وہی مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے ساتھ میری ملاقات کا باعث بنے۔ یہ ملاقات حکیم صاحبؒ کی رہائش گاہ پر ہوئی، جو رات کافی دیر تک جاری رہی اور اس میں میرے ایک اور مخدوم بزرگ حضرت مولانا عبدالغفار حسنؒ بھی موجود تھے۔ مولانا عبدالغفار حسنؒ میرے ان بزرگوں میں سے ہیں جو ہمیشہ شفقتوں اور دعاؤں سے نوازتے رہے۔ والدِ محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے ساتھ 1953ء کی تحریکِ ختمِ نبوت کے سلسلہ میں جیل میں اکٹھے رہے اور اسی مناسبت سے مجھے بھتیجا کہتے تھے۔ اور میری بھی کوشش رہتی تھی کہ جب بھی موقع ملے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر راہنمائی، شفقت اور دعاؤں کا حصہ وصول کروں۔

بہر حال مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کی رہائش گاہ پر ان سے اور ان کے ہمراہ مولانا عبدالغفار حسنؒ اور مولانا احمد جان غزنی خیل کے ساتھ ابتدائی ملاقات کی یہ طویل نشست اب تک اپنی بیشتر تفصیلات سمیت ذہن میں محفوظ ہے اور کبھی کبھی اسے ذہن کی سکرین پر سجا کر ''حظِ مکرر'' کا لطف اٹھا لیتا ہوں۔ سچی بات ہے کہ حکیم صاحبؒ کی سادگی، خلوص، جذبۂ خیر خواہی اور دینی تقاضوں کے ساتھ ان کی بے لچک وابستگی نے بہت متاثر کیا۔ اس کے بعد ملاقاتوں کا ایک اَن گنت سلسلہ ہے جنہیں شاید شمار بھی نہ کر سکوں، بہت سے دینی و قومی مسائل پر گھنٹوں گفتگو ہوتی رہی، متعدد اُمور میں مجھے ان سے اختلاف بھی رہا مگر ان کی شفقت اور خلوص نے ہمیشہ متاثر کیا۔ میری حیثیت ہر لحاظ سے ان کے سامنے

Marfat.com

بچوں جیسی تھی، لیکن انہوں نے ہر بار شفقت بھرے احترام سے نوازا۔ ان کی خواہش ہوتی تھی کہ مَیں جب بھی فیصل آباد جاؤں، ان سے ضرور ملوں اور کئی مواقع پر یہ معلوم کر کے کہ میں فیصل آباد گیا ہوں اور ان سے نہیں ملا، تو وہ باقاعدہ ناراضی کا اظہار کرتے اور اگلی ملاقات میں یا خط کی صورت میں اس کا شکوہ کرتے۔ مگر میرے لئے اکثر اوقات مشکل یہ ہوتی تھی کہ حکیم صاحبؒ کے ساتھ ملاقات کے لئے تھوڑا بہت وقت کفایت نہیں کرتا تھا، وہ شبِ زندہ دار بزرگ تھے اور ان کے ساتھ اطمینان کی ملاقات رات کو ہی ہو سکتی تھی، اس لئے ملاقات کرنے والے کو شبِ زندہ دار بننا پڑتا تھا، جبکہ میں اس معاملہ میں بہت کمزور بلکہ بہت ہی کمزور واقع ہوا ہوں۔ اس لئے کئی بار ان کی ناراضی بلکہ ڈانٹ کا حظ بھی اٹھانا پڑا۔ ایک دور میں حکیم صاحبؒ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں سیاسی جھمیلوں سے خود کو الگ کر کے تعلیمی لائن اختیار کروں اور ان کے پاس جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ میں آ جاؤں، مگر اس وقت سیاست کا جنون ذہن پر اس قدر حاوی تھا کہ اس قسم کا کوئی مشورہ سنتے ہوئے بھی ذہن پر بوجھ محسوس ہوتا تھا، اس لئے ان کی اس مخلصانہ پیش کش کو قبول نہ کر سکا۔

جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے دور میں جب دستوری اور قانونی طور پر چند اسلامی اصلاحات سامنے آئیں تو حکیم صاحبؒ کی انتہائی مخلصانہ کوشش تھی کہ تمام مکاتبِ فکر کے علماء کرام متحد ہو کر جنرل صاحب کا بھرپور ساتھ دیں اور سب مصلحتوں اور تقاضوں کو چھوڑ کر پوری قوت کے ساتھ جنرل ضیاء الحق مرحوم کی پشت پر کھڑے ہو جائیں۔ اسی مقصد کے لئے حکیم صاحبؒ نے جن دینی کارکنوں کو قائل کرنے کی مسلسل کوشش کی، ان میں میرا نام بھی شامل ہے۔ انہوں نے کئی نشستوں میں مجھے اس بات پر قائل کرنا چاہا کہ میرے جیسے کارکنوں کو جنرل ضیاء الحق مرحوم کے کیمپ میں شامل ہو جانا چاہیے، حتیٰ کہ جب جنرل صاحب مرحوم نے وفاقی مجلسِ شوریٰ تشکیل دی تو حکیم صاحبؒ کی خواہش تھی کہ میں بھی اس میں شامل ہوں، جس کے لئے وہ غالباً جنرل صاحب مرحوم سے بات کر چکے تھے۔ مجھے حکیم صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو اپنے ساتھ دو تین اور مرضی کے افراد کے

Marfat.com

نام بھی شوریٰ کے لئے پیش کرسکتا ہوں، مگر میرے لئے اس وقت دو رکاوٹیں تھیں، ایک یہ کہ میں جمعیت علماء اسلام کے ذمہ دار حضرات میں شمار ہوتا تھا اور میرے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ اور حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ کی مرضی کے بغیر اس قسم کا کوئی قدم اٹھاتا، جبکہ ان دونوں بزرگوں کی رائے اس کے حق میں نہیں تھی۔ دوسری رکاوٹ یہ تھی کہ میں خود بھی ذہنی طور پر مطمئن نہیں تھا اور میرا موقف یہ تھا کہ جنرل صاحب کے اقدامات کا کوئی عملی نتیجہ موجودہ حالات میں سامنے آنے کی توقع نہیں ہے۔ اس لئے ان کے اقدامات کی اصولی حمایت کے باوجود نظریاتی کارکنوں کو اس کیمپ میں شامل ہونے کی بجائے ''ریزرو'' میں رہنا چاہیے اور سب لوگوں کو اسلامی اصلاحات کی ناکامی کی ذمہ داری میں شریک نہیں ہو جانا چاہیے۔ اس لئے یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ حکیم صاحبؒ یہ سب کچھ خلوص، شفقت اور ہمدردی کے ساتھ کہہ رہے ہیں، ان کی اس مخلصانہ جدوجہد میں ان کا ساتھ نہ دے سکا۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ مسلکاً اہلحدیث تھے مگر روایتی مسلکی تعصب سے بالکل پاک اور عین اس طرح جیسے کسی بھی مسلک کے صاحبِ علم اور سنجیدہ حضرات کو ہونا چاہیے۔ ان کے تعلقات و روابط ہر مسلک کے حضرات سے تھے اور ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ مختلف مسالک کے علماء اور کارکنوں کے درمیان مفاہمت کی فضا قائم ہو اور مشترکہ قومی و دینی مقاصد کے لئے سب مل جل کر کام کریں۔ اسی لئے دینی حلقوں کے باہمی اتحاد کی ہر سنجیدہ کوشش میں وہ پیش پیش رہے۔ اسلامی روایات و اقدار کا تحفظ، نظامِ شریعت کا نفاذ، ملکی سالمیت اور قومی وحدت، ان کی دلچسپی کے خصوصی موضوعات تھے اور ان میں سے کسی بھی امر کے بارے میں کوئی مسئلہ پیش آتا تو وہ بالکل بے لچک ہو جاتے تھے۔ ان حوالوں سے ان کی ترجیحات اپنی ہوتی تھیں، اور کوئی سیاسی یا غیر سیاسی مصلحت ان کی راہ میں حائل نہیں ہو پاتی تھی۔ وہ ان دانش وروں میں سے تھے جو حکمرانوں کے ساتھ الجھاؤ اور کشمکش کی فضا قائم کرنے کی بجائے حکمت و دانش اور مفاہمت کے ماحول میں ان سے کام

Marfat.com

لینے کو ترجیح دیتے ہیں۔ انہیں یہ فن آتا تھا اور کئی بار دینی و قومی تحریکات نے ان کی اسی صلاحیت سے استفادہ کیا، لیکن طاقت ور حکمرانوں کے ساتھ روابط اور قرب کے باوجود ان کا دامن مفادات اور اغراض کی آلائشوں سے ہمیشہ پاک رہا اور ان کے کسی بڑے سے بڑے مخالف کو بھی اس حوالہ سے ان پر انگلی اٹھانے کی کبھی کوئی گنجائش نہیں ملی۔ وہ ذاکر و شاغل بزرگ تھے اور ان کے شب و روز کے اوقات کا ایک متعین حصہ ذکر و اذکار اور نوافل میں گزرتا تھا اور اس مناسبت سے میں انہیں اپنے دوستوں کی محفل میں بسا اوقات ''وہابی صوفی'' بھی کہہ دیا کرتا تھا۔

آخر عمر میں ان کی یادداشت متاثر ہو گئی تھی۔ اس دوران ایک روز میں بیمار پُرسی کے لئے حاضر ہوا تو حسبِ عادت پُرتپاک طریقہ سے ملے اور تاثر یہی دیا جیسے مجھے پہچان گئے ہوں۔ لیکن محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اخلاقاً ایسا کر رہے ہیں اور یادداشت ان کا ساتھ چھوڑ گئی ہے۔ رہے نام اللہ کا، اللہ تعالیٰ ان کی حسنات کو قبولیت سے نوازیں۔ سیئات سے درگزر فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر سرفراز کریں۔ آمین یارب العالمین۔

Marfat.com

اسلامی زندگی کے پیکرِ جمیل

محمد خالد سیف☆

جو شخص بھی بزمِ حیات میں شریک ہوا، اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اس کے اختتام سے قبل موت کا جام نوش کرے۔ جو بھی کارواں سرائے فنا میں آیا، اسے ایک دن اس ماتم خانۂ عالم سے رخصت ہونا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو دنیا میں آنا ہی درحقیقت یہاں سے رختِ سفر باندھنے کی تمہید ہے۔ ہر فردِ بشر نے ایک نہ ایک دن موت کے جام کو پینا اور قبر کے دروازہ سے داخل ہونا ہے کیونکہ خالق و مالکِ کائنات نے یہ ناقابلِ تغیر و تبدل فیصلہ فرما رکھا ہے:

كُلُّ نَفسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ. (آل عمران:185)

ہر کسی کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

لیکن دنیا سے رخصت ہونے والی حضرت حکیم صاحبؒ جیسی کچھ ایسی شخصیتیں بھی ہوتی ہیں، جن کے سانحۂ ارتحال پر کیفیت یہ ہوتی ہے:

پی گئی کتنوں کا لہو تیری یاد
غم تیرا کتنے کلیجے کھا گیا

جہاں تک یاد پڑتا ہے حضرت حکیم صاحبؒ کا نام میں نے پہلے پہل دادا جان عارف باللہ حضرت حاجی احمد دین رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا تھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ میرے حقیقی دادا جان حضرت مولانا محمد رحمہ اللہ کے برادرِ اصغر اور معروف روحانی معالج حضرت

☆ سابق سینئر ریسرچ سکالر اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد۔ سرپرست طارق اکیڈمی و ماہنامہ علم و آگہی، فیصل آباد۔ نام ور مصنف و مترجم۔

Marfat.com

مولانا عبدالمنان رحمہ اللہ کے والدِ گرامی تھے،ان کے حضرت حکیم صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد (تب لائل پور) میں طلبِ علم کی منزلیں طے کر رہا تھا (اور یہ عرصہ 1961ء سے 1968ء پر محیط ہے) ایک بار جب رخصت پر اپنے گاؤں چک 36 گ ب میں آیا تو حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: کیا آپ حکیم اشرف صاحب سے ملتے رہتے ہیں؟ میں نے نفی میں جواب دیتے ہوئے عرض کیا کہ مجھے حکیم صاحب سے شرفِ ملاقات حاصل نہیں ہے اور میرا ان سے تعارف بھی نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا: تعارف میں کرا دوں گا، آپ ان سے ملاقات کرتے رہا کریں۔اس سے آپ کو بہت روحانی فیض حاصل ہوگا۔ وہ بہت اللہ والے ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی یہ بات اگرچہ ہمیشہ یاد رہی اور حضرت حکیم صاحبؒ سے ملاقات کا شوق بھی رہا لیکن ان کی زیارت کا شرف اس سے کئی سال بعد اس وقت حاصل ہوا، جب وہ ہمارے گاؤں کے ایک تبلیغی جلسے میں مقرر کی حیثیت سے تشریف لائے۔اسی جلسے میں یہ لطیفہ بھی ہوا کہ سٹیج سیکرٹری مرحوم قاضی محمد اسلم سیف نے حضرت حکیم صاحبؒ کو دعوتِ خطاب دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ حضرت حکیم صاحبؒ نے اردو زبان کو اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے اور وہ ہمیشہ اردو زبان میں ہی اظہارِ خیال فرماتے ہیں لیکن پنجابی آپ کی مادری زبان ہے اور یہاں جلسے کا ماحول ایک دیہاتی ماحول ہے لہٰذا ہماری گزارش ہے کہ آپ آج پنجابی زبان میں تقریر فرمائیں۔ حضرت حکیم صاحبؒ نے خطبہ مسنونہ کے بعد دو چار جملے پنجابی زبان میں ادا فرمائے اور پھر فرمایا کہ جیسا کہ سٹیج سیکرٹری صاحب نے کہا ہے میرا اردو زبان میں ہی اظہار خیال کا معمول ہے، مجھے پنجابی میں گفتگو کرتے ہوئے بہت دشواری محسوس ہو رہی ہے، مجھے اردو میں اپنی بات کہنے کی اجازت دیجئے ،البتہ میں یہ عہد کرتا ہوں کہ اردو زبان کے آسان سے آسان الفاظ استعمال کروں گا تاکہ ہر شخص میری بات آسانی سے سمجھ سکے،اور پھر آپ کا یہ خطاب واقعی سہلِ ممتنع کی ایک بہترین مثال تھا۔

حضرت حکیم صاحبؒ سے دوسری ملاقات بھی اپنے گاؤں میں اس وقت ہوئی جب

Marfat.com

آپ تکمیلِ صحیح البخاری کی تقریب میں تشریف لائے۔ 1968ء میں جامعہ سلفیہ سے سندِ فراغت حاصل کرنے بعد گاؤں کے مدرسہ رحمانیہ میں تدریس کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ حضرت مولانا حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی رحمہ اللہ بھی مدرسہ رحمانیہ کے اساتذہ میں شامل تھے لیکن ان سے استفادہ کرنے والا کوئی طالب علم نہیں تھا، لہٰذا موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے میں نے بلا شرکت غیرے حضرت حافظ صاحبؒ کے سامنے صحیح البخاری کی مکمل قراءت کی اور پھر آخر میں تقریب کا اہتمام کیا گیا، جس میں الجامع الصحیح کی آخری حدیث پر درس کے لئے حضرت الاستاذ مولانا محمد عبداللہ محدث جھال والے رحمہ اللہ کو دعوت دی گئی تھی۔ آپ کے علاوہ جن دیگر اصحابِ علم وعرفان کو اس تقریبِ سعید میں مدعو کیا گیا تھا، ان میں سے حضرت صوفی عبداللہ صاحب ماموں کانجن والے، حضرت سید مولیٰ بخش کوموی اور حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کے اسمائے گرامی بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔

اس تقریب کے چند دن بعد حضرت الاستاذ مولانا محمد عبداللہ اور حضرت مولانا محمد اسحاق چیمہ رحمہما اللہ ہمارے گاؤں تشریف لائے اور انہوں نے ادارہ علوم اثریہ، جو ان دنوں نیا نیا قائم ہوا تھا، کا تعارف کرایا اور ادارہ کے تعلیمی و تربیتی پروگرام میں شرکت کی دعوت دی۔ اس طرح مذکورہ بالا تقریب میرے ادارہ علوم اثریہ میں آنے کی تمہید بن گئی۔ ادارہ میں حضرت مولانا محمد عبدہ الفلاح، متکلم اسلام حضرت مولانا محمد حنیف ندوی اور حضرت مولانا محمد عبداللہ محدث جھال والے رحمہم اللہ اجمعین سے کسبِ فیض کا خوب خوب موقعہ ملا۔ یاد رہے کہ حضرت الاستاذ مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ صرف ایک واسطے ...... حضرت مولانا عبدالوہاب دہلوی رحمہ اللہ...... سے شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے تلمیذِ رشید تھے اور علوم وفنونِ حدیث میں بہت زیادہ مہارت رکھتے تھے۔

اس طویل تمہید سے مقصود یہ ہے کہ حضرت حکیم صاحب رحمہ اللہ سے راہ ورسم کا باقاعدہ آغاز 1970ء میں ادارہ علوم اثریہ میں آنے کے بعد ہوا۔ 1971ء میں سقوطِ مشرقی پاکستان کے سانحہ کے بعد ادارہ علوم اثریہ میں کافی عرصہ تک ہر جمعرات کو بعد از نمازِ عصر ایک

Marfat.com

نشست منعقد کی جاتی رہی، جس میں اہل حدیث اور دیو بندی دونوں مکاتبِ فکر کے نمایاں حضراتِ علماءِ کرام شرکت فرماتے تھے تا کہ اس حادثہ فاجعہ کے اسباب اور ملک و ملت کو درپیش صورتِ حال کے جائزہ کے بعد کوئی متفقہ لائحہ عمل اختیار کیا جا سکے۔ حضرت حکیم صاحب رحمہ اللہ ان نشستوں میں باقاعدگی سے شرکت فرماتے۔ درحقیقت یہ پروگرام آپ ہی کی تجویز سے شروع کیا گیا تھا، میری ذمہ داری ان نشستوں کی روداد مرتب کرنے کی تھی۔ میں نے دیکھا کہ حکیم صاحبؒ اس خود اعتمادی کے ساتھ عالمانہ، والہانہ اور حکیمانہ انداز میں گفتگو فرماتے، جو سب سے فائق ہوتی، جس میں بے پناہ سوز و گداز، تڑپ اور ملک و ملت کا غم ہوتا۔ ان کی گفتگو سنتے ہوئے محسوس ہوتا کہ الفاظ و حروف ان کی زبان سے ادا نہیں ہو رہے بلکہ ان کے دل کے غم اور ان کی روح کی تڑپ نے الفاظ و حروف کی صورت اختیار کر لی ہے۔ وہ ایک ایک لفظ تول کر بولتے اور ان کی گفتگو حشو و زوائد سے بالکل پاک ہوتی تھی۔

ان دنوں حضرت حکیم صاحبؒ جامع مسجد منشی محلّہ، فیصل آباد میں جمعۃ المبارک کا خطبہ ارشاد فرماتے تھے، میں نے بھی التزام کے ساتھ ان کی اقتداء میں جمعہ ادا کرنا شروع کر دیا۔ ہمارے روایتی خطباء کی نسبت ان کا خطبہ بہت ہی منفرد انداز کا ہوتا تھا۔ خطبہ ارشاد فرماتے تو یوں محسوس ہوتا کہ ان میں برقی لہر دوڑ گئی ہے، بلند آواز، تقریر میں تسلسل، اندازِ بیان مؤثر اور دل نشیں، حالات کا بے باک تجزیہ، متانت اور سنجیدگی.......... مجمع بھی انتہائی سنجیدہ ہو جاتا اور یوں محسوس ہوتا کہ ان کے سوزِ دل کی گرمی اور آتش کدۂ جان کی لپٹ نے سننے والوں کے دل و دماغ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ وہ حالات کی سنگینی کا اس قدر دل سوزی کے ساتھ تجزیہ کرتے کہ ایک بار رفیق مکرم قاری محمد ایوب فیروز پوریؒ کہنے لگے کہ حکیم صاحبؒ کا ایک خطبہ یا درس سننے کے بعد کئی دن کھانا کھانے کو جی نہیں چاہتا۔

حکیم صاحبؒ بلاشبہ بے باک اور جری خطیب اور ادیب تھے۔ انہوں نے ہر دورِ حکومت میں اربابِ اقتدار کی غلط کاریوں پر بہت شدید تنقید کی۔ سقوطِ مشرقی پاکستان کے

Marfat.com

دنوں میں انہوں نے اپنی تقریر و تحریر میں بہت واشگاف انداز میں کہا کہ ہمارے ملک کا بیڑا شرابیوں اور بدکاروں نے غرق کیا ہے۔ اس طرح کے سنگین حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے آپ کی حالت بھی سنت کے مطابق ایسی ہوتی جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان کیا ہے:

اِذَا خَطَبَ اِحمَرَّتْ عَینَاهُ ، وَعَلَا صَوتُهٗ ، وَاشْتَدَّ غَضَبُهٗ، حَتّٰی کَأَنَّهٗ مُنْذِرُ جَیْشٍ یَقُوْلُ: صَبَّحَکُمْ وَمَسَّاکُمْ۔

(صحیح مسلم، حدیث 867)

"جب آپؐ خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی، شدتِ غضب کے باعث کیفیت یوں ہوتی جیسے آپ کسی ایسے لشکر کی آمد سے ڈرا رہے ہوں جو صبح یا شام حملہ آور ہونا چاہتا ہو۔"

بہر حال میں جس دور کی بات کر رہا ہوں، اس میں حضرت حکیم صاحبؒ کی ذہانت و فطانت، جرأت و ہمت، خود شناسی و خود اعتمادی، حکمت و دانش، شخصیت کی دل آویزی و دل ربائی، اسلوبِ نگارش اور طرزِ تقریر اپنے جوبن پر اور ان کا دماغ، زبان، دل اور قوتِ عمل اپنے نقطہ عروج پر تھی اور وہ اپنی ان ساری خداداد صلاحیتوں کو تبلیغ و اشاعتِ دین اور ملک و ملت کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کئے ہوئے تھے۔

منشی محلّہ کی مسجد میں خطبہ جمعۃ المبارک کے علاوہ ان کے ہفتہ وار درسِ قرآن کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ میں نے ان کے اس درس میں پابندی سے شرکت کرنا شروع کر دی۔ دروسِ قرآن کی ان محفلوں میں شرکت سے محسوس ہوا کہ وہ صاحبِ طرز ادیب، شعلہ نوا خطیب، ماہر طبیب اور میدان سیاست کے شہسوار ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے بلند پایہ مفسر بھی ہیں، ان کا درسِ قرآن بے حد عمیق، مربوط اور فکر انگیز ہوتا۔ حد درجہ وسعتِ نظر، جدید ذہنوں کی رعایت، نت نئے شبہات کے ازالہ کی استعداد و صلاحیت ان میں بدرجہ اتم موجود تھی خصوصاً نسلِ نو کو الحاد اور زندیقیت کی یلغار سے بچانے کے لئے آپ ہمیشہ سرگرم عمل

Marfat.com

رہتے اور سمجھتے تھے کہ اس کے لئے یہ بے حد ضروری ہے کہ نژادِ نو کا عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے ساتھ بھی رشتہ مضبوط و مستحکم کر دیا جائے اور قرآن مجید کی تعلیمات کے جوہر کو اس کی رگ رگ میں اتار دیا جائے۔ اس کے لئے جامعہ تعلیمات اسلامیہ کے نام سے ایک باقاعدہ دینی ادارہ تو قائم فرمایا ہی تھا، اس کے علاوہ بھی وہ اس سلسلے میں کئی پروگرام تشکیل دیتے رہتے تھے۔ اسی ضمن میں انہوں نے منشی محلہ کی مذکورہ بالا مسجد میں نوجوانوں کے لئے ایک قرآن کلاس کا اجراء فرمایا اور تدریس کی ذمہ داری بندۂ عاجز کے سپرد فرمائی۔ بحمداللہ کافی عرصہ تک یہ کلاس جاری رہی۔ اب بھی اس کلاس میں شرکت کرنے والے کئی عزیزوں مثلاً ڈاکٹر افتخار فاروق (جو تقریباً اٹھارہ سال سے کومے میں ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں جلد صحت و عافیت عطا فرمائیں)، برادر عزیز حکیم حامد اشرف، پروفیسر عبدالمجید جنجوعہ، جناب محمد سرور طارق اور دیگر کے نام یاد آ رہے ہیں، اللہ ان سب کو دنیا و آخرت کی حسنات و برکات سے سرفراز فرمائے۔

حضرت حکیم صاحبؒ دیگر خوبیوں کے ساتھ ساتھ بلند پایہ انشاء پرداز اور منفرد اسلوب کے حامل ادیب تھے۔ ان کی تحریر میں ایسی شادابی اور شگفتگی تھی کہ اسے پڑھ کر دہلی اور لکھنؤ کے ادیبوں کا دھوکا ہوتا تھا لیکن جب معاملہ حق کی حمایت کا، دینی و ملی غیرت کا اور اتحاد و زندیقیت کی سرکوبی کا ہوتا تو ان کا خامۂ گوہر بار شمشیرِ جوہر دار بن جاتا تھا۔ قلمی جہاد کے لئے انہوں نے ''المنبر'' کا اجراء فرمایا، جسے انہوں نے ملک کے مختلف فرقوں کے جذبات میں ہیجان، باہمی منافرت اور طفلانہ ذہنیت پیدا کرنے کی بجائے کتاب و سنت کی پاکیزہ تعلیمات کا ترجمان اور وحدتِ امت کا داعی اور نقیب بنا دیا اور نئے لکھنے والوں کے لئے تربیت گاہ۔ آپ کے پاس کافی تعداد میں عربی جرائد و مجلات بھی آتے تھے، میں نے آپ کے حسبِ ارشاد ان میں طبع ہونے والے بعض مقالات کا اردو میں ترجمہ بھی کیا جو ''المنبر'' میں شائع ہوا۔ گو یہ سلسلہ زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکا تاہم عربی سے اردو ترجمہ کی یہ مشق مستقبل میں میرے بہت کام آئی، والحمدللہ علی ذلک۔

Marfat.com

19 اپریل 1984ء کو اسلامی نظریاتی کونسل سے وابستگی کے باعث اسلام آباد منتقل ہو جانے کی وجہ سے افسوس کہ حضرت حکیم صاحبؒ سے ملاقاتوں بلکہ یوں کہیے کہ کسبِ فیض کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اسلام آباد منتقل ہونے کے بعد ایک بار بین الاقوامی سیرت کانفرنس، اسلام آباد میں ملاقات ہوئی تو محبت وشفقت سے گلے لگا لیا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے محبت اور رحمت کے لمس نے مجھے کششِ ثقل سے آزاد کر دیا ہو۔ مزاح کے لطیف انداز میں فرمانے لگے: اب تو آپ سے ملاقاتیں بھی بڑے شہر میں ہی ہوتی ہیں۔ میں نے عرض کیا: میرے نزدیک تو بڑا شہر وہ ہے، جو میرے محسنوں اور مربیوں کا مسکن ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ میں فیصل آباد آیا تو حضرت حکیم صاحبؒ سے ملاقات کئے ہوئے کافی عرصہ ہو چکا تھا۔ دل زیارت کے لئے بے قرار تھا۔ آپ کی جناح کالونی والی رہائش گاہ پر حاضری دی۔ نہایت محبت وشفقت سے پیش آئے۔ وہی تر و تازہ اور نورانی چہرہ، ذکرِ الٰہی سے حرکت کرتے ہوئے ہونٹ، وہی پُر بہار اور زعفران زار مجلس، وہی معلومات کا دریا موجیں مارتا ہوا، مجلس کے طویل ہو جانے کے باوجود اٹھنے کو جی نہ چاہے:

بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی
وہ اپنی ذات سے ایک انجمن ہیں

حضرت حکیم صاحبؒ لاریب ایک عالمِ باعمل اور تہجد گزار و شب زندہ دار بزرگ تو تھے ہی لیکن ایک بات جو میں نے بطورِ خاص محسوس کی اور آج کے دیگر علماء میں بہت کم نظر آئی، وہ یہ کہ ہر وقت ان کی زبان پر ذکرِ الٰہی جاری رہتا تھا۔ ان کے ہونٹ ذکرِ الٰہی سے ہلتے رہتے تھے۔ انہیں دیکھ کر حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث یاد آ جاتی ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو دیہاتی آئے اور دونوں نے آپؐ سے ایک ایک سوال پوچھا، ایک نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سب بہتر کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جسے طویل عمر نصیب ہو اور حسنِ عمل کی توفیق۔ دوسرے نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: اسلام کے احکام و مسائل تو بہت زیادہ ہیں، آپؐ ایک ایسی بات ارشاد فرما دیں،

Marfat.com

جسے میں مضبوطی سے تھام لوں؟ آپؐ نے فرمایا: تمہاری زبان ہر وقت ذکرِ الٰہی سے تروتازہ رہنی چاہیے۔" (مسند احمد ج4، ص190)

اور صدیقہ کائنات ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول تھا کہ:

كَانَ يَذْكُرُ اللّٰهَ تَعَالٰى عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ.

آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔

(صحیح مسلم: 373، سنن ابی داؤد: 18، سنن ترمذی 3381)

حضرت حکیم صاحب رحمہ اللہ کی زندگی ان احادیثِ مبارکہ کے مصداق تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دراز اور بابرکت عمر عطا فرمائی۔ حسنِ عمل کی سعادت بخشی اور اپنے ذکر و فکر کی توفیق سے نوازا کہ حیاتِ مستعار کے دنوں اور راتوں اور صبحوں اور شاموں کے تمام اوقات ذکر و فکر سے مہکتے رہتے تھے۔

اللہ رب ذوالجلال نے انہیں بہت متضاد صفات کا جامع اور بہت متنوّع شخصیت کا حامل بنایا تھا۔ میں نے اس قدر مجمع الصفات کوئی شخصیت نہیں دیکھی۔ وہ طبقۂ امراء میں امیر، حلقۂ ادباء میں ادیب، دبستانِ خطباء میں خطیب، زمرۂ اطباء میں طبیب، ماہرینِ تعلیم کی محفل میں ماہرِ تعلیم اور سیاست دانوں کی صف میں سیاست دان تھے، اور جب کسی محفل میں ایسے سب لوگ جمع ہوں تو وہ صدرِ محفل اور شمعِ انجمن اور پھر اس سب سے بڑھ کر وہ ایک درد آشنا، صاحبِ دل، روشن ضمیر اور صاحبِ باطن بزرگ تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حکیم صاحبؒ نے حیاتِ مستعار کے ایک ایک لمحے کی قدر کی اور اسے مثبت اور مؤثر کاموں میں صرف کیا۔ "جامعہ تعلیمات اسلامیہ"، "جامعہ طبیہ اسلامیہ"، "اشرف لیبارٹریز"، "المنبر" اور اس طرح کے دیگر بہت سے کام ان کے عملِ پیہم اور عزمِ صمیم کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور ان کے لئے صدقہ جاریہ بھی۔ مقامِ مسرت ہے کہ ان کے صاحبزادگانِ گرامی قدر، برادرانِ عزیز جناب محمد طارق اشرف، ڈاکٹر زاہد اشرف اور

Marfat.com

جناب حکیم حامد اشرف ان تمام اداروں کی آبیاری کے لئے سرگرم عمل ہیں، جنہیں ان کے عظیم المرتبت والدِ گرامی نے اپنے خونِ جگر سے سینچا تھا۔

یہ چند تاثرات ہیں جو صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیئے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت حکیم صاحبؒ جیسی جامع الصفات شخصیت کے تذکارِ جمیل کے لئے سینکڑوں صفحات بھی ناکافی ہیں۔ اللہ ربِ ذوالجلال والاکرام کی رحمت سے امید ہے کہ ان کی روح بھی اپنے اعمالِ حسنہ اور باقیاتِ صالحات سے سرشار ہو کر کہہ رہی ہوگی:

حاصلِ عمر نثارے رہِ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم
''حیات مستعار کی ساری پونجی میں نے رہِ یار پر نثار کر دی
اپنی زندگی سے شاد باد ہوں کہ کچھ کر کے آیا ہوں''

اللہ رب العالمین کے حضور نہایت الحاح و زاری سے دست بدعا ہوں کہ اس نے جس طرح اپنے اس بندے کو دنیا میں اُجلے ذہن، اُجلی سوچ، اُجلے لباس، اُجلی گفتگو، اُجلے دامن اور اُجلے کردار کا حامل بنایا، شرافت و نجابت کی تصویر بنایا اور اسلامی زندگی کا پیکرِ جمیل، اسی طرح اپنی کرم نوازیوں اور فیاضیوں کے ساتھ ان کی تربت کو شبنم رحمت سے خنک اور پُر بہار بنا دے، ان کی بشری لغزشوں سے درگزر فرماتے ہوئے انہیں اعلیٰ علیین میں بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ درجات سے سرفراز فرما دے۔

فِىْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ۔

Marfat.com

حق گو اور جری

حکیم محمود احمد ظفر ☆

حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ ایک باغ و بہار شخصیت تھے۔ میرا ان سے پہلا تعارف 1951ء میں سیالکوٹ میں ہوا۔ مولانا عبدالغفار حسنؒ اس زمانہ میں سیالکوٹ میں رہائش پذیر تھے۔ الیکشن کا زمانہ تھا۔ جماعتِ اسلامی پہلے تو الیکشن میں حصہ لینا جائز نہیں سمجھتی تھی، لیکن بعد میں اس کی قیادت نے الیکشن میں حصہ لینے کے لئے ایک تاویل کی اور پاکستان میں کئی جگہوں پر اپنے اُمیدوار کھڑے کئے۔ سیالکوٹ میں بھی ایک اُمیدوار ملک محمد حسین ایم۔ اے کو اسمبلی کے الیکشن کے لئے امیدوار کھڑا کیا گیا۔ حکیم صاحب مرحوم اس زمانے میں جماعتِ اسلامی کے ایک فعّال رکن تھے۔ مولانا عبدالغفار حسنؒ سے اسی بارہ میں شاید ملنے کے لئے سیالکوٹ تشریف لائے تو ان سے ملاقات ہوئی۔ پہلی ہی ملاقات میں ان کی مرنجان مرنج شخصیت متاثر کر گئی۔ ہنستا مسکراتا چہرہ، شیریں سخن، دل میں اسلام کا درد، باتیں ایسی کہ نکہتِ بادِ بہاری چمن بردوش ہو کر لالہ و گل سے سرگوشیاں کرے۔ گویا کہ ''نگاہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز'' کی زندہ تصویر تھے۔

اس ملاقات کے کچھ عرصہ بعد ان کا مجلّہ المنیر پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا گنگا جمنی اندازِ تحریر، جس کے حرف حرف سے سنجیدگی ٹپکتی اور اسلام کے درد کی لہریں اُٹھتی تھیں، قاری کے ذہن میں گھر کرتا چلا جاتا تھا۔ یہ رسالہ میں باقاعدگی سے کئی سال پڑھتا رہا۔ پھر یہ

☆ سابق مدیر ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' لاہور۔
اردو اور انگریزی میں پچاسی سے زائد کتب کے مصنف۔ سیالکوٹ کے معروف خطیب، طبیب اور صنعتکار۔

Marfat.com

کسی وجہ سے بند ہو گیا اور اس کے بجائے المنبر کے نام سے پرچہ کا اجراء کیا گیا جو آج تک صدقۂ جاریہ کے طور پر جاری ہے۔

پھر کئی سال تک حکیم صاحب مرحوم سے ملاقات نہ ہو سکی۔ شاید 68-1967ء کی بات ہے۔ میں اس زمانے میں جمعیت علمائے اسلام کے ہفت روزہ ''ترجمانِ اسلام'' کا مدیر تھا اور لاہور میں رہائش پذیر۔ جمعیت کے دفتر واقع رنگ محل میں حکیم صاحب مرحوم کا فون آیا کہ فلاں تاریخ کو ایمبیسیڈر ہوٹل، ڈیوس روڈ میں چار بجے اشرف لیبارٹریز کی طرف سے ایک عصرانہ ہے۔ محمد علی خان ہوتی (جو اس زمانہ میں ایوب خان حکومت کے وزیر تھے) مہمانِ خصوصی ہوں گے۔ آپ نے اس عصرانہ میں ضرور آنا ہے۔ میں نے آنے کا وعدہ کر لیا۔ وقتِ مقررہ پر جب وہاں پہنچا تو حکیم صاحب مرحوم اپنے ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ ہر مہمان کا استقبال کر رہے تھے۔ مجھے بھی ملے اور اس طرح ملے جیسے مدتوں سے آشنائی ہو۔ حکیم صاحبؒ نے مجھے تقریب میں اگلی نشستوں پر جگہ دی۔ نہایت محبت و شفقت سے پیش آئے۔

اس ملاقات کے بعد پھر تعلقات کافی قربت کے ہو گئے۔ وہ جب کبھی لاہور آتے تو فون پر ضرور خیر و عافیت پوچھتے، ایک دو دفعہ ملاقات بھی کی۔ سیاسی موضوعات پر گفتگو بھی ہوتی رہتی۔ سیاسی موضوعات پر اختلاف کی راہیں بھی نکلتیں، لیکن حکیم صاحب مرحوم کی ہر دلیل وزن دار اور ہر بات پختہ اور زوردار ہوتی۔

1971ء کے الیکشن میں، جس میں بھٹو صاحب اسلامی سوشلزم کے نعرہ کے ساتھ میدان میں آئے اور جمعیت علمائے اسلام اپنے اصلی مؤقف نفاذِ اسلام کو چھوڑ کر سوشلسٹوں سے گٹھ جوڑ کرنے لگی تو اس وقت پرانی جمعیت علمائے اسلام، جس کے سیکرٹری جنرل مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم تھے، حرکت میں آئی اور پنجاب اور سرحد کے قریباً ہر شہر میں جلسے کر کے لوگوں کو سوشلزم سے آگاہ کیا گیا۔ اس سلسلہ میں احقر، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا نور احمد مرحوم (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کے داماد) اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ کی معیت میں فیصل آباد گیا، اور ہم سب نے حکیم صاحبؒ کے

Marfat.com

دولت کدہ پر ہی دو روز قیام کیا۔ میں نے دیکھا کہ باوجود اتنا عدیم الفرصت ہونے کے، آپ نے ان علماء کے احترام میں دو روز گھر پر ہی گزارے۔ کئی مسائل پر ان حضرات سے گفتگو کی، خصوصی طور پر مولانا جمیل احمد تھانوی مرحوم سے کئی استفسارات کئے اور حضرت مفتی صاحب کے جوابات سے حکیم صاحبؒ مرحوم بہت محظوظ ہوئے۔ سوشلزم کے بارہ میں وہ بالکل ہی ہم سے متفق تھے۔ بھلا جس شخص نے نفاذِ اسلام کی تحریک میں اپنی زندگی کا ایک معتد بہ اور گراں قدر حصہ گزارا ہو، وہ سوشلزم کو کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں حکیم صاحبؒ نے ہمیں کئی علماء سے ملوایا جن میں مفتی محمد نعیم لدھیانوی مرحوم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

حکیم صاحب مرحوم کی اس میزبانی کے ساتھ، تعلقات میں پہلے سے بھی زیادہ قربت پیدا ہو گئی لیکن وہ قربت ملاقات کی صورت میں نہیں تھی بلکہ خیالات کی قربت کی صورت میں۔ کیونکہ میرے اور ان کے خیالات میں بہت ہم آہنگی تھی۔ لہٰذا ہر ملاقات میں مجھ سے بہت شفقت سے پیش آتے تھے۔

جماعتِ اسلامی سے ترکِ تعلق کے بعد حکیم صاحبؒ نے ملک و ملّت کے لئے جو کچھ کیا، اس کو دیکھ کر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جماعت کی تحریک میں عمر کا جو کچھ حصہ گزارا وہ ضیاع کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ○ کیونکہ نفاذِ اسلام کے لئے انہوں نے اپنی دنیا کے تمام کاموں کو تج دیا تھا۔ لیکن مودودی صاحب سے فکری اختلاف کی وجہ سے جب مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم اور دوسرے تمام علماء نے جماعت کو چھوڑ دیا تو حکیم صاحب مرحوم جیسا راست فکر انسان کیسے جماعت میں رہ سکتا تھا۔ ☆ چنانچہ جماعت کو چھوڑنے کے بعد نہ تو انہوں نے کسی اور سیاسی جماعت میں شمولیت اختیار کی اور نہ ہی کسی خاص

○ اس جملے کو تعبیر کی شدت قرار دیا جا سکتا ہے ورنہ حقیقت یہی ہے کہ جماعتِ اسلامی میں کام کرتے ہوئے مرحوم نے بساط بھر جدوجہد کی۔ اقامتِ دین کے مقصدِ حیات کو پانے کے لئے تبلیغی و دعوتی اور صحافتی میدان میں گراں قدر کام کیا اور ان مٹ نقوش ثبت کئے۔

☆ مولانا عبدالرحیم اشرف علیہ الرحمہ نے مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم و مغفور سے پہلے جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ (ز۔ا)

Marfat.com

جماعت کی اپنے رسالے المنبر میں ہم نوائی کی۔ بات وہ لکھی جس کو سولہ آنے صحیح سمجھا اور راست گوئی میں کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کی۔

مسلک کے لحاظ سے حکیم صاحب مرحوم اگرچہ اہلِ حدیث تھے، لیکن نہ تو دوسرے علماءِ اہلِ حدیث کی طرح تعصب کے دبیز پردے ڈالے ہوئے تھے اور نہ ہی اس قدر فراخ دل کہ ہر مجلسِ بدعت میں شریک ہوں۔ اپنے مسلک میں نہایت معتدل۔ چنانچہ ایک مرتبہ جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کے سالانہ جلسہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کو دعوت دی اور انہوں نے وحدتِ اُمت پر جو عجیب و غریب تقریر کی، حکیم صاحب اس کے بہت مداح تھے۔ آپ نے حضرت مفتی صاحب مرحوم کی اس تقریر کو طبع بھی کروایا۔ ایک ملاقات میں مجھے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب مرحوم نے ایسی تقریر فرمائی کہ اس سے اختلاف ہی نہیں کیا جا سکتا۔

اس مسافر کی محرومیٔ دل کا اندازہ کون کر سکتا ہے جسے منزل پر پہنچ کر بھی منزل نہ ملے۔ حکیم صاحب نے اپنی زندگی کے قیمتی ایام جماعتِ اسلامی میں اس وقت گزارے جب پورے پاکستان میں جماعت کے صرف چند رکن تھے، لیکن جب مودودی صاحب نے ''اسلام میں حکمتِ عملی'' کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا تو جماعت کے وہ رکن جو علمِ دین کی دولت سے حظِ وافر رکھتے تھے، یک دم جماعت سے نکل گئے۔ ان میں اکثریت جماعت کے بانی ارکان کی تھی۔ مودودی صاحب کے ان خیالات کے خلاف پہلے تو جماعت کے اندر ہی کئی ماہ تک ایک سرد جنگ جاری رہی جس کا ذکر حضرت مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم نے اپنے مضمون ''دین میں حکمتِ عملی کا مقام'' میں کیا ہے، لیکن جماعت سے نکلنے کے بعد اس بارہ میں سب سے پہلا مقالہ حکیم صاحب مرحوم نے اپنے رسالہ میں لکھا۔

مولانا مودودی مرحوم جب اپنے رفقاء کے ساتھ دارالاسلام گورداسپور (بھارت) سے لاہور (پاکستان) منتقل ہوئے تو ان کا طرزِ فکر بدلنے لگا اور اپنی تمام سابقہ تحریروں کے برعکس یہ سوچنے لگے کہ جس طرح مسلم لیگ نے اسلام اور اسلامی حکومت کا صرف نعرہ لگا کر

Marfat.com

الیکشن کی جنگ میں دوسری مسلمان سیاسی جماعتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی اکثریت کی تائید اور حمایت حاصل کر لی ہے اور پاکستان بنوالیا ہے، اسی طرح ہم بھی ''اسلامی نظام'' اور ''اقامتِ دین'' کے نام پر الیکشن میں مسلمانوں کی تائید حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح حکومت ہمارے ہاتھ میں آجائے گی اور پھر ہم اس کو صحیح معنوں میں ''اسلامی حکومت'' بنالیں گے۔ اس اُمید پر الیکشن میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

الیکشن میں حصہ لینے کا جماعت نے فیصلہ تو کر لیا، لیکن ساتھ یہ بھی طے کیا گیا کہ ہم الیکشن اسلامی احکام اور اسلامی اصولوں کی پابندی کے ساتھ لڑیں گے اور پاکستان کی دوسری سیاسی پارٹیوں کو دکھلا دیں گے کہ الیکشن اسلامی اصول و احکام کی پابندی کے ساتھ اس طرح لڑا جاتا ہے۔ اس بارہ میں سب سے پہلا فیصلہ یہ کیا گیا کہ جو شخص کسی حکومتی عہدہ یا منصب کا خود خواہش مند ہو اس کو وہ عہدہ اور منصب بالکل نہ دیا جائے۔ چنانچہ جلسوں اور اخبارات کے ذریعہ عوام کو یہ کہا گیا کہ کسی ایسے امیدوار کو ہرگز ووٹ نہ دیں جو اسمبلی کی رکنیت کا خود طالب اور خواستگار ہو۔

بہر حال اپنے سوچے سمجھے منصوبے اور نقشے کے مطابق پاکستان میں کچھ حضرات کو الیکشن میں کھڑا کیا گیا اور اس کو اقامتِ دین کی جدوجہد اور جہاد فی سبیل اللہ قرار دے کر اپنے پورے وسائل، ذہن اور زبان و قلم کی ساری صلاحیتوں کو اس پر لگا دیا گیا، لیکن نتیجہ صفر ہی رہا اور ایسی حیرت انگیز ناکامی ہوئی کہ مولانا مودودیؒ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس الیکشن میں یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ کسی ایسی پارٹی سے انتخابی سمجھوتہ بھی نہ کیا جائے جو الیکشن کی مہم میں جماعت کے طے کردہ اصولوں اور شرعی احکام کی پابندی نہ کرے۔

اگلے الیکشن میں مودودی صاحب اور ان کی جماعت نے پہلے الیکشن میں ناکامی کے تجربہ کے پیشِ نظر اپنے اصول اور طریقِ کار میں جو دین و شریعت کی روشنی میں اختیار کئے گئے تھے، تبدیلی کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ دوسری پارٹیوں سے انتخابی سمجھوتے کے سلسلہ میں جو سخت رویّہ پہلے الیکشن میں اپنایا گیا تھا اور اس کو از روئے شریعت ضروری

Marfat.com

قرار دیا گیا تھا، اس کو تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ الیکشن کے ذریعہ حکومتی اقتدار حاصل کرنے کی اس پالیسی کے سلسلہ میں اور بھی کئی ایسے فیصلے کئے گئے جو شریعت کے اصول و احکام اور خود مولانا مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے اس قدیم مسلک کے سراسر خلاف تھے جو ملک کی تقسیم سے قبل ان کا رہا تھا، اور اس کو انہوں نے عین دین قرار دیا تھا۔ پالیسی کی اس تبدیلی کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ جماعت کا مزاج دین کی حامل اور داعی جماعت کے بجائے سیاسی پارٹی والا بن گیا اور اس میں وہی لوگ بھرتے چلے گئے جن کے لئے اس مزاج میں جاذبیت اور کشش تھی۔

جماعت کا وہ مخلص عنصر جس کو جماعت کے ابتدائی دور کی دینی دعوت نے کھینچا تھا اور جو اس اُمید پر جماعت میں داخل ہوا تھا کہ اس کے ذریعہ اقامتِ دین کی جدوجہد خالص انبیائی طریق پر ہوگی، اس نے کسی حد تک تو پالیسی کی اس تبدیلی کا ساتھ دیا، لیکن جب راستہ اور مزاج کی تبدیلی بالکل کھل کر سامنے آ گئی تو اس مخلص عنصر نے اس پالیسی اور طریقِ کار سے اختلاف کرنا ضروری سمجھا اور اسی وقت سے جماعت میں نظریاتی کشمکش شروع ہوگئی، جس نے بعد میں اختلاف کی صورت اختیار کر لی۔

مولانا مودودیؒ نے اب جماعت کے سامنے ''دین میں حکمتِ عملی'' کا فلسفہ پیش کیا، جس کا حاصل یہ تھا کہ اقامتِ دین جیسے اعلیٰ اور عظیم مقصد کی جدوجہد کے سلسلہ میں اگر شریعت کے خلاف کچھ کام کرنے پڑیں تو خود شریعت میں اس کی گنجائش موجود ہے۔ یہ بات بہت خطرناک تھی اور سیاسی طالع آزماؤں کے لئے اس سے دین میں فتنوں کا ایک پھاٹک کھل سکتا تھا، لیکن مودودی صاحب نے اپنی ذہانت اور زورِ قلم سے اس کو شرعی دلائل سے مرصّع کرنے کی کوشش کی۔

مودودی صاحبؒ کے ''دینی حکمتِ عملی'' کے اس فلسفہ کے خلاف جس شخص نے سب سے پہلے آواز بلند کی وہ حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف قدس سرہٗ تھے، جو اس وقت مودودی صاحبؒ کے خاص رفیق اور جماعت کی مجلسِ شوریٰ کے اہم رکن تھے۔ انہوں نے

Marfat.com

اپنے اخبار المنیر فیصل آباد (اس زمانہ میں لائل پور) میں ایک نہایت زوردار اور مدلل مضمون لکھا جس کا عنوان تھا ''دین کو تحریک سمجھنے کی ہلاکت آفرینیاں۔'' اس مضمون میں انہوں نے واضح دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ دین کو جب تحریک کا تصور دے دیا جائے تو پھر کیا کیا ہلاکت آفرینیاں جنم لیتی ہیں۔ یہ مضمون قریباً 18 صفحات پر مشتمل تھا۔ مودودی صاحبؒ نے مئی 1958ء میں اس مضمون کا ''ترجمان القرآن'' میں جواب دینے کی کوشش کی اور اپنے ''حکمتِ عملی'' کے فلسفہ کے ثبوت میں 10/9 دلیلیں پیش کیں، مثلاً یہ کہ قرآن پاک میں اکراہ کی صورت میں زبان سے کلمۂ کفر کہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اسی طرح اضطرار کی حالت میں مُردار کھالینے کی اجازت دی گئی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ ذہانت اور زبان وقلم کی طاقت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نعمت کی حفاظت نہ ہو تو یہ بہت بڑا فتنہ اور لاکھوں بندگانِ خدا کی گمراہی کا بھی ذریعہ بن جاتی ہے۔ کیونکہ سیاسی پارٹیاں ''اسلام'' اور ''اسلامی حکومت'' کا نام لے کر مودودی صاحبؒ کے ان دلائل کی روشنی میں اپنی سیاسی جدوجہد کے راستہ میں ہر حرام کو حلال قرار دے کر استعمال کر سکتی تھیں۔

اس مضمون کا جواب مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم نے نہایت زوردار دلائل سے دیا جس کا عنوان تھا ''دین میں حکمتِ عملی کا مقام۔'' گویا یہ مضمون حکیم عبدالرحیم اشرف مرحوم کے مقالہ پر ایک حاشیہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس مضمون میں انہوں نے ان الفاظ پر بھی بحث کی جو مولانا مودودیؒ نے پورے دین کو سیاسی بنانے کے لئے دین کے متعلق ''تحریک'' اور پیغمبر کے متعلق ''لیڈر'' کے الفاظ استعمال کئے تھے۔ مولانا اصلاحیؒ نے اس مضمون میں لیڈر، ریفارمر اور نبی کے درمیان کئی فرق بیان کئے۔ ان میں سے چند ایک حسبِ ذیل ہیں جو قارئین کی ضیافتِ طبع کے لئے اپنے الفاظ میں نقل کر رہا ہوں:

1۔ ایک ریفارمر اور لیڈر کی پرورش اور تربیت عام انسانوں کی طرح ہوتی ہے۔ ان ہی کی طرح وہ تعلیم وتربیت حاصل کرتا ہے۔ ان ہی کی طرح اس کی زندگی میں اتار چڑھاؤ آتے

Marfat.com

ہیں۔ پھر وہ اپنی سعی و محنت اور متواتر جدوجہد اور ان کے ساتھ اپنی فطری صلاحیت اور دل سوزی کی بنا پر قوم یا ملک میں کوئی سیاسی، اجتماعی، اقتصادی، معاشرتی اور تعلیمی انقلاب برپا کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی فراستِ طبعی، خلوص و دیانت اور ایثار و نیک نیتی کی بنا پر قوم کی نگاہ میں محبوب ہو جاتا ہے اور قوم اس کو اپنا ریفارمر اور لیڈر تسلیم کر لیتی ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام کی حالت ایسی نہیں ہوتی۔ اوّل تو ان کی تعلیم و تربیت ہی صفتِ اجتباء و اصطفاء کے تحت ہوتی ہے، کیونکہ آگے چل کر ان کو ایک بہت بڑی ذمہ داری کو اٹھانا ہوتا ہے، جو کہ لیڈر اور ریفارمر کی ذمہ داری سے بہت بھاری ہوتی ہے۔ پھر ان کے ہر قول و فعل کی قدرت خود نگرانی کرتی ہے۔ حتیٰ کہ ان کی غذا، قوتِ شنوائی اور قوتِ بینائی سب کو صفتِ عصمت کے تحت معصوم رکھا جاتا ہے۔ پھر وہ لیڈر کی طرح قوم کے کہنے پر نبی نہیں بنتے، بلکہ وہ ایک مناسب عمر پر جو کہ اکثر چالیس سال ہوتی ہے، خود اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ رب العزت کی طرف سے نبی اور رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ہمیں نبی ماننے پر تمہاری دنیوی اور اُخروی زندگی کی بہتری اور اصلاح کا دارومدار ہے۔ ہم اس بات پر مامور ہیں کہ تم سے اپنی نبوت و رسالت کا اقرار کروائیں اور تم اس بات پر مامور ہو کہ ہمیں نبی مانو۔ ہمارے احکام پر عمل کرو اور دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ۔ غرضیکہ نبی اور رسول، نہ از خود نبی اور رسول بنتے ہیں اور نہ قوم ان کو نبی اور رسول بناتی ہے بلکہ حق تعالیٰ براہِ راست ان کو نبی اور رسول بناتا ہے۔

2۔ لیڈر اور ریفارمر اپنی تحریکوں اور پارٹیوں کو وقتی مصلحتوں اور سیاسی حکمت عملیوں کے تحت چلاتے ہیں۔ وہ اپنی ذہانت اور صوابدید سے تحریک کے مختلف گوشوں میں ہوا کا رخ دیکھ کر ردوبدل کرتے رہتے ہیں۔ نہ ان کے لئے معین حدود و قیود کی پابندیاں ہوتی ہیں اور نہ ہی پیروی کے لئے ان کے سامنے کوئی اُسوہ ہوتا ہے۔ وہ خود ہی کوزہ اور خود ہی کوزہ گر ہوتے ہیں۔ اگر عوام کو بھڑکانے کے لئے ضرورت محسوس کریں گے تو اپنی انتخابی سرگرمیوں کو بھی بدر و حنین کے غزوات سے تعبیر کریں گے اور اس جہاد سے الگ رہنے والوں کو مرتد و مردود

Marfat.com

ٹھہرائیں گے۔ اور اگر ہوا کا رخ خلاف دیکھیں گے تو یہ بدر و حنین کے مجاہدین اس طرح بلوں میں جا گھسیں گے، جس طرح بلی کو دیکھ کر چوہے بل میں جا گھستے ہیں۔ اگر موسم ساز گار پائیں گے تو گلے پھاڑ کر اعلان کریں گے کہ وقت آ گیا ہے کہ کرسیوں والے اپنے اقتدار کی کرسیاں ان کے لئے خالی کر دیں، لیکن اگر شومئی قسمت سے دورانِ تقریر ہی موسم بدلتا نظر آئے تو زورِ تقریر کی جھاگ خشک ہونے سے پہلے ہی اپنے مجاہدین کو ہدایت دیں گے کہ اپنی وردیاں پھینک دو، اپنی تلواریں توڑ دو، اپنے بورڈ اتار دو، اپنے اعلانوں کو گھس گھس کر مٹا دو، اپنے نعروں اور ناموں پر سیاہیاں پھیر دو اور اپنے گھروں کے دروازے بند کر لو۔

لیکن اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کے لئے خود حق تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود و قیود ہوتے ہیں۔ وہ حق تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں چلتے ہیں۔ ان کی جدوجہد کو یہ افتاد کبھی نہیں پیش آتی کہ وہ اٹھیں تو آندھی کی طرح، اور بیٹھ جائیں تو بلبلے کی مانند۔ وہ طوفان کے زور کے ساتھ بھی چلیں گے تو اس میں بھی نسیمِ صبح کی خوش ادائی اور بادِ بہاری کی عطر بیزی اور مشک افشانی ہو گی۔ بجلیاں آئیں گی، لیکن وہ ان کو اپنے راستہ سے نہیں روک سکیں گی۔ وہ زمانے کی ہوا کا رُخ دیکھ کر نہیں چلیں گے بلکہ زمانے کو اپنے مطابق چلانے کی کوشش کریں گے اور اس کوشش میں وہ اکثر کامیاب ہوتے ہیں۔

3۔ لیڈروں کا مقصد کامیابی ہوتا ہے، جس کو حاصل کرنے کے لئے اگر بُرے سے بُرا طریقہ بھی ان کو اختیار کرنا پڑے تو وہ اس سے بھی نہیں چُوکتے، لیکن انبیاء کا مقصد کامیابی نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی رضا ان کا مقصد ہوتا ہے، خواہ ساری زندگی کے وعظ و نصیحت کے بعد ایک متنفس بھی ان پر ایمان نہ لائے، مگر لوگوں کو ایمان کے راستہ پر لانے کے لئے وہ کبھی بھی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتے جو حق تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف ہو یا جسے اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتے ہوں۔ نہ ہی انہوں نے کبھی اس بات کی پرواہ کی ہے کہ دین کی تبلیغ حالات و مصالح کے مطابق ہے یا نہیں، اور لوگ اس کو رد کریں گے یا قبول کریں گے۔ اگر مصلحت کے پرستاروں کی طرف سے کبھی یہ اصرار کیا گیا کہ فلاں بات میں اگر یہ ترمیم و

Marfat.com

اصلاح کر دی جائے تو وہ پورے دین کو بخوشی قبول کر لیں گے، تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی جانب سے اس میں کسی ردو بدل کے مجاز نہیں ہیں۔ جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے جس کا جی نہ چاہے رد کر دے، بلکہ وہ اس دین کو جوان پر اتارا گیا بغیر کسی کمی وبیشی، بغیر کسی دخل و تصرف اور بغیر کسی ردو بدل کے پوری وضاحت وصراحت کے ساتھ خلقِ خدا کو پہنچا دیتے ہیں، اور اس کے مواد اور ترتیب میں کوئی تبدیلی نہیں ہونے دیتے ہیں۔ وہ اللہ کے دین کے امین ہوتے ہیں نہ کہ موجد و مصنف۔ اس وجہ سے ہر طرح کے حالات میں وہ اپنی ذمہ داری صرف یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں۔

4۔ وہ لیڈروں اور ریفارمروں کی طرح صرف گفتار ہی کے غازی نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے اصولوں، اپنے دعاوی اور اپنے نظریات کے عملی مظہر ہوتے ہیں۔ ان کے دل و زبان، قول و عمل اور خلوت و جلوت میں مطابقت ہوتی ہے۔ ان کی ایک ایک ادا اسی دین کی شہادت دیتی ہے جس کے وہ داعی بن کر آتے ہیں۔ ان کی زندگی کی کتاب اور ان کی دعوت کی کتاب میں ذرہ برابر فرق نہیں ہوتا۔ وہ جس شے سے دوسروں کو روکتے ہیں، اس سے پوری شدت کے ساتھ خود پرہیز کرتے ہیں بلکہ اس کی پرچھائیں بھی اپنے پر نہیں پڑنے دیتے۔ جس شے کا وہ دوسروں کو حکم دیتے ہیں، اس پر خود پوری قوت اور عزیمت کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ بلکہ جس چیز کی وہ دعوت دیتے ہیں اگر دوسروں سے اس پر پاؤ بھر عمل کا مطالبہ کرتے ہیں تو خود اس پر پورا سیر بھر عمل کرتے ہیں۔

5۔ لیڈر اور ریفارمر صرف اپنے اعتماد پر چلتے اور چلاتے ہیں، اس وجہ سے اگرچہ وہ اپنی ذہانت کی دوربین سے بیس سال کی مسافت تک مستقبل کے پردوں میں جھانک کر دیکھ لیتے ہوں، لیکن حق تعالیٰ کی وحی کی روشنی سے محروم ہونے کی وجہ سے جب وہ ٹھوکر کھاتے ہیں تو بسا اوقات اپنی ناک کے نیچے کے پتھر ہی سے ٹھوکر کھا جاتے ہیں اور جب گرتے ہیں تو ان کو سنبھلنا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ انبیاء کا معاملہ اس سے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ اوّل تو وہ اپنی ذہانت وفراست کی دوربین سے مستقبل کے پردوں میں جھانک کر دیکھنے پر کلی اعتماد نہیں کرتے

Marfat.com

بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں چلتے ہیں، لیکن اگر کبھی اپنی کسی اجتہادی لغزش کے سبب گرتے بھی ہیں تو اپنے رب کے دروازے پر ہی گرتے ہیں اور رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا کی دعائیں مانگتے ہیں اور ان کا رب ان کو اُٹھاتا اور سنبھالتا ہے۔

یہ موٹے موٹے پانچ فرق تھے جو مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم نے پیغمبر کو لیڈر اور ریفارمر کہنے والوں کے جواب میں بیان فرمائے۔ مولانا اصلاحیؒ کا سارا مضمون جو قریباً 40/50 صفحات پر مشتمل تھا، مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے مضمون کی صدائے بازگشت تھا۔

حضرت مولانا حکیم اشرف صاحب مرحوم نے اپنے مضمون میں بنیادی طور پر یہی خطرہ ظاہر کیا تھا کہ اگر مودودی صاحبؒ کی حکمتِ عملی کے اس فلسفہ کی رُو سے دین کو تحریک اور پیغمبر کو لیڈر اور ریفارمر کہنے کو تسلیم کر لیا جائے تو لوگوں کے لئے ''اقامتِ دین کی جدوجہد'' کا نام لے کر شریعت کے مسلّمہ حدود و احکام کو پامال کرنے کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کی عجیب شان ہے کہ مولانا مودودیؒ نے حکمتِ عملی کے اس فلسفہ کے تحت خود ہی وہ سب کچھ کر کے دکھا دیا جس کا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحبؒ نے خطرہ اور اندیشہ محسوس کیا تھا اور آج تک جماعت اسی سوراخ میں گھس رہی ہے جس سے بچانے کے لئے مودودی صاحبؒ نے اس حکمتِ عملی کے فلسفہ سے قبل قلم کا ہتھیار آزمایا تھا۔

دین میں حکمتِ عملی کا یہ فلسفہ جو مودودی صاحبؒ نے 1958ء میں تحریری طور پر پیش کیا تھا، 1965ء میں مس فاطمہ جناح کے الیکشن میں، ان تمام خرابیوں کا جماعت کی مجلسِ شوریٰ نے عملی مظاہرہ کر دیا جن کی نشان دہی اس وقت حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب مرحوم نے کر دی تھی۔ گویا کہ ''قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔''

مودودی صاحبؒ کی اسی حکمت عملی کے فلسفہ کا یہ نتیجہ تھا کہ جماعت نے غلافِ کعبہ کی گشتی نمائش کرائی، کیونکہ اب یہ طے کر لیا تھا کہ اقامتِ دین کی منزل تک پہنچنے کا راستہ یہی ہے کہ الیکشن کے ذریعہ کسی طرح بھی اقتدار حاصل کیا جائے اور اس جدوجہد میں

Marfat.com

کامیابی کے لئے جائز و ناجائز جو بھی کرنا ضروری سمجھا جائے، وہ سب کچھ کیا جائے۔ چنانچہ آج بھی جماعت، مودودی صاحبؒ کی اسی حکمتِ عملی کے تحت اپنی انتخابی مہم میں وہ تمام حربے اختیار کرتی ہے جو دین ناآشنا جماعتیں کرتی ہیں کیونکہ مقصود اب اقامتِ دین یا احیاءِ دین نہیں رہا بلکہ اقتدار پر ہر جائز و ناجائز طریق سے قبضہ کرنا ہو گیا ہے۔ ☆

گلہ وفائے جہاں نما جو حرم کو اہلِ حرم سے ہے
جو میں بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف مرحوم کا، مودودی صاحبؒ کی حکمتِ عملی کے اس فلسفہ پر ناقدانہ مضمون کوئی معمولی بات نہ تھی بلکہ ایک بہت بڑا جرأت مندانہ قدم تھا، جو صرف ایک ایسا شخص ہی اٹھا سکتا ہے جو اس کو شہادتِ حق کا تقاضا اور اپنا دینی فریضہ سمجھے۔ کیونکہ کوئی جماعت اگرچہ کسی مقصد کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہوتی ہے لیکن ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ جماعت خود مقصد بن جاتی ہے، لیکن الحمدللہ مولانا عبدالرحیم اشرف صاحبؒ نے جماعت میں اتنا عرصہ رہنے کے باوجود جماعت کو مقصد نہ بنایا اور جب بھی مودودی صاحبؒ نے جماعت کے مقصد سے انحراف کیا تو مولانا اشرف صاحبؒ نے جماعت کے ساتھ اپنی دیرینہ وابستگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فوراً کلمۂ حق بلند کیا اور نہ صرف خود، بلکہ ان کے ساتھ مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم، مولانا عبدالغفار حسنؒ، مولانا غازی عبدالجبارؒ وغیرہ نے بھی جماعت سے ہمیشہ کے لئے اپنا تعلق منقطع کر لیا۔

حق گوئی اور جرأت کے ساتھ حق بیانی کے یہ وہ تاثرات و نقوش تھے جو حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب مرحوم نے نہ صرف احقر کے دل پر بلکہ لاکھوں انسانوں کے دلوں پر چھوڑے۔ ایک مدتِ مدید تک جس تحریک کو وہ احیائے اسلام اور اقامتِ دین کی تحریک سمجھتے رہے اور اس جماعت کی دعوت پر پورے خلوص کے ساتھ لبیک کہہ کر

☆ بدقسمتی سے کچھ دیگر دینی و سیاسی جماعتوں نے بھی یہی روش اپنائی۔ ان کے قائدین کی دنیاداری نے اپنی سیاست کو ہی ہدفِ ملامت نہیں بنایا، ان کی مفادات پرستی اور بے اصول سیاست نے دین کے نام لیواؤں کے سر شرم سے جھکا دیئے۔ نوبت بایں جا رسید کہ اب سیاسی میدان میں اسلام کا نام لینا بھی کارے دارد بن گیا ہے۔ (ز......ا)

Marfat.com

جماعت کے ساتھ وابستگی اختیار کی اور اس کی خدمت و تعمیر میں بھرپور حصہ لیا اور اپنے علمی و عملی امتیاز اور جماعت کے کام میں سرگرمی اور اس کی راہ میں قربانی کے لحاظ سے ان کو جماعت میں بلکہ جماعت کی صف اوّل میں بلند ترین مقام حاصل ہوا، لیکن بانیٔ جماعت مولانا مودودیؒ نے اپنے بنائے ہوئے اصولوں سے جب خود انحراف کیا تو فوراً جماعت سے ترکِ تعلق کر لیا۔ یہ جراٴتِ رندانہ بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے قلبی تعلق کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ حکیم صاحب مرحوم ہر اس تحریک کے مخالف تھے جو نخلِ اسلام کے لئے تباہی و بربادی کا پیغام لائے۔ چنانچہ قادیانی تحریک پر انہوں نے بے شمار مقالے لکھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے رسالہ ''ایک غلطی کے ازالہ پر'' انہوں نے جس انداز سے لکھا وہ انہی کا حصہ تھا۔ 1947ء میں جب قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے لئے تحریک اٹھی، اس زمانہ میں حکیم صاحب کا وہ مقالہ، ایک لاجواب مقالہ تھا جس میں انہوں نے ان وجوہات کو دلائل کے ساتھ بیان کیا جن کی وجہ سے اُمتِ مسلمہ ان کو غیر مسلم قرار دلوانا چاہتی تھی۔ بعد میں اسی موضوع پر ان کی مدلل کتاب ''قادیانی غیر مسلم کیوں؟'' منظرِ عام پر آ گئی۔

1996ء میں، مَیں چند ماہ کے لئے جرمنی گیا ہوا تھا۔ میری پاکستان میں غیر موجودگی کے زمانہ میں حکیم صاحب اس عدم ہستی نما سے ہستی عدم نما کو انتقال فرما گئے۔ حکیم صاحب کے انتقال کے بارے میں مجھے بالکل پتہ نہیں تھا۔ میں اپنے ایک دوست سید محمد اسلم شاہ صاحب جو مستقل طور پر جرمنی میں رہتے ہیں اور ان کا آبائی گاؤں بھروکے، ضلع فیصل آباد ہے، کے پاس گیا ہوا تھا۔ فیصل آباد میں پتہ چلا کہ حکیم صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس دنیا میں جو شخص بھی آیا ہے اس نے ایک نہ ایک دن ضرور جانا ہے لیکن بعض لوگ اپنی بے شمار یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔ حکیم صاحب بھی انہی لوگوں میں سے تھے جو کہ نہ صرف اپنی یادیں ہی چھوڑ کر گئے بلکہ یادگاریں بھی چھوڑیں۔ ان کے انتقال کے بارہ میں سن کر نہایت صدمہ ہوا۔ چنانچہ اسی وقت ٹیکسی لی اور اشرف لیبارٹریز گیا، تاکہ حکیم

Marfat.com

صاحب مرحوم کے صاحبزادگان سے تعزیت کر سکوں۔ عزیزم زاہد اشرف سلمہٗ سے ملاقات ہوئی۔ ماشاء اللہ حکیم صاحبؒ کے صحیح معنوں میں جانشین، وہی اخلاق و مروّت، وہی تواضع، وہی مسکراہٹ۔ جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کے ساتھ بچوں کا ایک سکول بھی، اشرف لیبارٹریز اور تعلیم و حکمت کا مدرسہ بھی۔ سب کچھ موجود، جو اس سے قبل بھی دیکھ چکا تھا بلکہ کچھ اس پر اضافہ بھی، لیکن حکیم صاحب کی وہ چہل پہل نظر نہ آئی۔ وہ سب کچھ دیکھ کر جو اس سے قبل بھی دیکھ چکا تھا یہ شعر بار بار ذہن میں آتا تھا۔ ؎

اَمَّا الْخِيَامُ فَاِنَّهُمْ كَخِيَامِهِمْ ۔۔۔ وَاَرَى رِجَالَ الْحَيِّ غَيْرَ رِجَالِهَا ☆

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام صاحبزادگان کو حکیم صاحب کا حقیقی معنوں میں جانشین بنائے اور دین و دنیا کے جو کام وہ نامکمل اور اُدھورے چھوڑ گئے ہیں، ان کی تکمیل ان کے ہاتھوں کروائے۔ (آمین)

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اُڑ گئی تیرے فسانے سے

☆ رہے خیمے تو وہ ان کے خیموں جیسے ہی ہیں، لیکن بستی کے لوگ تو وہ دکھلائی نہیں دیتے

Marfat.com

دینِ حق کے مخلص مبلغ

مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ ☆

آج سے تقریباً 70 سال پہلے 1941ء میں، مَیں گوجراں والا میں حضرت مولانا حافظ محمد گوندلوی اور حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی کے حلقۂ درس میں شامل تھا۔ مہینہ میرا خیال ہے اکتوبر کا تھا کہ ایک روز وہاں استاذِ عالی مرتبت حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی تشریف لائے اور حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سے اجازت لے کر مجھے اپنے ساتھ امرتسر لے گئے۔ امرتسر شہر مَیں نے اس سے دو سال قبل اپریل 1939ء میں بھی دیکھا تھا، لیکن صرف دیکھا ہی تھا۔ اب اس کے بعض مقامات بھی دیکھے مثلاً جلیاں والا باغ دیکھا جہاں 13/اپریل 1919ء کو ایک پُر امن سیاسی جلسے میں جو مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کا مشترکہ جلسہ (منعقد ہونے والا تھا) جنرل ڈائر کی قیادت میں انگریزی فوج نے لوگوں پر گولی چلائی تھی اور چار سو سے زیادہ آدمیوں کو مار دیا گیا تھا۔ اس وقت پنجاب کا گورنر سر مائیکل اوڈائر تھا۔ اس گولی کا پورے ہندوستان بالخصوص پنجاب کے لوگوں پر شدید ردّ عمل ہوا تھا اور پھر اس کے نتیجے میں اس حادثے کے اکیس برس بعد 13 مارچ 1940ء کو ایک پنجابی اودھم سنگھ

☆ چالیس سے زائد وقیع کتب کے شہرۂ آفاق مصنف، نامور ادیب، صحافی اور صاحبِ قلم۔ انہیں ذہبیٔ دوراں اور مؤرخ اہل حدیث جیسے خطابات سے نوازا گیا۔ 22 دسمبر 2015ء کو 91 برس کی عمر میں دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی علیہ الرحمہ کی ہدایت کے مطابق ان کا یہ مضمون، ان کی مطبوعہ کتاب ''گلستانِ حدیث'' میں سے لیا گیا ہے۔ البتہ اس کا عنوان ''حکیم عبدالرحیم اشرف (وفات ۲۸ جون ۱۹۹۶ء)'' تبدیل کر دیا گیا ہے۔

اس مضمون کے بارے میں راقم الحروف (زاہد اشرف) کے کچھ تحفظات تھے جو جناب بھٹی صاحب علیہ الرحمہ تک پہنچائے گئے، لیکن انہوں نے اپنی تحریر کو من وعن رکھنے پر اصرار فرمایا۔ چنانچہ مضمون کو بعینہٖ رکھتے ہوئے وضاحتی نوٹ حواشی میں درج کر دیے گئے ہیں۔

Marfat.com

نے لندن کے کاکسٹن ہال میں سر مائیکل اوڈائر کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔

امرتسر میں ہم سکھوں کے دربار صاحب بھی گئے۔ ہال بازار بھی دیکھا۔ بعض دینی مدارس کی زیارت بھی کی۔ ترنتارن بھی گئے اور وہاں حافظ اسماعیل ذبیح سے ملاقات ہوئی۔ مجھے یاد پڑتا ہے وہ اس وقت کسی دکان میں کوئی کام کرتے تھے۔ ترنتارن سکھوں کا مشہور مذہبی مقام ہے۔

امرتسر اور ترنتارن کا چکر لگانے کے بعد ہم ''ویرووال افغاناں'' گئے، جہاں مولانا عطاء اللہ صاحب کے ایک رشتے دار میاں عبداللہ رہتے تھے۔ ان کے ایک بیٹے کا نام مولوی عبدالکریم تھا جو فیروز پور مولانا عطاء اللہ صاحب کے حلقۂ تلامذہ میں رہے تھے اور میرے دوست تھے۔ دو دن وہاں ہمارا قیام رہا۔ اس قصبے یا گاؤں کے اردگرد کافی گڑھے سے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ زمین کسی زمانے میں دریا کی گزرگاہ رہی ہے۔ پانی کے تیز ریلے سے کہیں گڑھے پڑ گئے ہیں اور کہیں سے زمین اپنی اصل سطح سے اونچی ہوگئی ہے۔ اس طرح نشیب و فراز کی سی صورتِ حال تھی۔

دن کے گیارہ بجے کا وقت ہوگا کہ مولانا عطاء اللہ صاحب نے فرمایا: چلیے اب ایک اور دوست سے ملتے ہیں۔ وہاں گئے تو ایک دبلے پتلے نوجوان بیٹھے تھے۔ سفید شلوار قمیص پہنے ہوئے، سر پر قراقلی ٹوپی۔ گندمی رنگ، تھوڑا سا لمبا چہرہ، کھلی پیشانی۔ مولانا سے بڑے احترام سے ملے۔ جس کمرے میں وہ بیٹھے تھے، وہاں شربت کی بوتلیں پڑی تھیں، دیواروں کے ساتھ چھوٹے بڑے سائز کے سیاہ شیشوں کی چند عینکیں لٹک رہی تھیں۔ کچھ یونانی دواؤں کا سلسلہ بھی تھا۔ الماریوں میں شیشیاں رکھی ہوئی تھیں۔ صاف ستھرے لباس کے وہ نستعلیق قسم کے نوجوان تحمل سے بات کرتے اور ہشاش بشاش دکھائی دیتے تھے۔ یہ تھے حکیم عبدالرحیم اشرف، جن سے ملاقات کے لئے مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی تشریف لے گئے تھے۔ مجھے یاد ہے انہوں نے ہمیں شربت پلایا تھا۔ وہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تحریروں سے متاثر تھے۔

ان کا زیادہ تر محور کلام مولانا مودودی، ان کا طرزِ تحریر اور ان کے طریقِ عمل کی

Marfat.com

خوبیاں ہی رہا۔ میں خاموش بیٹھا سنتا رہا۔ میں اپنی یہ رائے چھپانا نہیں چاہتا کہ مولانا مودودیؒ کی تحریروں سے میں کبھی متاثر نہیں ہوا۔ نہ جماعت اسلامی کے طریقِ سیاست سے مجھے کبھی اتفاق ہوا۔ اس سے اتفاق یا اختلاف کفر اسلام کا مسئلہ نہیں ہے۔ اپنا اپنا نقطۂ نظر ہے۔ میں اپنے نقطۂ نظر کو صحیح سمجھتا ہوں، اس لئے مجھے حکیم عبدالرحیم اشرف کی اس گفتگو سے جو جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودی سے متعلق تھی، کوئی دلچسپی نہ تھی۔

اب ملاحظہ فرمایئے حکیم صاحب موصوف کے حالات......!

حکیم عبدالرحیم اشرف 1922ء میں ضلع امرتسر کے ایک قصبے ویرووال افغاناں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام شیخ صدرالدین تھا۔ حکیم صاحب تیسری جماعت میں پڑھتے تھے کہ 1930ء میں وہاں ''منڈا پنڈ'' گاؤں کے ایک نوجوان آئے، جنہوں نے ''مدرسہ دارالعلوم شمسیہ عربیہ'' کے نام سے ایک تدریسی ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے کے قیام میں حکیم عبدالرحیم اشرف کے تایا شیخ دین محمد نے بڑا کردار ادا کیا تھا۔ انہوں نے اپنے بھتیجے عبدالرحیم سے کہا کہ آج سے تم سکول کی تعلیم چھوڑ دو اور اس دینی مدرسے میں پڑھنا شروع کر دو جو یہاں جاری کیا گیا ہے۔ اس مدرسے کے اوّلیں مدرس مولانا عبداللہ تھے جو منڈا پنڈ سے تشریف لائے تھے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے بعد میں مولانا عبداللہ ویرووالوی کے نام سے شہرت پائی اور قیامِ پاکستان کے بعد لائل پور (موجودہ فیصل آباد) میں دارالقرآن والحدیث کے عنوان سے مدرسہ جاری کیا۔ یہ پہلا دینی مدرسہ تھا جو اس شہر کی جامع مسجد اہل حدیث (امین پور بازار) میں جاری ہوا۔ اس مدرسے سے بے شمار طلبہ و علماء نے علومِ دینیہ کی تحصیل کی۔

حکیم عبدالرحیم اشرف نے شروع سے لے کر آخر تک تمام مروجہ علومِ دینیہ کی تحصیل مولانا عبداللہ ویرووالوی سے کی۔ وہ ان کے اوّلیں شاگرد تھے اور لائق شاگرد تھے۔ تعلیم کے دوران میں وہ استاذ محترم کے ساتھ قرب وجوار کے دیہات میں تبلیغِ دین کے لئے جاتے اور سامعین کے فہم کے مطابق تقریر کرتے اور آسان پیرایۂ بیان میں انہیں

Marfat.com

مسائلِ دین سے آگاہ فرماتے۔ تقریر و تبلیغ کی یہ ابتدائی مشق ان کے لئے بے حد مفید ثابت ہوئی اور ایک وقت آیا کہ انہوں نے بہت اچھے مبلغ اور بہت اچھے مقرر کی حیثیت سے شہرت پائی۔ استاد اپنے اس شاگرد کے اسلوبِ تبلیغ اور اندازِ تقریر سے بہت خوش تھے۔ اس طرح بے شمار دیہات میں ان کی صدائے حق پہنچی اور لاتعداد لوگوں نے ان کی زبان سے قرآن و حدیث کے احکام سنے۔ تبلیغ کا یہ جذبہ تمام عمر ان کا رفیقِ سفر رہا اور جہاں تک ہم عاجز بندوں کو معلوم ہے، وہ زندگی بھر پورے اخلاص کے ساتھ دینِ حق کی نشر و اشاعت میں مصروف رہے۔

1930ء میں انہوں نے حصولِ تعلیم کا آغاز کیا تھا۔ 1938ء میں فراغت پائی یعنی آٹھ سال وہ تحصیلِ علم میں مشغول رہے۔ اس کے بعد استاذ محترم کے حکم نما مشورے سے اسی ''دارالعلوم شمسیہ عربیہ'' میں بہ طور مدرس خدمت انجام دینا شروع کر دی۔ پہلے وہ طالب علمی کے زمانے میں طلبِ علم کے ساتھ ساتھ اپنی بساط کے مطابق فریضہ تبلیغ انجام دیتے تھے، اب وہ تدریس بھی کرنے لگے تھے اور اس کے ساتھ حسبِ سابق تبلیغ کے لئے بھی دیہات کے چکر لگاتے تھے۔ تبلیغ اور تدریس کے علاوہ انہوں نے تیسرا کام اور شروع کر دیا تھا، وہ تھا مضمون نگاری کا کام۔ اس زمانے میں امرتسر سے حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ہفت روزہ اخبار ''اہل حدیث'' کی بڑی شہرت تھی، حکیم صاحب اس میں مضامین لکھتے تھے۔ ان پر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے اثر کا غلبہ تھا، اس لئے اخبار ''اہل حدیث'' میں ان کے مضامین ان کے افکار کی حمایت میں چھپنے لگے۔ مَیں نے ان کے سب سے پہلے چند مضامین اس موضوع پر اخبار ''اہل حدیث'' ہی میں پڑھے تھے۔ میرے خیال میں یہ 1942ء کی بات ہے۔ ان کے بعض مضامین کا جواب حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم نے اسی اخبار میں دیا تھا۔ اسی زمانے میں مولانا مودودی کے نقطۂ نظر کی حمایت میں حضرت مولانا نیک محمد مرحوم کے صاحب زادے حافظ محمد زکریا ایم اے مرحوم کے دو یا تین مضمون چھپے۔ ان کے متعلق بھی مولانا محمد اسماعیل سلفی نے اظہار رائے فرمایا۔ حکیم صاحب کے

Marfat.com

مضامین کا تعلق حدیث کے بارے میں مولانا مودودی کے ''مسلکِ اعتدال'' سے تھا۔ اس باب میں مولانا مودودی مرحوم پر جو اعتراضات کیے جاتے تھے، حکیم صاحب نے ان کا جواب دیا اور مولانا مودودی کا دفاع کیا تھا۔

حافظ محمد زکریا مرحوم کا شمار میرے دوستوں میں ہوتا تھا۔ وہ راولپنڈی رہتے تھے۔ ان کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے لاہور میں ایک دوست کی شادی میں ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے تقسیمِ ملک سے قبل کے ان مضامین کا ذکر کیا۔ بولے: اتنا طویل عرصہ پہلے کے وہ مضامین تمہیں یاد ہیں۔ عرض کیا: خوب یاد ہیں۔ فرمایا: ہاں! وہ ایک دور کی بات تھی۔ اب نہ وہ جماعتِ اسلامی رہی ہے، نہ ہمارا اس سے کوئی تعلق رہا ہے۔

بہرحال عرض یہ کرنا مقصود ہے کہ حکیم عبدالرحیم اشرف کا تعلق مولانا مودودی اور جماعتِ اسلامی سے ہو گیا تھا اور وہ بڑا مضبوط تعلق تھا۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ویرووال کے دارالعلوم شمسیہ عربیہ میں کتنا عرصہ ان کا سلسلۂ تدریس جاری رہا۔ یہ بھی پتا نہ چل سکا کہ انہوں نے علمِ طب کس سے پڑھا اور کب اس پیشے سے وابستہ ہوئے؟ یہ بھی یاد نہیں کہ ویرووال میں ہم مولانا عبداللہ صاحب کی خدمت میں گئے تھے یا نہیں؟

مولانا عبداللہ مرحوم و مغفور نے ویرووال سے ایک ماہانہ رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' کے نام سے جاری کیا تھا جو قیامِ پاکستان تک جاری رہا۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ رسالہ کس سال جاری کیا تھا اور اس نے کتنی عمر پائی اور اس کا کوئی شمارہ کسی کے پاس ہے بھی یا نہیں، تاہم بتایا جاتا ہے کہ حکیم عبدالرحیم اشرف اس میں مضامین لکھتے تھے۔ ان کے مضامین ہفت روزہ ''تنظیم اہل حدیث'' (روپڑ) اور سہ روزہ ''کوثر'' (لاہور) میں بھی چھپتے رہے۔ سہ روزہ ''کوثر'' ملک نصر اللہ خاں عزیز کا اخبار تھا اور جماعت اسلامی کا ترجمان۔ کسی اخبار میں وہ ''عبدالرحیم اشرف'' کے نام سے لکھتے تھے اور کسی میں ''ابوخالد'' کے نام سے......!

قیامِ پاکستان کے بعد وہ لائل پور (فیصل آباد) آ گئے تھے اور یہاں آ کر انہوں نے باقاعدہ طبابت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے ''اشرف لیبارٹری'' قائم کی جو

Marfat.com

دواسازی کا ایک بہت بڑا ادارہ ہے۔ اس ادارے نے ملک اور بیرونِ ملک میں بڑی شہرت پائی اور اس میں تیار کردہ دواؤں کی مانگ بہت بڑھی۔

حکیم صاحب جماعتِ اسلامی کے مخلص ترین سرگرم رکن تھے۔ ان کے قلم کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ خوب صورت زبان میں لکھتے تھے۔ جس موضوع پر لکھتے، اس کے تمام پہلوؤں کی دلائل سے وضاحت کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور سے ان کے مضامین میں طوالت آجاتی تھی، لیکن اس طوالت کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ہر ضروری بات قلم کی گرفت میں آجائے۔

کسی زمانے میں چنیوٹ کے ایک شخص منیر احمد نے لائل پور☆ سے ہفت روزہ اخبار ''المنیر'' کا ڈیکلریشن لیا تھا، لیکن وہ اسے باقاعدگی سے جاری نہ رکھ سکے۔ حکیم صاحب نے ان سے بات کی تو اس اخبار کا باقاعدہ اجراء عمل میں آ گیا۔ کئی سال یہ اخبار حکیم صاحب کی ادارت میں چھپتا رہا اور اس کی اشاعت خاصی بڑھ گئی تھی۔ اس اخبار کے ذریعے انہوں نے جماعتِ اسلامی کے نقطہ نظر اور مولانا مودودی کے افکار کی بڑی تبلیغ کی۔ اس بات میں ان کے احساسات بہت نازک تھے۔ جس کے قلم اور زبان سے انہیں جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے افکار سے اختلاف کا شبہ ہوا، اس سے پنجہ آزما ہو گئے۔

جب ''المنیر'' کے مالک نے پرچہ خود جاری کرنے کا ارادہ کیا تو حکیم صاحب نے ''المنبر'' کے نام سے ڈیکلریشن حاصل کر لیا۔ جو ''المنیر'' سے ملتا جلتا نام ہے۔ المنبر اب بھی اللہ کے فضل سے جاری ہے اور خدمتِ دین میں مصروف...... ! حکیم صاحب کے صاحب زادے ڈاکٹر زاہد اشرف اس کے ایڈیٹر ہیں۔

مرزائیت کے خلاف حکیم صاحب نے بہت لکھا اور خوب لکھا۔ جو لکھا مکمل حوالوں سے لکھا۔ ''قادیانی غیر مسلم کیوں......؟'' اور ''قادیانیوں سے پہلا خطاب'' ان کی

☆ المنیر کا ڈیکلریشن چنیوٹ کے ایک صحافی جاوید جوئیہ کے نام تھا، وہی اس کے ناشر تھے۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے اسے ان سے مستعار لیا تھا۔ المنیر سے المنبر تک کے سفر کو جناب جمیل اطہر نے اسی کتاب میں شامل اپنے مضمون ''تذکرہ ایک نابغہ وعبقری کا'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (ز...ا)

Marfat.com

وقیع کتابیں ہیں۔☆

1953ء کی تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت میں انہوں نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا اور گرفتار ہوئے۔ مولانا عبیداللہ احرار بھی گرفتار تھے، اور یہ سب لوگ لائل پور جیل میں قید تھے۔ میں ایک دفعہ ملاقات کے لئے گیا تو درخواست کا وقت گزر چکا تھا۔ جیل کے عملے کے لوگوں نے مجھے کہا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل سے ملو، وہ اچھا آدمی ہے، قیدیوں سے تمہاری ملاقات کرا دے گا۔ مَیں اس سے ملا تو پوچھا: کہاں سے آئے ہو اور کیا کام کرتے ہو؟ مَیں نے جواب دیا لاہور سے آیا ہوں اور ایک ہفت روزہ اخبار کا ایڈیٹر ہوں۔ وہ فوراً مجھے جیل میں تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت کے قیدیوں کے پاس لے گیا۔ وہ بغل گیر ہوئے۔ پہلے تو سمجھے کہ مجھے بھی گرفتار کر کے یہاں لایا گیا ہے۔ پھر جب سپرنٹنڈنٹ نے بتایا کہ یہ آپ کے مہمان ہیں اور آپ سے ملنے آئے ہیں، انہیں کھانا کھلایئے اور ان سے باتیں کیجئے۔

اس وقت چک نمبر 36 کے بھی 90 آدمی گرفتار تھے اور اسی جیل میں تھے، مَیں ان سے بھی ملا۔ مجھے سپرنٹنڈنٹ نے کہا تھا کہ ایک گھنٹے کے بعد ہمارا آدمی آئے گا اور آپ کو یہاں سے لے جائے گا۔ چنانچہ ایک گھنٹے کے بعد وہ آدمی آیا اور مجھے جیل سے باہر نکالا۔

حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب کا شمار جماعتِ اسلامی کے اکابر میں ہوتا تھا اور ان کی رائے کو اس حلقے میں بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ پھر حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ جماعت کے بہت سے سرکردہ ارکان کو مولانا مودودی کے طرزِ عمل اور زاویۂ فکر سے اختلاف پیدا ہو گیا اور اس اختلاف نے آہستہ آہستہ شدت اختیار کر لی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ مولانا مودودی نے جماعتِ اسلامی کو اس کے اصل مقاصد سے ہٹا دیا ہے اور جو راہ سیاسیات وغیرہ کی اختیار کر لی گئی ہے، وہ جماعت کے بنیادی مقاصد سے متصادم ہے۔ نیز کہا گیا کہ جماعت میں انصاف نہیں رہا۔ ارکان کے ساتھ بے انصافی ہونے لگی ہے۔ 1955ء میں ایک جائزہ کمیٹی یہ معلوم کرنے کے لئے تشکیل دی گئی تھی کہ بعض ارکانِ جماعت میں جو بے یقینی سی پائی جاتی ہے، اس

☆ ''قادیانیوں سے پہلا خطاب'' ایک مختصر کتابچہ ہے، کتاب نہیں۔ (ز۔۔۔ا)

Marfat.com

کی اصل وجہ کیا ہے۔ جائزہ کمیٹی چار ارکان پر مشتمل تھی۔ وہ ارکان تھے عبدالجبار غازی، سلطان احمد، حکیم عبدالرحیم اشرف اور مولانا عبدالغفار حسن۔ ان حضرات نے پورے پاکستان کا دورہ کر کے تقریباً دو سو ارکان سے انٹرویو لئے اور ان کی تحریری شکایات وصول کیں۔ پھر دسمبر 1956ء میں مرکزی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں اس دورے کی روداد پیش کی گئی۔

مجلس شوریٰ کا اجلاس ماچھی گوٹھ☆ میں پندرہ دسمبر سے تیس یا اکتیس دسمبر تک پندرہ دن جاری رہا۔ اس اجلاس میں حکیم عبدالرحیم اشرف نے نو گھنٹے تقریر کی اور مولانا عبدالغفار حسن نے دو گھنٹے تقریر فرمائی۔ اور بھی متعدد حضرات نے تقریریں کیں۔ اجلاس میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا کہ جماعت اپنی سابقہ پالیسی سے انحراف کر رہی ہے۔ مولانا مودودی اور دیگر ذمے داروں پر شدید تنقید ہوئی۔ بہت بحث مباحثہ ہوا، جس سے مولانا مودودی گھبرا گئے اور انہوں نے اپنے ناقدین پر مندرجہ ذیل چار الزامات عائد کئے:

☆......آپ لوگوں نے ان کے خلاف سازش کی۔

☆......آپ لوگوں نے جماعت کے اندر دھڑے بندی پیدا کی اور انتشار پھیلایا۔

☆......آپ لوگ ہوسِ اقتدار میں مبتلا ہیں۔

☆......آپ لوگ انہیں امارت سے الگ کر کے مولانا امین احسن اصلاحی کو جماعت کا امیر بنانا چاہتے ہیں۔ [1]

اس سے کچھ عرصہ بعد مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف، مولانا عبدالغفار حسن اور بہت سے دیگر ارکانِ جماعت، جنہوں نے جماعت کی اپنے اپنے دائرے میں بے حد خدمت کی تھی، جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔

جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد حکیم عبدالرحیم اشرف نے فیصل آباد کے

☆ یہ اجلاس لاہور میں منعقد ہوا تھا۔ اس کی تفصیل آپ اسی کتاب کی جلد دوم میں شامل مولانا عبدالغفار حسن علیہ الرحمہ کے مفصل انٹرویو میں پڑھ سکتے ہیں۔ (ز...ا)

[1]: تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ ''شہادت'' (اسلام آباد) کے دسمبر ۱۹۹۶ء کے شمارے میں مولانا عبدالغفار حسن کا انٹرویو جو ان سے شہادت کے چیف ایڈیٹر خالد سیال نے لیا۔

Marfat.com

علاقے جناح کالونی میں ایک کوٹھی کرائے پر لی اور اس میں جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کے نام سے ایک تدریسی ادارہ قائم کیا۔ اس تدریسی ادارے کے قیام کی وجہ یہ تھی کہ طلبہ کو قرآن و حدیث کے ساتھ جدید عربی کی تعلیم بھی دی جائے۔ اس ادارے میں مولانا عبدالغفار حسن، مولانا محمد اسحاق چیمہ اور دیگر بہت سے معروف اساتذہ نے خدماتِ تدریس سرانجام دیں۔ حکیم صاحب خود بھی جامعہ کے طلبہ کو پڑھاتے تھے۔ ان کی قائم کردہ جامعہ کے نتائج بہت اچھے نکلے۔ جن حضرات نے اس میں تعلیم حاصل کی، ان میں مولانا محمد بشیر سیالکوٹی اور مولانا محمود احمد غضنفر بھی شامل ہیں۔○ مولانا محمد بشیر کئی سال سعودی عرب میں پاکستان کے سفارت خانے میں عربی زبان کے ماہر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ انہوں نے اس سلسلے میں چند اہم کتابیں بھی تصنیف کیں۔ اسلام آباد سے ایک عربی رسالہ بھی جاری کیا۔ عربی، اردو، انگریزی میں ایک ڈکشنری ترتیب دی۔ مولانا محمود احمد غضنفر نے متعدد جدید عربی کی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ کتابیں، صحابہ کرام، صحابیات اور تابعین و تابعات کے حالات پر محیط ہیں۔

پھر وقت آیا کہ جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کے لئے سرگودھا روڈ پر کھلی جگہ خریدی گئی اور اسے وہاں منتقل کر دیا گیا۔ یہ ایک منفرد نوعیت کا تدریسی ادارہ ہے جو مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف نے جاری کیا۔ حکیم صاحب کی وفات کے بعد اس کے اہتمام کی ذمہ داری ان کے صاحب زادے ڈاکٹر زاہد اشرف نے سنبھالی۔ یہ ادارہ کامیابی سے جاری ہے۔

حکیم صاحب نے طبیہ کالج بھی جاری کیا تھا۔ اس کالج میں بے شمار طلبہ نے تعلیم حاصل کی اور کر رہے ہیں۔

ان کا جاری کردہ اخبار ''المنبر'' بھی جاری ہے۔ یہ بھی ایک مستقل ادارہ ہے۔ اسے بھی ڈاکٹر زاہد اشرف چلا رہے ہیں۔

یہاں یہ عرض کر دیں کہ حکیم صاحب سولہ سترہ سال ☆ جماعت اسلامی سے

○ مولانا محمد بشیر سیالکوٹیؒ اور مولانا محمود احمد غضنفرؒ جامعہ تعلیمات اسلامیہ میں زیرِ تعلیم نہیں رہے۔ وہ اس میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں۔ اول الذکر نے برسوں انتظامی ذمہ داریاں بھی ادا کیں۔

☆ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ 1948ء سے لے کر 1956ء تک باقاعدہ طور پر جماعت اسلامی سے منسلک رہے۔ (ز...ا)

Marfat.com

منسلک رہے۔ انہوں نے تدریسی خدمات یا تو جماعت سے انسلاک سے پہلے دیں یا اس سے علیحدگی کے بعد جامعہ تعلیمات اسلامیہ جاری کر کے دیں۔ جماعت سے انسلاک کے زمانے میں ان کی تدریسی خدمات کا سراغ نہیں ملتا۔

1974ء کی تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت میں حکیم صاحب نے بہت کام کیا۔ انہوں نے مرزائیوں کے خلاف بڑا اہم مواد جمع کیا جسے مرتب کر کے قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا اور مرزائیوں کو اقلیت قرار دیا گیا۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ تقریر، تحریر اور عام گفتگو میں ان کا ایک خاص مقام تھا۔

ضیاء الحق سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ سنا ہے کہ رات کو کسی نہ کسی وقت روزانہ دونوں میں ٹیلی فون پر طویل گفتگو ہوتی تھی۔ یہ معلوم نہیں کہ گفتگو کا موضوع کیا ہوتا تھا۔

پاکستان میں اسلامی نظام کی تنفیذ کے سلسلے میں حکیم صاحب ہمیشہ کوشاں رہے۔ ضیاء الحق سے بھی وہ اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوں گے۔ لیکن افسوس ہے وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ہر حکومت کا اپنا ایک نقطۂ نظر ہوتا ہے، جس کے مطابق وہ کاروبارِ مملکت کو چلاتی ہے۔ حکمران بالعموم سنتے سب کی ہیں اور کرتے وہ ہیں جو اپنے طور پر مناسب سمجھتے ہیں۔ ضیاء الحق کا معاملہ بھی یہی تھا۔ وہ بعض علماء سے رابطہ رکھتے تھے، لیکن ان کی بات ماننا ان کے لئے مشکل ہوتا تھا۔

حکیم صاحب نے 28 جون 1996ء کو وفات پائی۔ اسی روز نمازِ عصر کے بعد ساڑھے پانچ بجے یونیورسٹی گراؤنڈ (فیصل آباد) میں ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ مَیں ان کے جنازے میں شریک تھا اور ان کی وفات کی اطلاع پا کر لاہور سے فیصل آباد گیا تھا۔

Marfat.com

پیکرِ عزم و ہمت

حافظ صلاح الدین یوسف ☆

حکیم عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ سے راقم کا قریبی تعلق تو نہیں رہا۔ تاہم ان کے ہم عہد، ہم عصر، ہم نوا، ہم پیشہ، ہم مقصد اور بہت حد تک ہم مسلک ہونے کا شرف و اعزاز ضرور حاصل ہے اور یہ نسبتیں قربت یا قرابت سے کہیں زیادہ اہم ہیں۔

بدوِ شعور سے ہی راقم کے کان جن اکابر و شخصیات کے ناموں سے آشنا ہوئے، آنکھیں ان کی خدمات کے مشاہدے سے حظ اندوز ہوئیں اور دل و دماغ ان کے کارناموں سے متاثر، ان میں ایک حکیم صاحب مرحوم بھی تھے۔

راقم 1973ء سے 1993ء تک ہفت روزہ ''الاعتصام'' کی ادارت میں شامل رہا۔ حکیم صاحب موصوف کا بھی ہفتہ وار المنبر فیصل آباد سے نکلتا تھا (جو اس وقت لائل پور کہلاتا تھا)۔ یہ رسالہ اب بھی ان کے قابلِ فخر صاحب زادہ گرامیٔ قدر جناب زاہد اشرف سلمہٗ اللہ کی زیرادارت جاری ہے۔ یہ صحافت چونکہ دینی، علمی اور اصولی تھی جس کا مقصد دینی اقدار اور روایات کی حفاظت و سربلندی، ملک میں اسلام کا احیاء و غلبہ اور قرآن و حدیث کی بالادستی تھا اور یہی مقصد ''الاعتصام'' کا بھی تھا، یوں ہم مقصدیت کا رشتہ بھی ان سے استوار رہا۔ مرحوم ہر ہفتے مذکورہ مقاصد کے لئے المنبر میں بالعموم اداریہ تحریر فرماتے، جو ان کے اخلاص اور دل سوزی کا مظہر ہوتا اور اپنے مقصد سے والہانہ لگن اور بے پناہ تڑپ کا آئینہ دار۔ اخبار کے علاوہ تقاریر و خطبات میں بھی ان

☆ ممتاز مصنف، مفسر، محقق، مترجم، صحافی اور داعی۔ سابق رکن ادارتی بورڈ ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور

Marfat.com

کا موضوع احیائے اسلام اور نفاذِ شریعت ہی ہوتا۔ اور اگر انہیں کبھی قربِ سلطانی کا موقع میسر آتا، تو وہاں بھی ان کی مساعی اسی دائرے تک محدود رہتیں اور حکمرانوں کو اسی مقصد کے لئے آمادۂ عمل کرنے پر سرگرم رہتے، جیسے صدر ضیاء الحق مرحوم کے دور میں انہیں ان کی قربت میسر آئی، تو انہوں نے ان کو بہت سے ایسے کاموں پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جن سے احیائے اسلام کا مقصد حاصل ہو سکے، جس میں انہیں کچھ کامیابی بھی حاصل ہوئی، لیکن چونکہ ہمارے فوجی اور سیاسی حکمرانوں کی ترجیحات ہر دور میں اس سے مختلف ہی رہی ہیں اور ان کے اردگرد کچھ ایسی رکاوٹیں رہی ہیں جنہیں توڑنے اور عبور کرنے کی ہمت ان کے اندر نہیں ہوتی، اس لئے مخلصین کی مساعی بھی بارآور نہیں ہوتیں، چنانچہ مرحوم ضیاء الحق نے بھی بلند بانگ دعوؤں اور خوش نما وعدوں کے باوجود بعض نیم دلانہ اقدامات کے سوا کچھ نہیں کیا، جن سے مقصد کی طرف کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی اور بعد میں آنے والے حکمرانوں نے بھی ان میں دلچسپی نہیں لی۔

عقیدۂ ختمِ نبوت کا تحفظ بھی مرحوم کی زندگی کا ایک مشن رہا۔ انہوں نے ''قادیانی غیر مسلم کیوں؟'' کے عنوان سے ایک مفصل کتاب بھی لکھی اور کئی سالوں تک المنبر کا ایک خصوصی ماہانہ ایڈیشن بھی شائع کرتے رہے جس میں صرف اسی ایک موضوع پر مضامین ہوتے۔ گویا تردیدِ مرزائیت بھی ان کی گوناگوں خدمات کا ایک شعبہ رہا ہے۔

''جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ'' کے نام سے انہوں نے ایک دینی مدرسہ بھی قائم کیا جس کے وہ سربراہ اور ہر طرح سے سرپرست تھے۔ اس کے ساتھ انہوں نے ایک جدت یا پیوند کاری یہ کی کہ ایک طبیہ کالج بھی قائم کیا اور علماء کو ترغیب دی کہ وہ دینی علوم سے فراغت کے بعد، طبّی تعلیم حاصل کریں اور طبابت کا باوقار پیشہ اختیار کر کے دین کی تبلیغ و دعوت کا کام کریں۔ اس طرح علماء ایک تو معاشی طور پر کسی کے محتاج نہیں ہوں گے، دوسرے، اس طرح وہ زیادہ مؤثر طریقے سے دین کا کام کر سکیں گے۔ الحمدللہ مرحوم کے قائم کردہ یہ دونوں ادارے بدستور قائم ہیں اور معاشرے کی دینی و طبّی ضروریات کا

Marfat.com

اہتمام کرر ہے ہیں۔ صَانَهُمَا اللّٰهُ عَنِ الشُّرُوْرِ وَالْفِتَنِ۔

اشرف لیبارٹریز کا قیام بھی ان کی بے پناہ ہمت، اَن تھک جدو جہد اور آہنی عزم وارادہ کا آئینہ دار ہے۔اعلیٰ معیار کی سر بند دوائیں تیار کرنا کوئی معمولی کام نہیں تھا، لیکن مرحوم کی مسلسل محنت و ریاضت نے یہ مشکل مہم بھی سَر کر لی، جس سے انہیں شہرتِ دوام بھی حاصل ہوئی اور مالی وسائل بھی میسر آئے۔اس سے قبل ان کی صرف ایک جانِ ناتواں تھی، لیکن عزائم بلند اور ہمت جواں تھی، اس لئے تیشۂ فرہاد سے کوہ کنی کرتے رہے، بالآخر اللہ نے مدد کی اور جوئے شیر نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔اب اسی جوئے رواں سے ان کے لگائے ہوئے تمام پودے سیراب ہو رہے اور اپنا اپنا پھل دے رہے ہیں، ہفتہ روزہ المنبر مذہبی اور اصولی صحافت کی علم برداری کر رہا ہے، جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ اسلام کے مبلّغ اور داعی تیار کرنے میں اور اشرف لیبارٹریز مسیحائی میں مصروف ہے، جبکہ طبیہ کالج، علماء اور دیگر معزز لوگوں کو معاشرے میں باوقار طریقے سے جینے کا عزم وحوصلہ عطا کر رہا ہے۔

بہار اس چمن میں جو آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہی کی لگائی ہوئی ہے

حکیم صاحب مرحوم جہاں ایک دینی رہنما تھے، ایک طبیبِ حاذق تھے، ایک ادیب وصحافی تھے، ایک مقرر وخطیب تھے، وہاں ایک ساجی رہنما بھی تھے اور خدمتِ خلق کے بے شمار کام کرتے تھے۔یوں بلاشبہ اپنی ذات میں وہ ایک ادارہ اور ایک انجمن تھے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ تنہا ان کی ایک ذات نے اتنے بڑے بڑے کام کئے ہیں کہ بڑے بڑے ادارے اور بڑی بڑی انجمنیں بھی بالعموم ان سے قاصر رہتی ہیں، تو حقیقت سے بعید بات نہیں۔ان کی متنوع اور گوناگوں خدمات اور ان کی وسعت کو دیکھ کر فی الواقع اللہ کی قدرت کا ایک نمونہ سامنے آجاتا ہے کہ ایک منحنی سے وجود اور نحیف ونزار سے شخص کے اندر اللہ نے کتنی صفات اور کتنے کمالات جمع کر دیئے تھے۔

Marfat.com

لَیْسَ لِلّٰهِ بِمُسْتَنْکِرٍ
اَنْ یَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِیْ وَاحِدٍ

میر تقی میرؔ نے ایسی ہی نادر روزگار شخصیات کے بارے میں کہا تھا۔

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

حکیم صاحب مرحوم کی ایک اور خوبی یہ بھی تھی کہ وہ صرف گفتار کے ہی غازی نہ تھے، جیسا کہ آج کل اکثر لوگوں کا حال ہے، بلکہ وہ کردار کے بھی غازی تھے، وہ علم وعمل کا ایک حسین پیکر اور اسلام کی زندگی کا ایک چلتا پھرتا نمونہ تھے، جو زبان سے کہتے تھے، اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ وہ سادگی سے آراستہ، تصنّع سے عاری اور قول وعمل کے تضاد سے پاک تھے۔

مسلکاً اہلحدیث ہونے کے باوجود، اگرچہ وہ جماعت سے ایک گونہ الگ تھے، جس کی وجہ ایک تو اہلحدیث اکابر سے ان کے تنظیمی اختلافات تھے، دوسرے، جماعت اسلامی میں ایک عرصہ رہنے کی وجہ سے مسلکی چھاپ کو بھی ناپسند کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود ان کی زندگی عمل بالحدیث کا بہترین نمونہ اور ان کا سراپا اہلحدیثیت کا مظہر تھا، ان کا سراپائے شخصیت ان کی اہلحدیثیت کا اس طرح غماز تھا۔

اس راہ سے گزرا ہے کوئی
کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

غَفَرَهُ اللّٰهُ وَرَحِمَهُ وَ بَرَّدَ مَضْجَعَهُ وَ جَعَلَ الْجَنَّةَ مَثْوَاهُ۔

Marfat.com

اتباعِ رسولؐ کی تابندہ مثال

حافظ لدھیانوی مرحوم ☆

الحمدللہ مجھے نظم اور نثر لکھنے میں کبھی کوئی مشکل پیش نہیں آئی، نظم و نثر کی 35 کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خصوصی کرم ہے۔ ان تصانیف میں اکیس نعتیہ مجموعے بھی شامل ہیں۔ بعض شخصیتیں اتنی پہلودار ہوتی ہیں کہ کوتاہ قلمی کا احساس ہوتا ہے۔

جو شخص سیاسی کردار بھی ادا کرتا ہو، حکیم بھی ہو، عربی زبان کا ماہر بھی ہو، جس نے دینی تعلیم کے مدارس قائم کیے ہوں، ملّی درد رکھتا ہو، صحافت میں اس کی مثال مستند سمجھی جاتی ہو، تبلیغی سرگرمیوں میں شرکت کرتا ہو، مختلف محاذوں پر نبرد آزما ہو، ایسی شخصیت پر لکھنا، اتنا آسان کام نہیں۔ حکیم صاحب خوبیوں کا پیکر، اوصاف کا مرقع، عزم و ہمت کی تابندہ مثال، غیرتِ قومی کا آئینہ اور دینی، علمی و ادبی حلقوں کی فعّال شخصیت تھے۔

مجھے کبھی سیاست سے دلچسپی نہیں رہی۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم تھا۔ مولانا موصوف نے دینی اور ادبی گفتگو کی، احادیثِ مبارکہ کا درس دیا، سیاست کی کوئی بات نہیں کی، حضور اکرم ﷺ کے اوصافِ حمیدہ ہی موضوعِ گفتگو رہے۔ مجھے اس اعتراف میں کوئی باک نہیں کہ میں نے حکیم صاحب کی صحبتوں میں دینی و علمی استفادہ کیا جس کی جھلک میرے اشعار میں نظر آتی ہے۔

حکیم صاحب مجموعۂ اوصاف تھے۔ ہر معاملے میں حرفِ آخر کا درجہ رکھتے تھے۔

☆ منفرد حمد اور نعت گو شاعر۔ ممتاز مصنف و سوانح نگار۔ آپ 16 اکتوبر 1999ء کو داعیٔ اجل کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے خالق و مالک کے حضور جا پہنچے۔

Marfat.com

میں نے بارہا انہیں عربی زبان میں گفتگو کرتے سنا۔ وہ اس روانی سے عربی زبان میں گفتگو کرتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ انہیں عربی زبان پر کمال درجے کا عبور تھا۔ برادرِ محترم زاہد اشرف کی عربی زبان سے وابستگی اور مہارت، حکیم صاحب کی خصوصی تربیت کا نتیجہ ہے۔ برادرِ محترم نے حال ہی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے اور حکیم صاحب کے صحیح وارث بنے۔ انہیں بھی عربی زبان پر عبور ہے، جو حضور اکرم ﷺ کی زبان ہے۔ اس زبان سے وابستگی، محبت اور دلچسپی کو میں عبادت سمجھتا ہوں کیونکہ سیرتِ مطہرہ کا اِدراک اسی زبان میں ممکن ہے۔

سیاست دانوں نے سیاست کو تجارت بنا لیا ہے، مگر حبّ الوطنی اور بے لوث خدمت کی جو مثال حکیم صاحب نے قائم کی ہے، اس کی مثال شاید ہی مل سکے۔

سُنا ہے کہ صدرِ گرامیٔ قدر جنرل ضیاء الحق دینی اور سیاسی مشوروں کے لئے حکیم صاحب کو دعوت دیتے تھے۔ حکیم صاحب ضعیف العمری کے باوصف، وطن سے محبت کی خاطر اس دعوت کو قبول فرماتے اور بغیر کسی معاوضے کے تشریف لے جاتے۔ بے لوث حبّ الوطنی کی چند ہی مثالیں ہمیں ملتی ہیں، حکیم صاحب ان میں سے ایک تھے۔

ہماری زندگی اغراض و مقاصد سے عبارت ہے۔ کوئی نہ کوئی غرض سامنے ہوتی ہے، مگر خاموشی، بے غرضی، جرأت و بے باکی اور انجام سے بے خبری کا مرقع حکیم صاحب کی ذات ستودہ صفات تھی۔

صحافت میں بھی انہوں نے زندگی بھر اپنے نظریات کی ترویج کی اور اپنے ضمیر کی آواز کو حروف کی شکل میں منتقل کرتے رہے۔ المنبر کے اوراق اس دعوے کے شاہد ہیں۔

مختلف مکاتبِ فکر کے علمائے کرام ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی ایسی بات نہیں کی جو دوسرے مکتبۂ فکر پر شاق گزرے۔ یہ کمال بہت کم علماء میں ہوتا ہے۔ اتفاق اور اتحاد ان کے سامنے رہتا تھا۔ وہ کسی متنازع مسئلے کو درمیان میں نہ لاتے تھے۔ اسی لئے ہر دل میں ان کا احترام تھا۔

Marfat.com

گفتگو میں نرمی ان کا خاصہ تھا۔ وہ دھیمے مزاج کی شخصیت تھے۔ بات کو علمی و دینی رنگ میں پیش کرتے تو ان کے تبحرِ علمی سے ہر شخص متاثر ہو جاتا تھا۔ احادیثِ مبارکہ کے ذکر سے ان کی گفتگو اور زیادہ دلچسپ ہو جاتی تھی۔ ہمارے نزدیک ہر خوبی کا مصدر حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات ہے۔ ان کے اقوالِ حسنہ ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ کو قرآنِ ناطق کہا گیا ہے۔ ان کا ہر قول، ہر ادا، قرآن مجید کی تشریح و توضیح تھی۔ حکیم صاحب اپنی گفتگو، اپنی تحریر و تقریر میں اسی کا اظہار کرتے تھے۔ ان کی پاکیزہ گفتگو سے ہر شخص خواہ وہ کسی درجے کا فہم رکھتا ہو، متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ان کی ہر مجلس عبادت کا جزو، تعلیم و تربیت کا ذخیرہ، علمی و مذہبی خوبیوں سے آراستہ ہوتی تھی۔

کسی کی دل شکنی سے اجتناب کرتے تھے، خواہ وہ کسی مسلک کا شخص ہو۔ تعلیم و تربیت اور دعوتِ الی الحق کا یہ انداز قرآن مجید کی ایک آیت مبارکہ میں یوں بیان کیا گیا ہے، جس کا ترجمہ ہے: ''اے رسولؐ! آپؐ اپنے پروردگار کے رستے کی طرف دعوت دیتے رہئے اور مشفقانہ اور حکیمانہ نصیحتوں کے ساتھ (بُلاتے رہئے) اور (اگر ان سے بحث کرنا ہی پڑے تو یہ) مباحثہ بہتر انداز میں کیجئے۔'' (سورہ نحل، 125)

یہ آیتِ کریمہ گفتگو میں ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہی۔ وہ ملائمت، شائستگی اور محبت سے مسائل کا حل نکال لیتے تھے۔ یہی خوبی، یہی وصف سید عطا اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ میں تھا۔ وہ ہمیشہ دلائل و براہین سے بات کرتے تھے۔

اسلامیہ کالج کے ایک طالب علم نے ازراہِ تفنن کہا: ''شاہ جی! کالج میں داڑھی رکھنا بہت مشکل ہے۔'' اگر شاہ جی قرآن و احادیث کے حوالے دیتے تو گھنٹوں گزر جاتے۔ شاہ جی نے ایک جملہ کہہ کر اس کا منہ بند کر دیا۔ فرمایا: ''میرے بیٹے! خالصہ کالج میں داڑھی رکھنا آسان ہے، اسلامیہ کالج میں واقعی بہت مشکل ہے۔'' اس کا چہرہ اُتر گیا۔

یہی جامعیت حکیم صاحب کی گفتگو میں بھی دیکھی۔ وہ کسی بات کو طول نہ دیتے۔ گفتگو ہمیشہ اختصار اور دلائل کے ساتھ ہوتی۔ ان کی دینی علمیت اور قرآنِ مجید سے

Marfat.com

قلبی وابستگی ان کی گفتگو میں نظر آتی تھی۔

میں سمجھتا ہوں اس گرانی کے دور میں دینی پرچہ نکالنا بہت مشکل ہے مگر المنبر رسول اللہ ﷺ کے منبر مبارک سے مناسبت کی وجہ سے المنبر رشد و ہدایت کا سرچشمہ، تبلیغ کا ذریعہ، دینی نظریات کا آئینہ بن گیا۔

جس منبر مبارک پر حضور اکرم ﷺ جلوہ فرما ہو کر تبلیغِ دین فرماتے تھے، المنبر بھی اسی مرکزِ رشد و ہدایت اور اتباعِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندہ تابندہ مثال ہے۔

حکیم صاحب اوصافِ حمیدہ کا پیکر تھے۔ ان کی خوبیاں بیان کرنے کے لئے دفتر درکار ہیں۔ انہوں نے زندگی مشقت اور مسلسل جدوجہد میں گزاری۔ الحمدللہ ان کی زندگی میں ہی ان کے نتائج سامنے آ گئے۔ دینی مدرسے کا قیام ان کی آخرت میں نجات کا ایک ذریعہ ہے، جہاں طلبہ دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس کا دائرہ کار مدینہ منورہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس مدرسے کے طلبہ مدینہ منورہ یونیورسٹی کے قیام کے دوران مختلف اعزازات سے نوازے گئے۔ ان میں سے کئی ایک دنیا کے مختلف شہروں میں اساتذہ کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ جس کی بنیاد تقویٰ پر اٹھائی گئی ہو، اس کے سینے میں تبلیغ کا نور سما سکتا ہے، دنیا کی حرص جگہ نہیں پا سکتی۔ اسے ہمیشہ آخرت کی فکر رہتی ہے۔ وہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی اُمت قیامت کے دن سرخ روئی سے ہمکنار ہو۔

روزنامہ ''عوام'' کی پندرہ جون 1998ء کی اشاعت میں جناب قاری طاہر محمود محمد یعقوب کا انٹرویو شائع ہوا ہے۔ انہوں نے مختلف ممالک کے ایک سو طلبہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ دورانِ تعلیم انہیں مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی شفقت حاصل رہی۔

حکیم صاحب کی زندگی بھر کوشش رہی کہ دینی تعلیم کو زیادہ پھیلایا جائے تاکہ طلبہ ابتداء ہی سے سیرتِ مطہرہ اور قرآنِ مجید کے مطالب و معانی سے آشنا ہو جائیں اور یہ تعلیم ان کے کردار کا حصہ بن جائے۔ اگر بچپن میں دینی تعلیم دی جائے تو شاہراہِ زندگی میں

Marfat.com

انسان بھٹک نہیں سکتا۔ وہ کسی مجلس، کسی محفل میں ہو، دینی تعلیم اس کی نگہبانی کرتی ہے اور انسان ہر برائی سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔

میرے والدِ محترم حافظ محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہ نے 1935ء میں مجھے قرآن پاک حفظ کرایا۔ مجھے دینی تعلیم دی۔ میری زندگی کا بیشتر حصہ شعراء کی مجالس میں گزرا، جن کی زندگیوں میں دین کا بہت کم پہلو نظر آیا۔ اللہ تعالیٰ کے خصوصی کرم اور والدِ محترم کی دعاؤں سے ان کی عاداتِ قبیحہ سے محفوظ رہا، یہ کلامِ پاک کی برکت اور علمائے کرام کی پاکیزہ مجالس میں شرکت کا نتیجہ تھا۔

کئی دفعہ حکیم صاحب کے دولت کدے پر حاضری کا شرف نصیب ہوا، ہر بار ایک تازہ تأثر لے کر آیا۔ ان کی گفتگو میں دینی چاشنی نے مجھے بہت متاثر کیا۔ میں اپنے دامن میں علم و حکمت کا خزینہ لے کر آیا۔

حکیم صاحب اور ان کے صاحبزادے ڈاکٹر زاہد اشرف کو میزبانی کے حقوق سے کماحقہٗ آگاہی ہے، ان کی دعوت پُر تکلف ہوتی ہے اور ان کا دل چاہتا ہے کہ مہمان کی اچھی طرح خاطر تواضع کی جائے۔

گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا، مہمان ان کی علمی اور مذہبی گفتگو سے اس قدر متأثر ہوتا تھا کہ خورونوش کی طرف توجہ کم جاتی۔ ان کی گفتگو میں اس قدر مٹھاس ہوتی کہ شکم پُری کی بجائے ذہنی آسودگی زیادہ میسر آتی اور زیادہ تر کھانے کی چیزیں دھری کی دھری رہ جاتیں۔ میزبانی کا انداز بھی حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کا ایک حصہ ہے۔ اکرام الضیوف کی ایک حدیث سے میری بات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

حکیم صاحب چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، دین کا پیکر نظر آتے تھے۔ ان کی نشست و برخاست، دینی درس معلوم ہوتا تھا۔ آپ محبت کا پیکر، علم و ادب کی زینت، دینی معلومات کا ذخیرہ، خلوص و اخلاص کی اعلیٰ شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ہمیں آخرت کی فکر عطا فرمائے۔ آمین

Marfat.com

بڑا آدمی

طارق چوہدری ☆

برسوں گزرے زاہد اشرف صاحب نے اپنے والد مولانا عبدالرحیم اشرف صاحب کے بارے میں مضمون لکھنے کے لئے کہا تھا، انکار کیا نہیں کہ ہو نہ سکا۔ لکھا اس لئے نہیں کہ لکھنا مشکل لگتا ہے۔ انہوں نے بھی اخبارات میں کالم پڑھ کر سوچا ہوگا کہ لکھ سکتا ہوں۔ اخبار کے لئے کالم لکھنا ایک بات ہے لیکن اپنے بزرگ کے بارے میں لکھنا آسان نہیں۔ اس کے لئے رشید صدیقی کا قلم چاہیے، نہیں تو کم از کم ہارون رشید کا جو زبان اور لفظ پر قدرت رکھتا ہو۔ اشرف صاحب جیسی پُر وقار شخصیت جن کے اخلاق و محاسن جیسے پسندیدہ تھے ویسے عمدہ لفظوں پر عبور ہے نہ جذبات کے اظہار میں قدرت۔ بولنے میں پھر بھی آسانی ہے مگر وہ بھی پوری تیاری کے بعد کہ تقریر میں لفظوں کے زیر و بم، چہرے کے تاثرات، آنکھوں کی چمک، ہاتھ کے اشارے، جسم کی حرکات کہے بغیر بھی سامعین کو بہت کچھ بتاتی رہتی ہیں۔ بہر حال زاہد اشرف اور دوسرے بھائیوں کے تقاضے کو نبھاتا ہوں۔

مولانا عبدالرحیم اشرف پر کیا موقوف یہ پوری نسل ہی غیر معمولی اخلاق و کردار سے مزین تھی، جو آج نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ یہ پرائمری سکول کا ابتدائی زمانہ تھا جب اشرف صاحب اباجی سے ملنے ہمارے گاؤں آیا کرتے جو ضلع سرگودھا میں ہے۔ کبھی اکیلے کبھی عبدالرحمٰن ہاشمی، اسعد گیلانی اور مولانا گلزار احمد مظاہری بھی ہمراہ ہوتے۔ اشرف صاحب اباجی کے قدیم دوستوں میں سے تھے، ان کی دوستی ہندوستان کی تقسیم سے بہت پہلے کی تھی۔

☆ سابق رکن سینیٹ آف پاکستان۔ ممتاز کالم نگار روزنامہ جنگ۔ یکے از قائدین تحریکِ انصاف۔

Marfat.com

شائد اس زمانے سے جب اشرف صاحب ابھی لڑکپن میں تھے۔ والد صاحب بڑے ہونے کے باوجود اشرف صاحب کا بہت احترام کرتے، انہیں ہمیشہ اشرف صاحب کہہ کر بلایا کرتے۔

میٹرک کے بعد ہم مزید تعلیم کے لئے امین بھائی کے پاس لائل پور آ کر گورنمنٹ کالج دھوبی گھاٹ میں داخل ہوئے تو ان دنوں امین بھائی اشرف صاحب کے پاس کام کیا کرتے تھے۔ لیبارٹریز جناح کالونی میں تھی جو ہمارے کالج سے بمشکل ایک کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ کالج سے فارغ ہوتے ہی سیدھے اشرف لیبارٹریز چلے آتے۔ یوں اشرف صاحب سے تقریباً روزانہ ہی ملاقات رہتی۔ وہ بڑی شفقت سے پیش آتے، مسکرا کر ملتے، بے تکلفی سے پیش آتے۔ ایوب خاں کے خلاف پہلا جلوس نکلا تو چنیوٹ بازار کے باہر پولیس کے لاٹھی چارج سے چھوٹا سا زخم لگا تو اشرف صاحب کو بڑی فکر لاحق تھی، وہ کافی بے چین نظر آئے۔ ایوب خاں کا تختہ الٹ کر یحییٰ اقتدار میں آئے۔ رات کو مارشل لاء لگا، اگلی صبح کچہری بازار کی جامع مسجد میں ہم نے یحییٰ خاں اور مارشل لاء کے خلاف دھواں دار قسم کی باغیانہ تقریر کر ڈالی۔ معلوم نہیں ہمارے پہنچنے سے پہلے تقریر کی شہرت اشرف صاحب تک کس نے پہنچائی۔ اس پر انہوں نے ہمیں سمجھانے کی کوشش کی مگر جوانی کی نادانی آسانی سے نصیحت کو سمجھ نہیں پاتی۔

مولانا عبدالرحیم اشرف اوائلِ عمر سے ہی نیک سیرت اور راست فکر تھے، یہی وجہ تھی کہ ابتدائے جوانی میں مستری محمد صدیق صاحب کو راہنما مانا، مستری صاحب سے وہ بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ ویسے بھی مستری صاحب سے بڑا آدمی پھر ان کی زندگی میں نہیں آیا، مگر ان سے بڑا آدمی تھا بھی کون؟ مستری صاحب نہرو، گاندھی اور ابوالکلام آزاد کے ساتھ جیل میں رہے۔ ان سب کو بغاوت کے جرم میں قیدِ بامشقت سنائی گئی تھی۔ مشقت میں یہ لوگ پٹ سن کی رسی بنایا کرتے تھے۔ مگر مستری صاحب نے مشقت سے انکار کر دیا۔ جیلر ان کے پاس آیا اور کہا: یہ عدالت کا حکم ہے، اس لئے آپ کو حکم کے مطابق مشقت کرنا ہی ہوگی۔ مستری صاحب بولے، میں حکومت کو مانتا ہوں نہ اس کے قانون کو، تو عدالت کو کیسے مان لوں؟ اگر

Marfat.com

مانتا تو جیل ہی کیوں آتا۔ چنانچہ مستری صاحب کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ اب وہ خود تو فارغ تھے لیکن ابوالکلام آزاد کی مشقت میں ان کا ہاتھ بٹایا کرتے۔ مستری صاحب حال مست صوفی تھے مگر شریعت سے ذرا بھی انحراف نہ کرتے۔ بظاہر لاعلم بلکہ اَن پڑھ نظر آتے لیکن جب قرآن حکیم کے مطالب پر بات آتی یا کوئی سوال کیا جاتا تو بڑے بڑے علماء اور صاحبِ علم و فکر ان کی نکتہ آفرینی پر دنگ رہ جاتے۔ مولانا ابوالکلام آزاد مستری صاحب کی امامت میں نماز ادا کرتے۔ کسی نے پوچھا: مولانا آپ امام الہند ہو کر مستری صاحب کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں؟ کہا: ایک شب میں تہجد کی نماز کے لئے اٹھا تو مستری صاحب پہلے سے نماز میں مصروف تھے، انوار کی کرنیں سر سے آسمانوں تک احاطہ کئے ہوئے تھیں، ایسا شخص معمولی کیونکر ہو سکتا ہے۔ مستری صاحب نے آدھی منزل پر اپنی کٹیا بنا رکھی تھی۔ یہ مقام سلطان پور لودھی سے جالندھر کے عین وسط میں ہے۔ اس لئے آدھی منزل کہلاتا ہے۔ کم ہی جانتے ہیں مستری صاحب وہ پارس تھے جو سونا بنانے کا فن جانتا تھا۔

کوئی پھول بن گیا ہے کوئی چاند کوئی تارا
جو چراغ بجھ گئے ہیں تیری انجمن میں جل کے

مولانا عبدالرحیم اشرف صاحب امرتسر کے ایک گاؤں ویرووال میں پیدا ہوئے۔ دارالقرآن والے شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ بھی اسی گاؤں میں آ بسے، لیکن مولانا نے سلطان پور لودھی میں اپنا شفاخانہ بنا رکھا تھا۔ ادویہ سازی کرتے، شربت بناتے اور لوگوں کا علاج بھی کرتے تھے۔ یہ سب انہوں نے چھوٹی سی عمر میں شروع کر دیا تھا۔ یہیں پر ان کی ملاقات مستری صاحب اور ہمارے اباجی سے ہوئی۔ یہ ملاقات گہری دوستی میں بدل گئی جو عمر بھر قائم رہی اور ان کے بچوں میں بھی وہی محبت اور احترام کا رشتہ ہے۔ تلسی نے کہا ۔

تلسی ہاتھ اصیل کی بھولے سے چھو جائے
آپ نبھائے عمر بھر بچوں سے کہہ جائے

سو ان کا یہ معاملہ صرف ہمارے خاندان تک نہیں، مستری صاحب کی وفات کے

Marfat.com

بعد ان کی اہلیہ اور بیٹے فضل کا بہت خیال رکھا۔ اماں کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا اور فضل بھی کافی چڑچڑا ہو جاتا۔ لیکن مولانا ان کے احترام کے ساتھ ضرورت کا بھی خیال رکھتے تھے۔ ہر کڑوی کسیلی کو امرت سمجھ کر پی جاتے۔ مستری صاحب کو ایک سکھ نے قتل کر دینے کے لئے گولی کا نشانہ بنایا۔ انہیں تین گولیاں لگیں لیکن زندگی بچ رہی۔ والد صاحب فوراً ہی جائے حادثہ پر پہنچ گئے تھے اور تھوڑی دیر بعد اشرف صاحب بھی۔ انہیں ہسپتال لے جایا گیا تو مہاراجہ کپورتھلہ اور ان کے وزیر اعظم مستری صاحب کی مزاج پرسی کے لئے ہسپتال آئے۔ سیکیورٹی والوں نے مستری صاحب کے مہمانوں کو تھوڑی دیر کے لئے کمرہ خالی کرنے کے لئے کہا تو مستری صاحب نقاہت کے باوجود بولے: کیا مہاراجہ کو میں نے بلوایا ہے؟ نہیں، وہ خود تشریف لائے ہیں۔ مستری صاحب نے کہا: مہاراج سے کہیے، اس وقت میرے مہمان بیٹھے ہیں وہ بعد میں کسی وقت تشریف لائیں۔ چنانچہ مہاراجہ اور وزیر اعظم کو سب کی موجودگی میں مستری صاحب سے ملاقات کرنا پڑی۔ اس ملاقات کے وقت راقم کے بڑے بھائی محمد یاسین اور محمد امین وہیں موجود تھے۔ تب وہ چھوٹے بچے ہی تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، امین احسن اصلاحی، عطاء اللہ شاہ بخاری مستری صاحب کا بڑا احترام کرتے۔ میاں طفیل محمد جو مولانا مودودی کے بعد جماعت اسلامی کے امیر بنے وہ مستری صاحب کے مشورے پر ہی جماعت اسلامی میں شامل ہوئے تھے۔ مستری صاحب کی آدھی منزل، مولانا اشرف صاحب کا سلطان پور لودھی اور ہمارے والد صاحب کا گاؤں بادشاہ پور ریاست کپورتھلہ میں تھے۔

کہتے ہیں فرد اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے۔ رشتے بنے بنائے ملتے ہیں، دوست ہر کوئی اپنی پسند کے مطابق انتخاب کرتا ہے۔ یہی انتخاب فرد کی اصل فطرت کی نشان دہی کرتا ہے۔ عمر کے ابتدائی حصے میں مستری صاحب سے منسلک ہونا اشرف صاحب کے سلیم الفطرت اور راست فکر ہونے کی دلیل ہے۔ مذہب کے ساتھ گہری وابستگی رکھتے تھے۔ خود اہلحدیث تھے لیکن وسیع المشرب۔ شروع سے سید مودودی اور جماعت اسلامی کے

Marfat.com

ساتھ وابستہ ہو گئے۔ان کے دوستوں اور ملنے والوں میں ہر مکتبہ فکر اور شعبہ زندگی کے لوگ شامل تھے۔ دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث، بعض شیعہ حضرات کے ساتھ بھی گاڑھی چھنتی۔ مفتی محمد شفیع، امین احسن اصلاحی، محمد حنیف ندوی، احتشام الحق تھانوی، مولانا تاج محمود، حکیم محمد عبداللہ جہانیاں والے، مولانا محمد عبداللہ جھال والے، مولانا محمد عبداللہ دارالقرآن والے، صوفی محمد عبداللہ تحریک مجاہدین، سید مولا بخش، مولانا محی الدین لکھوی ان سب سے ہماری ملاقات اشرف صاحب کے گھر میں ہوئی۔ان کے دوستوں میں محمد حسین نعیمی صاحب، شورش کاشمیری، مجیب الرحمٰن شامی، صلاح الدین تکبیر والے، الطاف حسن قریشی، لائل پور اخبارات کے ایڈیٹر، اخبار نویس، بڑے صنعت کار، بزنس مین، علماء کرام، مفتیان عظام ہر مکتبہ فکر ہر شعبہ زندگی سے لوگ ان کے دوستوں اور ارادت مندوں میں شامل تھے۔ مولانا وسیع المطالعہ تھے، کتابوں کا بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا تھا۔ پاکستان آنے کے بعد لاہور، چنیوٹ سے ہوتے ہوئے جلد ہی لائل پور چلے آئے۔ امین پور بازار جامع مسجد اہلحدیث کے نیچے ایک دکان کرایہ پر حاصل کی، یہیں پر اشرف لیبارٹری کا آغاز ہوا۔ ادویات، مرکبات سب اپنے ہاتھ سے بناتے۔ پیستے، رگڑتے، کوئی مریض آجاتا تو کام بند کر کے اسے دیکھتے، دوا تجویز کرتے، خود خوراک بنا کر دیتے، ان کی محنت، دیانت اور ثابت قدمی نے جلد ہی بڑے ادارے کی شکل اختیار کر لی۔ 60 کی دہائی میں اشرف لیبارٹریز پاکستان بھر میں تین چار بڑے اداروں میں ایک معتبر نام تھا اور اب بھی ہے۔ ان کی بخشی نیک نامی کو طارق اشرف اور ان کے بھائیوں نے قائم رکھا۔

اشرف صاحب پسندیدہ اخلاق و محاسن سے مزین تھے۔ مذہب کے ساتھ وابستگی، مطالعہ کی وسعت اور دوستوں میں تنوّع۔ صوفیاء کی صحبت بھی رہی۔ سید مودودی، امین احسن اصلاحی، ڈاکٹر اسرار احمد، محمد حنیف ندوی جیسے فلسفی علماء سے تبادلہ خیال کرتے رہے۔ الغرض انہوں نے اپنے لئے نیک صالح اور غور و فکر کرنے والے لوگوں کا ماحول پسند کیا۔ وہ ان کے ساتھ بحث و مباحثہ میں اتفاق کرتے اور اختلاف بھی جو ان کے صاحب رائے ہونے

Marfat.com

کی دلیل ہے۔ انہوں نے جماعت اسلامی میں رہتے ہوئے سید مودودی سے اختلاف کیا۔ اشرف صاحب کی ہر بات پسندیدہ تھی سوائے اس اختلاف کے جو انہوں نے مولانا مودودی سے کیا لیکن پانچ دہائیاں گزرنے کے بعد ہمیں اعتراف کئے بنتی ہے کہ اختلاف کئے گئے مسئلے میں اشرف صاحب کی رائے درست ثابت ہوئی۔

اشرف صاحب اپنے اخلاق، آداب، محاسن میں ایک بڑے آدمی تھے۔ شائد بہت بڑے۔ زندگی میں ان کی بہت سی ذمہ داریاں تھیں اور کئی حیثیتیں، انہوں نے اپنی ہر ذمہ داری کو باحسن پورا کیا اور ان سب میں توازن برقرار رکھا۔ وہ عالم بھی تھے، ادیب اور خطیب بھی، حکیم تھے، مریضوں کے لئے دوا تجویز کرتے، دواساز کمپنی کے مالک تھے ادویہ بنایا کرتے اور تمام قیمتی جواہر اور مرکبات اپنی نگرانی میں شامل کرتے۔ دستر خوان کی طرح ان کے قلب و ذہن میں بھی وسعت تھی، ہر مکتبہ فکر کے لوگوں کی مالی مدد کرتے۔ خود طب اور دینی تعلیم کا ادارہ چلاتے، اس کے باوجود دیگر اداروں کی دل کھول کر مدد کرتے۔ بڑے لوگوں کے ساتھ دوستی تھی ان کا حلقہ احباب پورے ملک میں پھیلا ہوا تھا، لیکن کبھی ایسا نہ ہوا کہ خواص کی محفل میں گھربار نظر انداز ہو یا چھوٹے ملازم اور کم حیثیت دوستوں سے نظر ہٹتی ہو۔ وہ عوام میں عام رہتے اور خواص میں بلند قامت۔ فطرتاً فیاض تھے اور ہمیشہ ہاتھ اوپر رکھا۔

ان کے وجود میں ایک فطری سے بے قراری تھی جو انہیں جلدی سے بہت کچھ کرنے کے لئے بے چین رکھتی۔ یہ بہت کچھ کرنا ان کے اپنے لئے تھا نہ خاندان کے لئے بلکہ عالمِ اسلام خصوصاً پاکستان کے لئے وہ بہت حساس تھے۔ تحریر، تقریر، دامے، درمے ہر طرح تیار رہتے۔ دین سے متعلق ہر شخص ان کا دوست تھا۔ ہر ایک کے ہم دم اور کئی ایک کے راز دار بھی۔ ماں باپ کی، بزرگوں کی خدمت کی، بھائیوں اور دوستوں کا ہاتھ بٹایا، نیکی کے کاموں میں خرچ کیا، بچوں کے لئے نیک نامی اور آسودہ زندگی چھوڑ گئے۔ تین نسلوں کی خدمت کی، کوئی صلہ نہ ستائش کی تمنا۔ ساری زندگی محنت اور جدوجہد میں بسر ہوئی۔ آرام و راحت کی خواہش ہوئی نہ موقع پایا۔

Marfat.com

مردِ خدا

عبداللہ طارق سھیل ☆

اللہ کی زمین کبھی اس کے اولیاء سے خالی نہیں ہوئی۔ اولیائے کرام کی عام پہچان یہ ہے کہ وہ گوشہ نشین ہوتے ہیں اور لوگ ان کے ہاں حاضر ہو کر دینی فیض پاتے ہیں۔ یہ عمومی پہچان درست ہے لیکن جن اولیاء کا طریقہ عمل مختلف ہوتا ہے وہ زندگی کے مختلف شعبوں میں متحرک رہتے ہیں اور اپنی بے پناہ توانائی کے ساتھ بیک وقت کئی شعبوں میں دین کا کام کرتے ہیں۔ زندگی میں ان کی ناقابلِ یقین خوبیاں قدرے معمول کے مطابق لگتی ہیں لیکن جب وہ اس دنیا سے گزرتے ہیں تو ان کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر بھی حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ آخر کوئی ایک آدمی اتنی زیادہ محنت کیسے کرسکتا ہے۔

مولانا عبدالرحیم اشرف جن کا زیادہ تر تعارف ان کے ایک طبی عبقری ہونے کے حوالے سے ہے، دراصل ایسے ہی اولیاء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی ذاتی زندگی کا زھد ان کے مردِ خدا ہونے کی دلیل ہے لیکن وہ جو علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ

ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام\
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

(کلیاتِ اقبال اردو، صفحہ: 386)

تو مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے جتنے بھی ایسے کام کیے کہ انہیں صدقہ جاریہ سمجھا جائے تو ان

☆ نام ور اور کہنہ مشق سینئر صحافی اور کالم نگار روزنامہ 92 نیوز۔

Marfat.com

کا ثباتِ دوام اور ان کی پھیلتی ہوئی خدمات یہ بتا دیتی ہیں کہ مردِ خدا کا کام اس کے اٹھ جانے سے بند نہیں ہو جاتا۔ طب کے شعبے میں ان کی خدمات تو ان کی کُل خدمات کا محض ایک حصہ سا ہیں۔ انہوں نے دینی تعلیمات کے لئے جو ادارہ بنایا، وہ ان کے بعد زوال یا جمود کا شکار نہیں ہوا بلکہ اور فروغ پذیر ہوا جس کا مطلب ہے کہ خدا نے ان کا یہ ''صدقہ جاریہ'' نہ صرف قبول کیا بلکہ اس میں برکت بھی دی۔ آج دینی علوم کے حلقے میں کون ہے جو جامعہ تعلیمات اسلامیہ کی اہمیت سے واقف نہ ہو۔

مولانا کی دینی حلقوں میں پہچان کا آغاز جماعتِ اسلامی میں ان کی شرکت کے بعد ہوا حالانکہ وہ اس سے پہلے دینی اور ملی تحریکوں میں حصہ لینے کے علاوہ تبلیغی سرگرمیوں میں بھی مصروف رہے اور بہت پہلے انہوں نے اپنی زندگی کا آغاز مشرقی پنجاب کے ایک مدرسے میں استاد کے طور پر کر دیا تھا۔ قیامِ پاکستان سے پہلے وہ تحریکِ خلافت اور دوسری ملّی تحریکوں میں سرگرم رہے تو قیامِ پاکستان کے بعد تحریکِ ختمِ نبوت کے دونوں مرحلوں میں ان کا کردار امتیازی اور نمایاں رہا۔ جماعت اسلامی میں رہ کر ان کی علمی اور حصولِ علم کی صلاحیتوں کو جِلا ملی اور جب اختلافات کی بنا پر جماعت سے اپنا راستہ الگ کیا تو اس سے الجھنے کے بجائے اپنی جدوجہد کا تمام تر رخ مثبت سمت میں رکھا اور تبلیغِ دین کے اس راستے پر کاربند رہے جس سے ہٹ جانے کی بنا پر انہوں نے جماعت اسلامی چھوڑی تھی۔ دن رات کی تبلیغی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے فیصل آباد (تب لائل پور) سے ہفت روزہ جریدہ المنبر نکالا۔ دینی جریدے وہی معروف ہوتے ہیں جو کراچی یا لاہور جیسے معروف علمی وصحافتی مراکز سے شائع ہوں لیکن المنبر لائل پور سے نکلا جسے علمی مرکز ہونے کا شرف حاصل نہیں تھا۔ اس کے بجائے اس کی شناخت صنعتی مرکز کی تھی لیکن المنبر اپنا حلقہ اشاعت بنانے میں کامیاب ہوا اور ساتھ ہی اس نے لائل پور کی شناخت بھی تبدیل کر دی۔ اس کی تمام تر ادارت وہ خود کرتے تھے۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ کئی معروف شخصیات اپنی ادارت میں کئی پرچے شائع کرتی ہیں لیکن ان پر ان کی محض نگرانی ہوتی ہے۔

Marfat.com

باقی کام ان کا عملہ کرتا ہے لیکن اگر آپ کو المنبر کے پرانے پرچے، جو 30-32 سال تک ان کی ادارت میں شائع ہوئے، دیکھنے کو ملیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس کے ہر صفحے اور ہر مضمون میں مولانا کی چھاپ تھی۔ صحافتی زبان میں اسے Orientation کہتے ہیں۔ آج کل یہ صفت آپ کو صحافت میں نظر نہیں آئے گی کہ آج کی صحافت ادارہ جاتی ہوگئی ہے۔ ایک ڈھیلی ڈھالی پالیسی جو صحافتی سے زیادہ کاروباری ہوتی ہے، بنالی جاتی ہے اور جریدے پھر گویا "آٹو" پر لگا دیئے جاتے ہیں اور خود بخود چلتے رہتے ہیں۔ کامیاب جریدوں میں معیار کی کڑی سختی ہوتی ہے لیکن سمتیت پر کوئی نظر نہیں۔ المنبر کے یہ تین دہائیوں تک شائع ہونے والے پرچے، جو ایک بڑی تعداد میں میرے پاس بھی محفوظ ہیں، اس قابل ہیں کہ ان کی مدد سے نہ صرف یہ کہ کئی علمی جواہر کتابوں کی شکل میں مرتب کیے جائیں بلکہ پاکستان کے اس دور کی تاریخ کے کئی اوجھل ہو چکے پہلو بھی پھر سے منظرِ عام پر لائے جاسکتے ہیں۔

مولانا نے خالص دینی خدمات کے علاوہ طبی کارنامے بھی انجام دیئے اگرچہ ان کے پیچھے بھی جذبہ محرکہ دینی اور خلقِ خدا کی خدمت کا تھا۔ انہوں نے یونانی دواسازی کا ایک عظیم ادارہ قائم کیا اور ساتھ ہی عوام قارئین کے لئے ایک جریدہ طب وصحت کا بھی شروع کیا۔ راہنمائے صحت کے نام سے اس جریدے نے طب اور صحت سے دلچسپی رکھنے والے قارئین میں بہت جلد خاص مقام حاصل کرلیا۔ طبِ یونانی کو مولانا نے طبِ اسلامی کا نام دیا۔ اس دور میں ایک اور عبقری شخصیت حکیم محمد سعید اسے طبِ مشرق کہتے تھے۔ اپنے اپنے انداز میں دونوں ہی درست تھے، لیکن طبِ اسلامی کی اصطلاح زیادہ بامعنی تھی۔ اس کی وضاحت کے لئے عرض ہے کہ طبِ یونانی کو طبِ مشرق کہنا یوں درست ہے کہ قدیم رنگ کی محدود طبِ یونانی کو ترقی اور عروج دینے والے تمام ملک مشرق ہی کے تھے یعنی مصر و عراق اور ہندوستان لیکن مشرق کا دائرہ تو بہت وسیع ہے۔ اس میں چین، جاپان اور مشرق بعید کے علاوہ وسطِ ایشیا کے ملک بھی آجاتے ہیں جن کا اس طب کی ترقی میں کوئی

Marfat.com

کردار نہیں ہے۔ طبِ چین کا بنیادی طریقہ اگر چہ وہی ہے جو طبِ یونانی کا ہے یعنی دونوں میں جڑی بوٹیوں کے علاوہ حیوانی اور معدنی اجزاء کو قدرتی حالت میں خاص تناسب کے ساتھ کسی مریض کے لئے خوراک کی شکل دی جاتی ہے لیکن چین، خصوصاً مشرقی چین میں جو ملک کی 90 فیصد آبادی پر مشتمل ہے، ایسی بے شمار جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں جو عرب و ہند میں پائی جانے والی جڑی بوٹیوں سے مختلف ہیں۔ پھر طبِ چین کا زور ہر قسم کے حیوانات مثلاً سانپ، اژدھا، بندر، بھیڑیا، شیر اور گینڈا وغیرہ کے جسمانی اجزاء کے نسخے بنانے پر ہے جن کا استعمال مسلمانوں کے ہاں منع اور دوسری طبوں میں بھی اتنا پسندیدہ نہیں ہے۔ اس قسم کی وجوہات کی بنا پر طبِ چین کا دوسری معاصر طبوں بالخصوص یونانی سے تال میل کم رہا ہے۔

مروّج طبِ یونانی میں اگر چہ طبِ ہندی (آیورویدک) کے کچھ نسخے بھی شامل ہیں لیکن مجموعی طور پر طبِ یونانی کی موجودہ شکل عرب و ہند کے مسلمان حکماء، معالجین اور ماہرینِ طب و نباتات اور کیمیاء دانوں کی دی ہوئی ہے، اس لئے اسے طبِ اسلامی کا نام دینا زیادہ جامعِ مطلب اور صحت کے قریب ہے۔ ایک اعتراض یہ ہوسکتا ہے کہ فن یا علم کا مذہب نہیں ہوتا، لیکن کچھ دائروں میں یہ اعتراض وضاحت ملانے پر ختم ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر طب کے تمام لوازمات اگر اسلامی دائرے کے اندر ہوں تو اسے اسلامی کیوں نہ کہا جائے۔ دنیا کی کسی طب میں حلال اور حرام کا فرق نہیں رکھا جاتا، جبکہ طبِ اسلامی میں رکھا جاتا ہے، پھر طبِ اسلامی کا فلسفہِ علاج اپنی روحانیت میں مختلف ہے۔ ''اسلامی حکیم'' وہ ہے جو مریض کو شفایاب کرنے کی ذمہ داری اپنی ہمہ گیر ''عبودیت'' کا جزو سمجھتا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ اگر مریض کو اس کے ہاتھ سے شفاء مل گئی تو اس کا اصل اجر وہ عوضانہ نہیں جو مریض دے گا بلکہ وہ اجر ہوگا جو خدا تعالیٰ کے حضور سے ملے گا۔ پھر ''اسلامی حکیم'' مریض کو فی سبیل اللہ بھی دیکھتا ہے اور یہ وہ کام ہے جو طبِ جدید کے ڈاکٹر حضرات کے بس سے ہی بالا نہیں، ان کے ہاں خلافِ عقل بھی ہے۔ طبِ جدید میں نئی دواؤں کی تیاری کے لئے

Marfat.com

معصوم جانوروں پر جو ظالمانہ تجربات کیئے جاتے ہیں، وہ نا قابل بیان حد تک دردناک اور تکلیف دہ ہیں۔ طب کے اسلامی فلسفے میں جو دوا ''ظلم'' کی بنیاد پر بنائی گئی ہو وہ کامل شفا نہیں دے سکتی۔ غرض یہ کہ اسلامی طب خدمت ہے، تجارت نہیں۔

ذکر ماہنامہ راہنمائے صحت کا ہو رہا تھا جو عوام قارئین کے لئے تھا۔ حکیم عبدالرحیم اشرفؒ نے ماہرینِ فن کے لئے خبرنامہ طب بھی جاری کیا۔☆ اب یہ جریدہ بند ہو چکا ہے لیکن راہنمائے صحت جاری ہے اگرچہ اس کی موجودہ ڈیزائننگ قدیم راہنمائے صحت کی شان کے مطابق نہیں۔ خیر یہ ایک الگ بحث ہو جائے گی۔ میرے خیال میں اشرف لیبارٹریز اتنا بڑا ادارہ ہے کہ نہ صرف راہنمائے صحت کا معیار بہتر بنا سکتا ہے بلکہ المنبر کو زیادہ ضخامت کے ساتھ بھی شائع کر سکتا ہے۔ فی الوقت اس میں پرانی تحریروں سے کوئی اقتباس دیا جاتا ہے، یہ بہت اچھا ہوگا اگر پورے کا پورا مضمون اپنی اصل تاریخِ اشاعت کے حوالے کے ساتھ نقل کیا جائے۔ نیز ہند و پاک کے دیگر دینی اور مذہبی جرائد سے کوئی نادر تحریر بشکریہ کے طور پر اس میں دی جا سکتی ہے۔ علم وحکمت اور خدمت کی اس اقلیم کے، جو حکیم عبدالرحیم اشرف چھوڑ گئے، وارث اب حکیم زاہد اشرف ہیں جن سے بہتوں کو بہت امیدیں ہیں۔

حکیم عبدالرحیم اشرف کی خدمات پر طائرانہ نظر اس مضمون کا موضوع ہے، نہ یہ میرے جیسے کم مایہ کے بس میں ہے۔ راقم نے زندگی کا بیشتر حصہ روزنامہ صحافت پر صرف کر دیا اور کئی قومی اخبارات کی ادارت کی اور روزانہ صحافت ایسا کام ہے جو حصولِ علم کا راستہ بند کر دیتی ہے، اور اس شعبے میں سخت ذمہ داری ادا کرنے والا آدمی بس روزمرہ کی سیاست اور ''کرنٹ افیئرز''، کا قیدی ہو جاتا ہے۔ سچ پوچھئے تو یہ بدقسمتی ہے...... کہنے کا

☆ دراصل پندرہ روزہ خبرنامہ طب، لاہور کے اجراء کا مقصد یہ تھا کہ عوام الناس تک طبی معلومات اور طبی راہ نمائی عام فہم زبان میں پہنچائی جائے۔ انہیں طبی دنیا میں ہونے والی پیش رفت سے آگاہ کیا جائے اور طب کو درپیش داخلی وخارجی چیلنجز کا مقابلہ کیا جائے، جبکہ راہ نمائے صحت کی شناخت علمی وتحقیقی مجلّے کی رہی۔ خبرنامہ طب کی اشاعت منقطع ہونے کے بعد یہ سبھی اہداف راہنمائے صحت کے مشن میں شامل ہیں۔ یہ مجلّہ، الحمدللہ، اس وقت پاکستان ہی نہیں، برصغیر کے طبی مجلات میں قابلِ احترام شناخت کا حامل ہے۔ (ز۔ا)

Marfat.com

مطلب یہ ہے کہ اس تحریر کا مقصد نہ تو مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی خدمات پر نظر ڈالنا ہے، نہ خراجِ عقیدت پیش کرنا، کہ کسی کا بھی حق ادا نہیں ہوسکتا۔ یہ چند سطریں بس ان کی یاد میں ایک مختصر اور بے مایہ سی تحریر سمجھئے۔ اس نئے دور کا المیہ یہ ہے اور جو ارتقاء کی ایک مجبوری بھی ہے کہ اب ہمہ گیر شخصیات پیدا ہونا بند ہوگئیں۔ اب اختصاص کا دور ہے۔ جو مبلغ ہے، وہ عالم نہیں، جو عالم ہے وہ مصنف نہیں، جو مقرر ہے وہ محقق نہیں۔ اب ساری مہارت محض ایک ذیلی شعبے تک محدود ہوگئی ہے۔ کوئی کچھ بھی کرلے، پرانا دور واپس نہیں آسکتا۔ بڑے افراد کا آخری قافلہ وہی تھا جس میں مولانا اشرفؒ بھی شریک تھے۔ اب وہ آخری قافلہ گزرے بھی عشرے بیت گئے۔ نئے زمانے میں جو جواہر کارخانہ قدرت سے نکلیں گے، انہیں کی قدر کرنا ہوگی۔ ہمہ گیر خدمات انجام دینے والے اب پیدا نہیں ہوں گے لیکن اچھی بات ہے کہ خدمت کا سلسلہ رکے گا نہ ولایت کا۔ کارخانہ قدرت انداز بدلتا رہے گا لیکن چلتا رہے گا اور جو اصحابِ علم وولایت پیدا ہوتے رہیں گے وہ اپنا کردار حصہ بقدر جثہ کے طور پر انجام دیتے رہیں گے۔ اتنا بھی غنیمت ہے کہ خدا نے ہم جیسوں کو اگر کسی خدمت کا اہل نہیں بنایا تو خدمت کی قدر شناسی سے بھی تو محروم نہیں کیا۔ فالحمد لله علی ذلك۔

Marfat.com

مجاہدِ ختمِ نبوت

مولانا اللہ وسایا ☆

حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ ایڈیٹر ہفت روزہ ''المنبر'' فیصل آباد ایک عبقری انسان تھے۔ قدرت نے ان کے پہلو میں حساس دل رکھا تھا۔ امتِ مسلمہ کی ہر پریشانی پر وہ پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ اس پریشانی کے حل کے لئے وہ اس وقت تک بے چین رہتے جب تک وہ اسے حل نہ کرا لیتے۔ یا یہ کہ جو کچھ وہ کر سکتے تھے، نہ کر گزرتے۔ فقیر کا 1967ء میں لائل پور میں مبلغ عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے طور پر تقرر ہوا۔ اس زمانہ میں حضرت مولانا تاج محمودؒ، حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ، حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ، حضرت مولانا محمد صدیقؒ، حضرت مولانا صاحبزادہ افتخار الحسنؒ اور حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ کا طوطی بولتا تھا۔ حضرت مولانا تاج محمودؒ تحریکی اور حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ علمی میدان میں فتنہ قادیانیت کے خلاف سرگرم تھے۔ حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ نے تبلیغ کا محاذ سنبھال رکھا تھا۔ حضرت مولانا محمد صدیقؒ تدریس، مناظرہ اور انتخابی سیاست کے شناور تھے۔ حضرت مولانا صاحبزادہ افتخار الحسنؒ اور حضرت مولانا ضیاء القاسمیؒ دونوں آسمانِ خطابت کے درخشندہ ستارے تھے۔ ان حضرات کا باہمی ربط و میل جول قابلِ رشک تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب دیوبندی، بریلوی جنگ کا سیز فائر ہو چکا تھا، لیکن ابھی تک تلخی کی گردنہ بیٹھی تھی۔ اس زمانہ میں حضرت مولانا تاج محمودؒ اور حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ اتحاد بین المسلمین کے لئے مقامی اور قومی سطح پر کوشاں

☆ مرکزی قائد عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت۔ نگران، ماہنامہ لولاک۔ ملتان

Marfat.com

تھے۔ حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ اہلِ حدیث مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے، لیکن دل ودماغ کے اعتبار سے بہت ہی وسیع المشرب تھے۔ زندگی بھر وہ جامع مسجد جناح کالونی میں دیوبندی امام کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ حضرت مولانا کی یہ خوبی تھی کہ وہ وقت کے بہت پابند تھے۔ صبح سے شام تک ان کا تمام وقت کمپیوٹرائزڈ ہوتا تھا۔ نماز میں تکبیر تحریمہ اور صفِ اول کی پابندی کے خوگر تھے۔ گرمی، سردی، معمولی بیماری، بارش اور آندھی ان کے نزدیک کوئی عذرات نہ تھے۔ وہ مسجد میں قدم رکھتے، جماعت کھڑی ہوجاتی۔ گویا ان کا ایک ایک قدم بھی ضابطہ کا پابند تھا۔

حضرت مولانا نے اپنی زیرِادارت ہفت روزہ ''المنبر'' کا اجراء کیا۔ تمام تر اشاعتی مشکلات کے باوجود اس کی اشاعت میں تسلسل کو قائم رکھا۔ ان کے رسالہ کے زیادہ تر موضوعات حالاتِ حاضرہ پر قوم کی راہنمائی، ان پر بے لاگ تبصرہ وتجزیہ، تعلیمی میدان میں امت کی راہنمائی، اتحاد بین المسلمین، مسئلہ ختم نبوت اور منکرینِ ختمِ نبوت کے علمی وواقعاتی تعاقب واحتساب پر مشتمل ہوتے تھے۔ یہ اس رسالہ کا طرۂ امتیاز تھا۔ حضرت مولانا موصوف دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث، حنفی نزاعات پر بالکل نہ لکھتے تھے۔ ہاں کبھی ماحول کی تلخی دیکھ کر فریقین سے اصلاحِ احوال کے لئے ضرور خامہ فرسائی کرتے تھے۔

اسلامیانِ فیصل آباد پر مولانا کا یہ عظیم احسان ہے کہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کو آپ نے فیصل آباد میں بلایا۔ ان کے علاوہ دیگر ملکی وغیر ملکی، تعلیمی ومذہبی شخصیات کو انہوں نے اپنے قائم کردہ ادارہ جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ سرگودہا روڈ فیصل آباد میں بلا کر ان کے خیالات سے اسلامیانِ فیصل آباد کو بہرہ ور کیا۔

حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ ایک سچے دردمند عالم دین تھے۔ آپ نے قادیانیوں کے خلاف صدائے حق بلند کی، لیکن اس میں بھی شائستگی اور دعوت وانذار کے پہلو کو نمایاں رکھا۔ آپ نے ''قادیانیوں سے پہلا خطاب'' نامی ایک پمفلٹ بھی شائع

Marfat.com

کیا۔آپ نے 1974ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔تحریک کے یوم اول سے یوم فتح تک مسلسل تین ماہ انہوں نے اپنے اوپر خواب وخور حرام کر کے اس کے لئے کام کیا۔آپ کی خدمات و شخصیت کے پیش نظر آپ کو آل پارٹیز مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا رکنِ رکین بنایا گیا۔آل پارٹیز مرکزی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے مرکزی امیر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ آپ کی رائے کو بڑے احترام سے سنتے اور اسے دل میں جگہ دیتے تھے۔

حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ بہت زرخیز دماغ کے آدمی تھے۔مشکل اور آڑے وقت میں حالات کا ایسا تجزیہ کر کے ایسی تجاویز لاتے جو حاصلِ مجلس ہوا کرتی تھیں۔آپ تجاویز کے بادشاہ تھے۔جس موضوع پر گفتگو کرتے،اس کی ایک ایک جز تک کی تفصیل سے پردہ اٹھاتے۔مثلاً ایک بات کی تین قسمیں ہیں۔تیسری قسم چار صورتوں سے خالی نہیں۔چوتھی صورت کی پانچ وجہیں ہوسکتی ہیں۔پانچویں وجہ کو آپ گیارہ حصوں پر تقسیم کرسکتے ہیں۔ظاہر ہے کہ کسی بھی مسئلہ کی تقسیم در تقسیم سے جو آپ نتیجہ نکالتے،گویا صورتِ حال کا عرق کشید کر دیتے تھے۔بایں ہمہ گفتگو اتنی مربوط ہوتی تھی کہ اس سے کوئی اُکتاہٹ نہ ہوتی تھی۔ ہر بات کو وہ اس طرح چھلنی میں چھان دیتے تھے یا اس کا ایسا الٹراساؤنڈ کر دیتے تھے کہ اس سے بہتر تشخیص و تجویز نہ ہوسکتی تھی۔وہ صحیح معنی میں مزاج شناس اور حکیم تھے۔ ان کی باتیں، حکمتوں کے موتی اور ان کے مشورے، جواہر پارے ہوتے تھے۔

حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ نے 1974ء کی تحریکِ ختم نبوت میں جس قائدانہ شان سے ملک و قوم،عوام و حکمرانوں کی راہنمائی کی وہ آپ کی بالغ نظری کی دلیل ہے۔حضرت مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے ملک کے طول وعرض کے دورے کئے۔عوام میں تحریک کی روح کو پھونکا۔مرکزی و مقامی ختمِ نبوت کانفرنسوں میں شرکت کی۔ان تمام تر کوششوں کے ساتھ ساتھ ایک ایسی خدمت کی اللہ رب العزت نے آپ کو توفیق بخشی جو آپ کا حصہ ہے۔آپ نے قادیانی عقائد ونظریات کی اصل کتابوں سے حوالہ جات کی فائل یا محضرنامہ

Marfat.com

تیار کیا۔ قادیانی کتب کے فوٹو لے کر قومی اسمبلی کے تمام اراکین تک پہنچایا۔ گویا پوری امت کی طرف سے اس نوعیت کا فریضہ سرانجام دیا کہ تمام ممبرانِ قومی اسمبلی کو قادیانی کتب کے مندرجات دیکھنے تک رسائی ہوگئی۔ آپ کا یہ کام بڑا وقیع بھی تھا اور منفرد بھی۔ جنابِ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے بعد جناب جنرل ضیاء الحق مرحوم تشریف لائے۔ آپ نے موقعہ کو غنیمت سمجھا۔ ان تک رسائی حاصل کی اور اور اپنی اُجلی سیرت و بلندی کردار کے باعث جنرل صاحب کے دل میں اتر گئے اور پھر قومی مسائل میں ان کی جس طرح آپ نے دینی راہنمائی کی، وہ آپ کا ہی حصہ ہے۔ 1984ء میں امتناعِ قادیانیت آرڈی ننس کے نفاذ کے لئے جنرل محمد ضیاء الحق کو قائل کرنے میں آپ نے بڑا مؤثر کردار ادا کیا۔ اس پر ان کو جتنا خراج تحسین پیش کیا جائے وہ کم ہے۔ حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کا قلب آئینہ کی طرح شفاف تھا۔ جس صاف گوئی سے وہ کام لیتے وہ آپ کا حصہ تھا۔ جس سے ناراض ہوں فوراً چہرہ بتا دیتا تھا کہ اس سے قلب میں تکدرّ ہے۔ جس پر راضی ہوں اس پر مہربانی کی برسات برسا دیتے تھے۔

حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ بڑے مردم شناس تھے۔ ان میں تکبّر نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ البتہ وضع دار ضرور تھے۔ پوری زندگی وضع داری میں گزار دی۔ مرحوم بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ سالانہ آل پاکستان ختم نبوت کانفرنس چنیوٹ میں عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت کی دعوت پر آپ ضرور تشریف لاتے۔ ان کے خطاب کو بڑے احترام سے سنا جاتا۔ گھن گرج، جوش و خروش، ترنم و شاعری سے ان کا خطاب خالی ہوتا تھا۔ سادہ بے تکلف گفتگو کرتے تھے اور دل موہ لیتے تھے۔ ان کے رسالہ ''المنبر'' کے احتساب نے ربوہ کے قادیانیوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ المنبر کا ہر شمارہ قادیانیوں کے پاؤں کے نیچے زمین کو لوہے کے توے سے زیادہ گرم کر دیتا تھا۔ قادیانی تگنی کا ناچ ناچنے لگ جاتے اور اول فول پر اُتر آتے تھے۔ لیکن حکیم صاحبؒ نے کبھی ان کے اول فول کی پرواہ نہ کی۔ اپنا فرض ادا کئے گئے۔ دیانت داری کی بات ہے کہ حضرت مولانا محمد حسین بٹالویؒ اور حضرت

Marfat.com

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے بعد، قلمی طور پر اہلِ حدیث مکتب فکر سے حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کی خدمات تاریخ کا ایک سنہری باب ہیں۔ حکیم صاحبؒ تمام مکاتبِ فکر کے رہنماؤں کے قدر دان تھے۔ خود فقیر راقم الحروف چشم دید گواہ ہے کہ حضرت حکیم صاحبؒ نے جس طرح حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ، حضرت مولانا لال حسین اخترؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا دل و جان سے احترام کیا، اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی ہے۔

حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ ایک صاف دل و دماغ، اُجلی سیرت اور بلند کردار کے حامل انسان تھے۔ دھان پان جسم تھا۔ لکھنوی مزاج تھا۔ گفتگو میں احتیاط۔ ہر بول تول کر بولتے اور قدم پھونک کر رکھتے اور سوچ کر اٹھاتے تھے۔ ان کی مربوط گفتگو دل لبھانے والی ہوتی تھی۔ شہد سے میٹھی رسیلی گفتگو کرتے تھے۔ تکلف سے کوسوں دور ہونے کے باوجود اُجلا لباس ان کی وضع داری کی علامت یا شخصیت کی پہچان تھا۔ قراقلی ٹوپی، سفید لمبی داڑھی، نورانی چہرہ، سفید لباس، چلتے تھے تو علم کا وقار قائم ہوجاتا تھا۔ حق تعالیٰ مغفرت فرمائیں۔ کیا خوبیوں کے مالک تھے۔

مجالس میں اختلاف رائے کے جلال کو بھی فقیر نے دیکھا لیکن اس میں اپنے موقف کی حقانیت ضرور ہوتی تھی۔ کسی مسلمان کی دل آزاری نہ ہوتی تھی۔ آج مخاصمت و مجادلہ کے دور میں ان لوگوں کو تلاش کرنا مشکل اور بہت مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی آخرت کی مشکلات آسان فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں آسانیاں اور راحتیں دی تھیں۔ انہوں نے محنت کر کے رزقِ حلال کمایا اور مخلوقِ خدا اور امتِ مصطفیٰؐ کی خدمت کی۔ وہ دین کے سپاہی اور ملک کے پہرہ دار تھے۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے اپنے فرائض سے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمائیں۔ آمین!

Marfat.com

ولی اللہ

محمد سرور طارق ☆

کم وبیش 42 سال پرانی بات ہے شائد 1970ء کی۔ کارخانہ بازار فیصل آباد میں گھنٹہ گھر کے قریب، بعد نمازِ عشاء، انجمن شبانِ اہلحدیث کے زیر اہتمام ایک جلسہ عام کا اہتمام تھا جس میں سید ابوبکر غزنویؒ کا خطاب تھا۔ سید بادشاہ (برادر گرامی خالد سیف صاحب، محبت وعقیدت سے سید صاحب کو سید بادشاہ اور حکیم صاحب کو حکیم الامت کہا کرتے تھے۔) کے علم وفضل کا شہرہ تھا۔ بے شمار لوگ وقت سے پہلے جمع تھے۔ سٹیج پر مولانا محمد اسحٰق چیمہؒ، مولانا محمد یوسف انور اور کئی نام وَر ہستیاں جلوہ افروز تھیں۔ تلاوت، نظم اور ایک دو تقریروں کے بعد سٹیج سیکرٹری نے اعلان کیا کہ سامعین کرام اب پروفیسر ابوبکر غزنوی خطاب فرمائیں گے، لیکن سید صاحب کے خطاب سے قبل میں مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف سے درخواست کروں گا کہ سید ابوبکر غزنوی کا تعارف کروائیں۔ اُجلے سفید کپڑوں میں ملبوس حکیم صاحب کھڑے ہوئے۔ مختصر خطبہ مسنونہ کے بعد دو لمحوں کی خاموشی کے بعد حکیم صاحب گویا ہوئے: برصغیر کے مشہور علمی اور روحانی خاندان ''خاندان غزنویہ'' کے فرزند ارجمند پروفیسر ابوبکر غزنوی کے مقام ومرتبہ اور علم وفضل کی بابت کچھ کہہ کر اپنے منہ میں خاک نہیں ڈلوانا چاہتا۔ آپ خود محسوس کرلیں گے کہ سید صاحب کیا ہیں؟ حکیم صاحب کی یہ پہلی زیارت تھی۔ ان کے مختصر بامعنی جملے اور باوقار انداز آج تک لوحِ ذہن پر محفوظ ہے۔ خالد سیف صاحب نے بعد میں بتایا کہ حدیث پاک ہے کہ کسی کے منہ پر اس کی تعریف نہ کرو، یہی حکم حکیم

☆ ڈائریکٹر طارق اکیڈمی، فیصل آباد۔ مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''علم و آگہی'' فیصل آباد۔ حال مقیم لندن۔

Marfat.com

صاحب کے پیشِ نظر تھا...... بہر حال پہلی زیارت اور پہلی بات ایسی دل میں اتری کہ خاکسار ان دو عظیم شخصیتوں کی عقیدت کے سحر میں زندگی بھر کے لئے جکڑا گیا...... سید ابوبکر غزنویؒ کو اللہ رب العزت نے قدرتِ کلام، الفاظ و ترکیب کا دل نشین پیرایہ اور باوقار اندازِ خطابت کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ 48 سال اہلِ علم کو سنتے ہو گئے ہیں لیکن سید صاحب کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ سید صاحب کی شخصیت کے جلال و جمال اور خطابت کی گھن گرج کے دوران بار بار میری نگاہیں حکیم صاحب مرحوم کے چہرہ کی طرف اٹھتیں تو ہونٹ ہلتے دیکھ کر بڑا تعجب ہوتا کہ پتہ نہیں حکیم صاحب کیا یاد کر رہے ہیں؟ بعد ازاں یہ بھید کھلا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مقدس لَا یَزَالُ لِسَانُكَ رَطَبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ کی جیتی جاگتی تصویر حکیم عبدالرحیم اشرفؒ ہیں۔ جس طرح سید بادشاہ جیسا باوقار اور نپی تلی بامقصد گفتگو اور خطاب کرنے والا نظر نہ آیا، اسی طرح حکیم صاحب کے علاوہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سفر میں، حضر میں، ہر آن، ہر لحہ، اللہ کو یاد کرنے والے کسی عالمِ دین کی زیارت کا شرف حاصل نہ ہوا۔

حکیم صاحب کی شخصیت کا سحر عقیدت میں ڈھلتا، دل و دماغ پر حاوی ہوتا چلا گیا...... پتہ چلا محترم حکیم صاحب منشی محلّہ، امین پور بازار کی مسجد میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہیں۔ حکیم صاحب کی روحانی کشش کی کرشمہ سازی تھی کہ فیصل آباد میں ہوتے ہوئے شاذ و نادر ہی کہیں جمعہ ادا کیا ہو۔ حکیم صاحب کے خطبہ میں سوز و گداز بلکہ دل کی تپش چھائی رہتی تھی۔ حالات کی سنگینی اور تاریک پہلو پر اس کرب سے اظہار کرتے کہ سننے والا دکھی ہو کر لوٹتا لیکن ان کا اخلاص اور دردِ دل پھر سننے والوں کو منشی محلّہ پہنچا دیتا۔ حکیم صاحب کے خطبہ جمعہ کی ایک خاص ترکیب یوں تھی کہ ہمیشہ 10/15 منٹ تاخیر سے تشریف لاتے اور ہمیشہ فرماتے کہ آئندہ خطبہ وقت پر شروع ہوگا۔

ہمارے عزیز محترم ڈاکٹر افتخار فاروق (طویل عرصہ سے بیمار ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں شفاء عطا فرمائے) اور میں ہمیشہ حکیم صاحب مرحوم کے خطاب اور پروگراموں کی ٹوہ میں رہتے۔ اسی دوران حکیم صاحب نے اپنے ادارے جامعہ تعلیمات اسلامیہ میں 40 روزہ

Marfat.com

تربیتی پروگرام تشکیل دیا، شہر بھر میں بڑے بڑے پوسٹر لگا کر تشہیر کی گئی۔ خاکسار نے بھی نام لکھوایا اور جا پہنچے۔ اس دوران بڑے بڑے جلیل القدر صاحبانِ علم و فضل کی زیارت ہوئی جن میں سے مولانا عبدالغفار حسنؒ، مولانا محمد عبداللہؒ چھال والے اور مفتی زین العابدینؒ جیسی ہستیوں کے نام ابھی تک لوحِ ذہن پر محفوظ ہیں۔ رات کو سونے کے اوقات میں حکیم صاحب ہر متمنیٔ تربیت کی چارپائی پر چند منٹ کے لئے تشریف لے جاتے، کچھ پوچھتے، کچھ فرماتے...... روزانہ تربیتی نشست میں خود موجود ہوتے...... اصلاحِ معاشرہ کی بابت ان کا دردِ دل اور اخلاص، کوشش اور تڑپ بے مثال تھی۔

مختصر جسم کو اللہ تعالیٰ نے کتنی ہمت اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ان کا کام دیکھ کر انسان انگشت بدنداں اور حیرت زدہ رہ جاتا ہے...... سینکڑوں پمفلٹ، کتابچے، المنبر (کہتے ہیں یہ پہلے المنیر تھا، خاکسار نے نہیں دیکھا)، ماہنامہ راہنمائے صحت (طبی رسالہ)، ایک منفرد دینی ادارہ جامعہ تعلیمات، اس کی شاخیں، اشرف لیبارٹریز، طبی مشاورتی بورڈ، یہ ساری کرشمہ سازیاں اس روحانی بجلی گھر کی تھیں جس سے حکیم صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کا بہت گہرا رشتہ (کنکشن) جڑا ہوا تھا۔ حدیث قدسی ہے...... اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَإِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ عَيْنَهُ الَّتِىْ يَبْصُرُ بِهَا وَ اُذُنَهُ الَّتِىْ يَسْمَعُ بِهَا وَ يَدَهُ الَّتِىْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِىْ يَمْشِىْ بِهَا۔ (مجمع الزوائد: 3498)

میں جب اپنے بندے کو پسند کر لیتا ہوں تو میں اس کی وہ آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور وہ ٹانگ بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ چلتا ہے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ علماء کرام کو زندگی بھر دیکھا اور سنا لیکن ہر لمحہ، ہر آن اللہ کو یاد کرنے والا شاذ و نادر، بلکہ سچ یہ ہے کہ حکیم صاحب کے علاوہ کوئی نہیں دیکھا۔ کائنات کے مالک سے ان کا گہرا تعلق اور رشتہ توانائی بن کر ان کے فکر و نظر کو جگمگاتا۔

Marfat.com

اسی نور کی روشنی میں وہ ایک اکیلا فرد اتنا متحرک بلکہ مضطرب کہ اپنی ذات میں ایک انجمن اور ایک ادارہ سے بڑھ کر کئی اداروں کے برابر کارنامے انجام دے گیا...... اللہ تعالیٰ سے تعلق کے حوالہ سے عزیز گرامی سعید اقبال طاہر کا واقعہ سنئے!...... طاہر صاحب ماشاء اللہ فاضل مدینہ یونیورسٹی ہیں۔ یہ سعادت انہیں حکیم صاحب ہی کی شفقت سے نصیب ہوئی ...... مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کے لئے کاغذات بھجوانے کے سلسلے میں ایک بار حکیم صاحب عزیزی سعید اقبال کو لاہور ساتھ لے گئے۔ طاہر صاحب کہتے ہیں کہ دن بھر کی مصروفیات کے بعد شام کو کسی ہوٹل میں ٹھہرے۔ اسی کمرے میں میرا بستر بھی تھا۔ نئی جگہ عموماً جلد نیند نہیں آتی۔ حکیم صاحب نے تین چار بار فرمایا کہ سو جاؤ۔ میں آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا، کچھ کاغذات دیکھنے کے بعد لائٹ بند کر کے حکیم صاحب بھی لیٹ گئے۔ پھر کچھ دیر بعد میں نے دیکھا کہ حکیم صاحب نیت باندھے مصلے پر کھڑے ہیں۔ یہی وہ شب زندہ دار ہیں جن کی بابت قرآن مجید میں ارشاد ہے:

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ. (السجدہ (32):16)

ان کے پہلو اپنے بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ وہ اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

للّٰہیت اور تعلق باللہ کے حوالہ سے حکیم صاحب ولی اللہ تھے۔ اپنے دور کے سچے اور اصلی اولیاء سے ان کے بڑے گہرے مراسم تھے۔ عظیم بزرگ مولا بخش کوموںؒ اور خالد سیف صاحب کے دادا جیؒ کے چھوٹے بھائی حاجی احمد دینؒ کو کئی کئی دن اپنے ہاں رکھتے...... صوفی محمد عبداللہؒ، ماموں کانجن والے جیسی مشہور و معروف ہستی سے ان کی گہری عقیدت تھی۔ ان کے مدرسہ کی سالانہ کانفرنس پر تشریف لے جاتے۔ ایک سال ہم نے طارق اکیڈمی کی طرف سے بک سٹال لگایا، حکیم صاحب گھومتے گھماتے تشریف لائے، ایک

Marfat.com

کتاب ''سلوکِ سلیمانی'' خریدی، برادر گرامی خالد سیف کے اصرار کے باوجود اسے ہدیۃً نہ لیا بلکہ قیمت ادا کی...... خاکسار جس طرح آج کتب اور علم کی بابت تہی دامن ہے، اس وقت بالکل کورا تھا...... خالد سیف صاحب نے بتایا کہ یہ سید سلیمان ندویؒ جیسی عظیم ہستی کی تصوف و روحانیت کے موضوع پر کتاب ہے۔ اس سے حکیم صاحب کے ذوق اور محبت الٰہی کی حرارت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے...... بات بہت دور نکل گئی، حکیم صاحب لوگوں کی اصلاح، معاشرہ کی فکری و عملی حالت بہتر کرنے کی بابت بہت حساس تھے اور دردِ دل کے مالک۔ شہر میں یا ملک کے اندر کوئی فتنہ برپا ہوا، بے چین ہو ہو کر لوگوں کو ڈراتے، سمجھاتے، خوفِ الٰہی سے خبردار کرتے۔ 1972ء میں فیصل آباد میں دریائے چناب کی سمت سے سیلاب آیا جس کے سبب غلام محمد آباد کا کافی علاقہ زیر آب آ گیا۔ دوسری جانب سقوطِ ڈھاکہ کا سانحہ رونما ہو چکا تھا۔ جنرل نیازی نے ہتھیار ڈال دیئے تھے، ایسے میں حکیم صاحب مضطرب اور تڑپ تڑپ کر لوگوں کو آگاہ کرتے کہ یہ عذاب الٰہی ہے۔ لوگو! بچ جاؤ اور ڈر جاؤ۔ حکیم صاحب نے کئی رکشے کرایہ پر لئے۔ ان پر سپیکر باندھے، گلی گلی، بستی بستی، لوگوں کو حدیث پاک کی روشنی میں بتاتے کہ یہ عذاب الٰہی کے سے حالات ہیں، توبہ کرو گے تو بچ جاؤ گے۔ ایک رکشے پر خاکسار اور میرے عزیز ڈاکٹر افتخار فاروق کی ڈیوٹی تھی، حدیث مبارک یہ تھی:

لَمْ یَنْقُضُوا عَهْدَ اللّٰهِ وَ عَهْدَ رَسُوْلِهٖ اِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ عَدُوَّهُمْ فَاَخَذُوْا بَعْضَ مَا فِیْ اَیْدِیْهِمْ ۔ (شعب الایمان: 10550)

وہ اللہ او اران کے رسول سے کئے گئے عہد و پیماں توڑیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے دشمن کو ان پر مسلط کر دیں گے۔ یہ دشمن ان کی مملوکات میں سے کچھ ان سے چھین لیں گے۔

اسی دور کی یادوں میں یہ ذکر بھی ہو جائے کہ پی پی پی کا طوفانِ بلاخیز اسی دور کی یادگار ہے۔ بھٹو کے نظریات اور سوشلزم ہماری معیشت ہے، کے فریبی نعرہ سے ہر حساس مسلمان فکرمند تھا۔ شہر کے مخلص اور دردمندانِ قوم علماء کرام ہر ہفتے منٹگمری بازار مسجد میں

Marfat.com

جمع ہوتے، ایجنڈا اتیار کرتے، اسی کے مطابق شہر کی اکثر مساجد میں خطبہ دیا جاتا۔ سوشلزم کی تباہ کاریوں پر مشتمل پوسٹر شائع کر کے شہر بھر میں لگائے جاتے، حکیم صاحب اکثر ان مجالس میں تشریف فرما ہوتے۔ ان میں ان کی حاضری محض شرکت تک محدود نہ ہوتی تھی بلکہ ان کا کردار قومی معاملات میں انتہائی موثر ہوتا تھا۔ کون اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ قادیانی گروہ کو اُمت سے خارج کر کے اقلیت قرار دلوانے کی تحریک چلانے سے انجام تک پہنچانے میں حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کا کتنا حصہ ہے۔ خصوصاً قومی اسمبلی میں قادیانی گروہ کے عقائد، تعلیمات اور مکروہ عزائم کو دستاویز بنا کر پیش کرنے کا سہرا بہت حد تک انہی کے سر ہے۔ قادیانیت پر ان کی معلومات کا بے بہا خزانہ ''قادیانی غیر مسلم کیوں''؟ کتابی صورت میں کئی بار چھپ چکا ہے۔

محترم حکیم صاحب کی شخصیت اور عظمت کردار کے حوالہ سے ناچیز اس قابل نہیں کہ ان کے کارناموں کا احاطہ کر سکے۔ چند بھولی بسری یادیں محترم زاہد اشرف کے تعمیلِ ارشاد میں لکھ دی ہیں۔

برادرِ گرامی قدر جناب محمد خالد سیف صاحب بھی حکیم صاحب کی شخصیت، علم اور خصوصاً روحانیت سے متاثر تھے، حکیم صاحب بھی خالد سیف صاحب کی عربی دانی کی بدولت ان سے خاص شفقت فرماتے تھے۔ ادارہ علوم اثریہ اور الاخوان کے دور میں حکیم صاحب کی طرف سے عربی اخبارات و رسائل کا بنڈل ترجمہ کے لئے آتا۔ خالد سیف صاحب نشان زدہ مضامین کا ترجمہ کر کے بھیجتے رہتے...... عربی زبان سے ترجمہ کی جو صلاحیت اللہ تعالیٰ نے برادرِ گرامی خالد سیف صاحب کو ودیعت فرمائی ہے وہ بھی شاذ و نادر ہی کسی کے حصہ میں آئی ہو۔ ''مختصر سیرۃ الرسول ﷺ'' (مؤلفہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ) 400 صفحات کی کتاب، خالد سیف صاحب نے ایک ماہ کے مختصر عرصہ میں اردو کے قالب میں ڈھال دی تھی۔

محترم خالد سیف کی عربی دانی اور ضیاء الحقؒ کی اسلام سے محبت کے ضمن میں ایک اور اہم واقعہ بھی ہے۔ بلاشبہ ضیاء الحق مرحوم اسلامی نظام حکومت کے لئے دل و جان سے

Marfat.com

کوشاں تھے۔ خالد سیف صاحب کے بقول انہوں نے کئی اسلامی ممالک کے مروجہ قوانین اور دستور منگوائے، مشیران کرام کے کہنے کے مطابق مصر کا قانون انہیں زیادہ مناسب نظر آیا۔ ضیاء الحق چاہتے تھے کہ وہ فوراً اردو قالب میں ڈھل جائے تا کہ وہ اسے دیکھ سکیں۔ اردو ترجمہ کے لئے انہوں نے اسلامی نظریاتی کونسل سے رابطہ کیا۔ اس وقت چیئرمین غالباً جسٹس تنزیل الرحمٰن تھے یا شائد ڈاکٹر ہالے پوتا۔ انہوں نے کئی احباب سے رابطہ کیا۔ سب نے چھ ماہ سے زائد کی مہلت مانگی۔ خالد سیف صاحب سے ذکر کیا گیا تو انہوں نے ایک ماہ میں ترجمہ کی حامی بھر لی۔ جنرل ضیاء الحق کی بے چینی، بے صبری یا جنون ایک ماہ کی تاخیر کے لئے تیار نہ تھا۔ لہٰذا طے یہ پایا کہ خالد سیف صاحب کو روزانہ ایوانِ صدر سے ایک گاڑی لینے کے لئے آئے گی۔ سارا دن ایوانِ صدر میں ترجمہ ہوگا اور روز بروز ان کے روبرو پیش کر دیا جائے گا اور شام کو گاڑی واپس ان کے گھر چھوڑ جائے گی۔ قانون اور ترجمے کا کیا بنا؟ رموز مملکت ''خسرواں دانند''۔ حقیقت یہی ہے کہ اپنے اپنے اسلام اور فقہ کے تعصب نے قوم کو اس سنہری موقع سے فائدہ نہ اٹھانے دیا۔ اب نا معلوم ہم کب تک بھٹکتے رہیں گے؟

وطنِ عزیز میں اسلامی نظامِ زندگی قائم کرنے کا جذبہ، خواہش اور کوشش حکیم صاحب کی زندگی کا ایک روشن پہلو تھا۔ یہی جذبہ جماعتِ اسلامی کو چھوڑنے کا سبب تھا۔ ان کے نزدیک اصلاحِ فکر و نظر اور کردار سازی کے بغیر یہ خواب پورا ہونے کی امید نہ تھی۔ لہٰذا وہ ہمیشہ جوڑ توڑ کرتی مذہبی اور سیاسی جماعتوں سے دور رہے البتہ تحریک نظامِ مصطفیٰؐ کے ہراول دستہ میں شامل تھے۔ تب پوری کی پوری قوم ایک نظام اور حکومت کے خلاف اٹھ چکی تھی۔ میں نے ہمیشہ حکیم صاحب کو کچہری بازار کی جامع مسجد کے جلسوں اور جلوسوں میں شامل دیکھا۔ حکومت طوفانی اور ایمانی جذبوں کی تاب نہ لا سکی، لیکن افسوس صد افسوس کہ لیڈرانِ کرام نے قوم سے کبھی وفا نہ کی۔ مذہبی قیادت اور سیاسی دنیاوی کرّ و فر اور مفادات کے اسیر لیڈروں نے ہمیشہ دھوکا دیا۔

نادان گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا

Marfat.com

اور جو زیادہ چالاک تھے، ضیاء الحق مرحوم کو امیر المومنین بنانے میں مصروف ہو گئے۔ حالانکہ پورا ملک گواہ ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت جاری و قائم کرنے کے لئے اس سے موزوں اور اچھا وقت قوم کو نہ کبھی پہلے اور نہ بعد میں نصیب ہوا۔ حکیم صاحب کے جگری ساتھی مولانا محمد صدیق بلوچؒ اکثر پڑھا کرتے تھے۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے جب ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

حکیم صاحب کی بیسیوں تقریریں سنیں، خطبات سے فیض حاصل کیا، تحریریں پڑھیں لیکن کبھی ان کے ہاں شعر کا گزر نہیں ہوا۔ محترم خالد سیف ان کا اکلوتا عربی شعر اب بھی کبھی کبھی سنا کر محظوظ کرتے رہتے ہیں۔ جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ ''اگر گھر کا سربراہ طبلہ بجائے تو بچوں کو ناچنے گانے سے منع کرنا نامناسب ہے۔''

إِذَا كَانَ رَبُّ الْبَيْتِ بِالطَّبْلِ ضَارِباً
فَلَا تَلُمِ الصِّبْيَانَ فِيهِ عَلَى الرَّقْصِ

(المستطرف فی کل فن مستظرف)

بات پھر دور چلی گئی...... حکیم صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑا مقام و مرتبہ عطا فرمایا تھا۔ ضیاء الحق مرحوم کی دین داری اور اسلام سے وابستگی شک وشبہ سے بالاتر تھی۔ روایت ہے کہ مجلسِ شوریٰ میں بے شمار افراد حکیم صاحب کی نشان دہی پر منتخب کئے گئے تھے لیکن حکیم صاحب کی اپنی شانِ بے نیازی کچھ اتنی تھی کہ خود منظر سے غائب رہے۔ ضیاء الحق مرحوم حکیم صاحب سے کس قدر متاثر تھے، اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے:

ان دنوں ہمارے دوست سید خلیل شاہ، محکمہ فون میں سپروائزر تھے اور اکثر رات ہی کی ڈیوٹی کرتے تھے۔ ان دنوں ڈائریکٹ ڈائل کا رواج نہ تھا یا پھر اہم فون بذریعہ آپریٹر ہی ملائے جاتے تھے۔ شاہ صاحب نے بتایا کہ رات کو اکثر ضیاء الحق مرحوم کی کال، مَیں حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے لئے ملایا کرتا تھا۔

Marfat.com

اصلاحِ معاشرہ کے حوالہ سے حکیم صاحب کی کوششوں کا احاطہ بہت مشکل ہے۔ ملک میں کسی جگہ دینی نقطہ نظر سے نامناسب حرکت ہوتی، اپنے خطبہ جمعہ میں ضرور اس کا نوٹس لیتے۔ انہوں نے بھرپور زندگی گزاری، ان کے فکر و عمل سے نمو پانے والے کتنے کارہائے خیر ان کے درجات کی بلندی کا سبب بن رہے ہوں گے۔ ناچیز بھی ان کے لئے دعا گو ہے۔ اللہ کریم انہیں بے حساب اور بے کراں رحمتوں سے نوازے۔

دعا کے حوالہ سے یاد آیا کبھی کبھار خالد سیف صاحب کی ہمراہی میں بیت الشرف (حکیم صاحب کے گھر کا نام) حاضری کے لئے جانا ہوا تو پتہ چلا کہ نماز کے لئے مسجد جا چکے ہیں۔ ان کے گھر کے بالکل ساتھ دیوبندی مکتبِ فکر کی عظیم جامع مسجد ہے۔ نماز ادا کر کے دیکھا کہ پہلی صف میں تشریف فرما ہیں، نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر کتنی دیر دعا مانگتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ جنہیں مانگنے کی توفیق دیتا ہے تو اسے بے حساب نوازتا بھی ہے۔ حکیم صاحب انہی خوش نصیبوں میں سے تھے۔

مسلکوں اور فرقوں سے کوسوں دور، کبھی ان کے کسی خطبہ یا تقریر میں کسی فرقے کا ذکر نہیں سنا۔ خود خالص اہلحدیث مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی وسعتِ ظرفی اور مسلکی تنگ نظری سے متنفر طبیعت کے باعث ان کے ہم مسلک بھی اپنے پروگراموں سے، ان کے مقام و مرتبہ کو جانتے بوجھتے، انہیں دور رکھتے لیکن اُمتِ واحدہ کا عظیم نصب العین اور مشن رکھنے والے دانا حکیم نے کبھی ان کا نوٹس بھی نہیں لیا ہوگا۔ فرقہ واریت کے خوگر کتنے تنگ دل اور کم ظرف ہوتے ہیں، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے ہیں کہ 2001ء میں ہمارے ایک مہربان دوست قاری کلیم اللہ، سعودی عرب سے تشریف لائے، اللہ رب العزت نے انہیں مسجد نبویؐ میں قرآن مجید پڑھانے والوں میں شامل کر رکھا ہے۔ گزشتہ 37 سال سے مدینۃ الرسول ﷺ میں آباد ہیں۔ ان کا فیصل آباد کا زندگی کا پہلا اور غالباً آخری دورہ تھا۔ ان کی خواہش پر مختلف دینی اداروں کے وزٹ کے دوران ایک بڑے بلکہ بہت بڑے ادارے کے ذمہ دار بلکہ اہم ترین فرد نے مہمان گرامی کا تعارف سننے کے بعد پہلا

Marfat.com

سوال پوچھا کہ ان کا مسلک کیا ہے؟ جب انہیں پتہ چلا کہ ان کے ہم مسلک نہیں تو موصوف دین و اخلاق کے تمام تقاضوں کو ایک طرف رکھ کر اپنے دفتر تشریف لے گئے اور دوبارہ واپس نہ آئے، البتہ کسی طالب علم کے ہاتھ مشروبات بھجوا دیئے۔ فرقہ پرستی کا پہلا سبق ہی تعصب ہے جو ہر مسلک میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے:

شجر ہے فقہ آرائی، تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدمؑ کو

جنت سے تو نکل چکے اب دنیا میں بھی رسوائی کا ذریعہ یہی فرقہ پرست ہیں جنہوں نے اُمتِ مسلمہ کو پارہ پارہ کر رکھا ہے۔

حکیم صاحب کی شخصیت و خدمات کا تذکرہ مجھ ناچیز کے بس کی بات نہیں، ان کی عقیدت اور ان سے محبت سے معمور میری یادیں ہی میرا قیمتی سرمایہ ہے، جن سے اکثر روشنی حاصل کرتا رہتا ہوں۔ جذباتی جوانی کے دور میں کئی بار حکیم صاحب کے خطبہ جمعہ کے اقتباس نوٹ کیا کرتا تھا، نوٹ بک تو کہیں جوانی ہی کی طرح گم ہو چکی ہے لیکن ان کے الفاظ اور کچھ مفہوم لوحِ ذہن پر ابھی بھی کندہ ہے۔ یہ نقش امن و سکون، اسلامی معاشرہ اور اسلامی نظام کے خواہش مندوں کے لئے ماٹو کی حیثیت رکھتا ہے:

”دنیا نے دیکھ لیا کہ بے خدا سوشلسٹ نظام ملیا میٹ ہو گیا، اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام بھی اپنی موت آپ مر جائے گا۔ دنیا میں سکون، امن اور خوشحالی کی کوئی منزل خداشناسی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ خوفِ خدا رات کی تاریکیوں میں جرم سے باز رکھتا ہے۔ کسی کا حق مارنا، کسی کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنا، کسی کو نقصان پہنچانا غرضیکہ مثالی اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لئے پہلا اور آخری سہارا صرف اور صرف خوفِ خدا ہے۔ اسلام سے محبت کرنے والے ہر مسلمان کو دلوں میں خوفِ خدا کے بیج بونے چاہئیں۔ یہ فصل جتنی سرسبز و شاداب ہوگی، ملک اور ہم اتنے ہی خوشحال اور مستحکم ہوں گے۔“

Marfat.com

میرے مربّی، میرے محسن

عبدالرشید ارشد ☆

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ آتے گئے کارواں بنتا گیا

میرِ کارواں کون، کارواں والے کون، میں شعور کے ساتھ نہ جانتا تھا، باوجود اس حقیقت کے کہ میں نے میرِ کارواں کی ایک بے مثال کتاب اپنے نویں اور دسویں جماعت کے نصاب میں سبقاً سبقاً پڑھی تھی۔

میرے والد محترم مسلکاً دیو بندی تھے اور مولانا اشرف علی تھانویؒ سے عقیدت و احترام کا رشتہ استوار تھا۔ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ سے متاثر ہونے کے سبب گھر میں اکثر احرار کے راہنماؤں اور احرار کی سرگرمیوں کا تذکرہ ہوتا اور یوں جس طرح تسلسل سے گرنے والا قطرہ قطرہ زمین پر گہرا نشان بنا دیتا ہے، میرے قلب و ذہن پر احرار کا نشان کندہ ہو چکا تھا۔

1953ء میں، مَیں پنجاب کالج آف اینیمل ہسبنڈری میں زیرِ تعلیم تھا اور چند روزہ چھٹی پر فیصل آباد آیا ہوا تھا کہ جامع مسجد کچہری بازار میں تحریکِ ختمِ نبوت کے حوالے سے ایک جلسہ کا اعلان سنا۔ میں بھی پہنچ گیا۔ مسجد میں بڑی زوردار تقریر ہوئی اور خطیبِ شہر مولانا محمد یونسؒ کی سرکردگی میں 40 رضا کاران کا ایک جیش، رسالتؐ پر قربان ہونے کے لئے لاہور روانہ ہوا۔ بڑا جذباتی منظر تھا۔ میرا دل بھی شمولیت کے لئے مچل رہا تھا مگر ابا جان

☆ متعدد کتب کے مصنف۔ مضمون نگار۔ چیئرمین النور ٹرسٹ، جوہر آباد۔ ممتاز مفکر اور محقق۔

Marfat.com

کی اجازت ضروری تھی۔

میرا گھر لائل پور (فیصل آباد) سے 15 میل دور تھا۔ سائیکل دوڑائی اور والدہ محترمہ کی وساطت سے ابا جان سے اجازت طلب کی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر واقعتاً یہ ضرورت ہوتی تو میں تمہیں نہ روکتا کہ میں خود احراری ہوں۔ مگر میری ضد کو دیکھتے ہوئے انہوں نے مشروط اجازت دے دی کہ گولی سامنے دیکھ کر بھاگو گے نہیں اور جیل جاؤ گے تو معافی مانگو گے نہیں۔ اگلی صبح انہوں نے خود مجھے الوداع کہا۔

فیصل آباد سے دو مارچ 1953ء کو دوسرا قافلہ مولانا تاج محمود مرحوم کی سرکردگی میں لاہور روانہ ہوا۔ ریلوے سٹیشن پر الوداع کی فضا انتہائی جذباتی تھی۔ ختمِ نبوت کے نعرے لگ رہے تھے۔ گاڑی چلی تو منزل ذہن میں گھومنے لگی۔ لاٹھی گولی کی خبریں سب سن چکے تھے۔ سالاروالا ریلوے سٹیشن پر پہنچے تو پولیس والے ''استقبال'' کے لئے موجود تھے۔ وہ سالارِ قافلہ مولانا تاج محمود صاحبؒ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے اور رضا کاران مزاحمت کرتے ہوئے ریل کی پٹڑی پر انجن کے سامنے لیٹ گئے۔ پولیس نے تنگ آ کر یہ حربہ استعمال کیا کہ ہم آپ سب کو گرفتار کرتے ہیں اور یوں وہ سب کو ریلوے اسٹیشن سے باہر لے آئے۔ بعدازاں مولانا محترم کو ''احترام'' کے نام پر جیپ میں بٹھایا اور رفو چکر ہو گئے۔

شرکاءِ قافلہ رات کی گاڑی سے لاہور پہنچ گئے اور وہاں سے مسجد وزیر خان، جس کے متعلق پہلے سے سب کو سمجھا دیا گیا تھا۔ مسجد وزیر خان میں علماءِ کرام تقاریر کرتے رہے، ان میں مولانا ضیاء القاسمیؒ اور مولانا عبدالستار نیازیؒ ہمہ پہلو نمایاں تھے۔ رضا کاران ٹولیوں کی شکل میں بڑے منظم طریقے سے احتجاج کے لئے جاتے۔ کبھی پولیس کی لاٹھیاں کھا کر، اور کبھی گولی کھا کر زخمی یا شہید ہو کر مسجد واپس آتے۔ شہداء کو اکثر پولیس ہی غائب کرتی۔ ایک شہید کی میت پر رات بھر پہرہ دینے کی سعادت مسجد وزیر خاں میں میرے حصہ میں آئی۔ کئی راتیں چھت پر پہرہ دیا۔

26 مارچ 1953ء کو مارشل لاء لگ گیا تو فوج نے ''مسجد وزیر خاں کا قلعہ'' فتح

Marfat.com

کرنے کے لئے مسجد کی بجلی اور پانی کو علی الصبح نمازِ فجر کے دوران منقطع کر دیا تھا۔ رضا کاران کا کھانا اور دیگیں اٹھا کر لے گئے۔ شام تک مسجد کے بند دروازوں کے پیچھے عجیب ہیجانی کیفیت تھی۔ مسجد کے اردگرد اونچی عمارتوں پر فوجی جوان، مسجد کے صحن کو نشانے کی زد پر رکھے مشین گنیں تانے کھڑے تھے۔ انتظامیہ سے مذاکرات کے نتیجے میں رات کو سب نے گرفتاری پیش کر دی۔ فوجی ٹرکوں میں 510 یا 610 رضا کاران کو ٹھونس کر ایک جیل میں پہنچا دیا گیا۔ صبح معلوم ہوا کہ یہ بورسٹل جیل لاہور ہے۔

بورسٹل جیل لاہور میں 26 روز تک بھوک، پیاس اور کوٹھڑی کے اندر پیشاب کی مجبوری سے بے حال، نقاہت کے مارے رضا کاران کا کورٹ مارشل ہوا۔ انصاف کی ''بالادستی'' کا خیال رکھتے ہوئے ایک ہی جرم کے مجرموں کو 6 ماہ سے ایک سال تک کی قید بامشقت سنائی گئی اور دو دو کی جوڑی کو ہتھکڑیوں میں جکڑ کر لاہور سینٹرل جیل (موجودہ شادمان کالونی) کی کھڑکی سے اندر دھکیل دیا گیا۔ اس ''وسیع و عریض دنیا'' میں ''آب و ہوا تبدیل ہوئی''، کھانے کو ''اچھا'' ملا اور مونج کوٹنے اور بٹنے کو ملی تو باہر سے ملاقات کی صورت بھی پیدا ہوئی۔

اسی دوران ہمارے مذکورہ میرِ کارواں کو قادیانی مسئلہ نامی کتابچہ لکھنے کے جرم میں سزائے موت سنائی گئی مگر وہ احرار کی آنکھ کا تارا نہ ہونے کے سبب کسی کی توجہ کا مرکز نہ بنا۔ احراری رضا کاران میں سے کسی کو کوئی دکھ نہ تھا۔ ایک دو روز بعد ہی ہماری آنکھ کے تارے مولانا عبدالستار نیازی صاحبؒ کو سزائے موت سنائی گئی تو سب بے چین ہو گئے کہ وہ تحریک کے ہیرو تھے۔ رات کو ختمِ نبوت کے رضا کاران نے مل کر نیازی صاحبؒ کی زندگی کے لئے ایک لاکھ آیت کریمہ کا وِرد مکمل کیا۔

جب مولانا عبدالستار خان نیازی مرحوم کو پھانسی کی کوٹھڑی میں بند کرنے لے جا رہے تھے تو اُن کی نظر وہیں ایک کوٹھی میں بند ''میرِ کارواں'' پر پڑی تو انہوں نے بڑی گرج دار آواز میں، جو نیازیوں کی روایت ہے، کہا کہ ''مولانا! یہ مجھے نہیں لٹکا سکتے، آپ تو

Marfat.com

بہت عظیم ہیں۔'' جب یہ بات میرے کانوں تک پہنچی کہ جسے میں عظیم قائد تسلیم کیے بیٹھا ہوں، اس کی نظروں میں کوئی اور اس سے بھی عظیم ہے، تو سوچ نے کروٹ بدلی۔ اِدھر اُدھر سے معلوم ہوا کہ یہ عظیم انسان سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ہیں، جماعتِ اسلامی کے میرِ کارواں۔

دو دن بعد بیرک میں تلاوتِ قرآن میں مصروف تھا تو کسی قیدی نے بتایا کہ بیرک سے ملحقہ ہسپتال کے جنگلے کے اس طرف مولانا مودودیؒ کھڑے ہیں۔ میں نے قرآن پاک بند کیا اور اس شخص کو دیکھنے کے لئے دوڑ لگائی، جسے میں نے کبھی اچھا نہ سمجھا تھا، باوجود اس کی اچھی کتاب پڑھنے کے۔ جنگلے کے پاس پہنچا تو 25، 30 قیدی جمع تھے۔ مجھ پر ان کا احسان کہ مجھے انہوں نے جگہ دی اور مَیں بالکل مولانا مودودیؒ کے سامنے پہنچ گیا۔

جنگلے کے دوسری طرف سے ہاتھ آگے بڑھا، جسے مَیں نے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ نرم و ملائم ہاتھ، ہاتھ میں آیا تو دزدیدہ نگاہ چہرے کی طرف اٹھی۔ اندر سے آواز آئی کہ تم نے پہچاننے میں بہت دیر لگا دی۔ یہ شخص جھوٹ نہیں بول سکتا اور میں اُلجھ گیا۔ کب میرے ہاتھ سے وہ ہاتھ نکلا اور کب لوگ وہاں سے چلے گئے، کچھ خبر نہ ہوئی۔ جب سحر ٹوٹا تو مَیں وہاں کھڑا تھا۔ بوجھل قدموں سے واپس آیا۔ نورانی چہرہ میرے قلب و ذہن کی اتھاہ گہرائیوں میں جگہ بنا چکا تھا۔ ملاقات کے لئے بے تابی بڑھ گئی تھی۔

جیل میں میری مشقت ایک کلو مونج سے رسّی تیار کرنا تھی۔ ہم دو ساتھی تھے۔ میرا ساتھی مجھے مونج سیدھی کر کے پکڑواتا جاتا اور میں اپنی اور اس کی دو کلو رسّی بٹتا۔ رسّی بٹنے کے دوران درود شریف اور دوسرے اذکار ہمارا سہارا بنتے۔ ہاتھوں سے بہتے خون پر کبھی ملال نہ ہوا۔ پھر ایک روز کم و بیش چار ماہ بعد ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ شیخ فرحت الٰہی مجھے ڈھونڈتے آ نکلے کہ تمہاری سفارش آئی ہے۔ آج سے تم کلرک ہو اور پھانسی والوں کی ''اُڑدی'' لگایا کرو (یعنی صبح و شام کوٹھڑیوں کی تبدیلی) اُڑدی لگانے کی آزادی کا یہ فائدہ ہوا کہ جیل کے ہر حصے میں آنے جانے کی آزادی مل گئی۔

اب بی کلاس میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا عبدالستار خان نیازیؒ،

Marfat.com

غازی سراج الدین منیر، مولانا اختر علی وغیرھم اور دیوانی احاطہ میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، تاج الدین انصاری صاحبؒ اور دیگر احرار راہنماؤں سے ملاقاتوں کی سہولت مقدر بن گئی اور ان زعماء کی صحبت میں وقت گزارنے، ان کے افکار سے راہنمائی کی نعمت سے استفادہ کرنے کی صورت پیدا ہوگئی، جو باہر آزاد فضا میں کبھی ممکن نہ تھی۔

ان بزرگوں کی صحبت میں چند ماہ ہی گزرے تھے کہ ایک روز جیل کی ڈیوڑھی میں ختم نبوت کے آٹھ قیدیوں کو بُلا کر پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا کر بمعہ ایک ایک ٹین کے، جو کم وبیش ہر قیدی کا اثاثہ تھا کہ اس میں ''ملاقات'' کے ذریعے باہر سے آنے والا راشن تھا، لاہور ریلوے سٹیشن پر لا بٹھایا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ لوگ داڑھیوں کے ساتھ لگی بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کو تعجب سے دیکھتے اور مسکراتے اِدھر اُدھر گھوم رہے تھے۔ ہماری پریشانی اپنی جگہ، کہ لوگ نہ جانے ہمیں کس طرح کے خطرناک مجرم سمجھتے ہوں گے۔ البتہ ہمیں اس بات پر بہت ہی اطمینان تھا کہ آج ہم اسلاف کی سنت میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنے تحفظِ ناموسِ رسالت کے مجرم ہیں۔ گاڑی آئی، جس میں بیڑیوں کی جھنکار اور عادی نہ ہونے کے سبب بدقت سوار ہوئے۔ غروبِ آفتاب کے کافی دیر بعد منزل پر اُترے تو معلوم ہوا کہ یہ لائل پور (فیصل آباد) ہے۔ ریلوے اسٹیشن سے ڈسٹرکٹ جیل لے جایا گیا اور رات اذیّت سے کٹی کہ جونہی پہلو بدلتے، بیڑی اُلجھ جاتی۔ ٹخنوں کے قریب زخم ہوگئے تھے۔ صبح آخری ٹیسیں اس وقت اٹھیں جب بیڑیاں کھولی جا رہی تھیں۔

فیصل آباد جیل میں دو تین دن کی گھٹن کے بعد پَر پُرزے نکالے تو ایک روز ''طلوعِ اسلام'' کے دو تین پرچے ہاتھ لگے اور اتفاق یہ کہ ان میں جماعتِ اسلامی کی خبر لی گئی تھی۔ تحریر یقیناً زور دار تھی، جس نے میرے مبلغِ علم اور مولانا مودودیؒ سے نئی نئی عقیدت کی چولیں ڈھیلی کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ میں، ''جائے ماندن نہ پائے رفتن'' کی کیفیت میں تھا۔

Marfat.com

ایک قیدی سے معلوم ہوا کہ یہاں ختمِ نبوت کے دو بڑے مولوی بھی جیل کی مغربی سمت الگ جگہ بند ہیں۔ میں نے ''طلوعِ اسلام'' ہاتھ میں پکڑا اور بغیر کسی تعارف و شناسائی کے ان کے پاس پہنچ گیا۔ سلام عرض کیا اور اپنا مقصد ان کے سامنے رکھا۔ انہوں نے ''طلوعِ اسلام'' کے ایڈیٹر اور مشن سے مجھے آگاہ کیا۔ مجھ سے کچھ پوچھا کہ کون ہو؟ کیا کرتا رہا ہوں وغیرہ وغیرہ۔

دوسرے دن میں پھر جا دھمکا اور ''طلوعِ اسلام'' میں بعض حوالوں کی تشریح چاہی تو انہوں نے خندہ پیشانی سے بڑی محبت و اپنائیت کے ساتھ سمجھایا کہ جیل کی مجبوری کے سبب اصل کتب دستیاب نہیں ہیں کہ ان حوالوں کے سیاق و سباق سے اصل حقیقت سامنے آئے، مگر اصول کے طور پر سمجھ لینے کی بات یہ ہے کہ کسی بھی مربوط تحریر سے چند جملے الگ کر کے کسی کو بھی گمراہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً لَا تَقْرَبُوْا الصَّلٰوۃَ، نماز کے قریب نہ جاؤ۔

مذکورہ دونوں بزرگوں کی صحبت جب معمول بن گئی اور بے تکلفی سی ہوگئی تو تعارف کی خواہش ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں حضرات میرِ کارواں کے کاروان کے دو سالار ہیں۔ حکیم عبدالرحیم اشرف صاحبؒ اور چوہدری محمد احمد۔ میرِ کارواں بھی خوب اور ارکانِ کارواں بھی خوب۔ ملاقاتوں میں ''طلوعِ اسلام'' کے کانٹے بھی انہوں نے چُنے اور جماعتِ اسلامی کے گرد و پیش پھیلے اعتراضات پر بھی دلائل کے ساتھ روشنی ڈالی۔ چھوٹے چھوٹے کتابچے پڑھنے کو دیئے تو میرِ کارواں اور اس کے کارواں کی عظمت کا اندازہ ہوا کہ ؎

کچھ ایسے بھی مسافر ہیں خود جن کے لئے برسوں
راہیں بھی ترستی ہیں منزل بھی ترستی ہے

حکیم عبدالرحیم اشرف صاحبؒ اور چودھری محمد احمد دونوں ہی میرے مربی و محسن ہیں کہ انہوں نے میرے دینی شعور کی بنیاد درست کر دی اور ہر کوئی جانتا ہے کہ بنیاد درست ہو تو دیوار بھی بہتر استوار ہوتی ہے اور معمارِ کج، بنیاد کو ہی ٹیڑھا کر دے تو اس پر بنی ہوئی دیوار کو سیدھا کرنا بھی ممکن نہیں رہتا۔

Marfat.com

اکتوبر 1953ء کی ایک شام قطعاً خلاف توقع، ایک محسن کے کہنے پر سپرنٹنڈنٹ جیل نے تین روز کی معافی دے کر مجھے جیل کی کھڑکی سے باہر کر دیا اور میں بڑھی داڑھی کے ساتھ ہاتھ میں ٹین پکڑے مغرب اور عشاء کے درمیان جب اپنے گھر میں داخل ہوا تو باروچی خانے سے آواز آ رہی تھی کہ صبح ملاقات کے لئے جاتے وقت شکر قندی ضرور رکھ لینا کہ اسے یہ بہت پسند ہے۔ اسی بات کے ساتھ ہی مَیں السلام علیکم کے ساتھ اندر داخل ہوا تو گھر کا ہر فرد مجھے اور میرے حلیے کو دیکھ کر حیران تھا۔ ممتا ساتھ چمٹائے واری صدقے ہو رہی تھی۔

اسی دوران حکیم عبدالرحیم اشرف صاحبؒ اور چودھری محمد احمد بھی جیل سے رہا ہو گئے۔ آزاد فضا میں ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ حکیم صاحب محترم اپنے ایک دوست چودھری عبدالحمید کے اشتراک سے اشرف لیبارٹریز کو سیٹ کر رہے تھے۔ ان کے مصروف وقت سے مجھے جماعتِ اسلامی کو سمجھنے کا وقت مل جاتا اور یوں جماعت کی سمت میرا سفر قدم قدم جاری رہا، مگر گھر میں احرار کے اثرات کے سبب جماعت کا نام لینا مشکل سا تھا اور اعتراض صرف ایک ہی تھا کہ ہمارے علماء کے نزدیک ان کی دینی فکر درست نہیں ہے۔

آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ انہی دو بزرگوں کی راہنمائی اور ملاقات نے والد صاحب محترم کو قائل کر لیا اور میرے چک میں جب پہلا جماعتی نظم قائم ہوا تو ابا جان ناظم قرار پائے۔ یہ نظم ہمارے وہاں سے جوہر آباد ہجرت کرنے پر ختم ہو گیا، مگر نئی جگہ وہ اثرات بدستور ساتھ رہے اور جوہر آباد کا مستقل قیام، ان اثرات کو تسلسل کے ساتھ آگے بڑھاتا رہا، تاآنکہ ہم دو بھائی جماعتِ اسلامی کی رکنیت کے اہل قرار پائے۔ الحمدللہ......

حکیم عبدالرحیم اشرفؒ محض حکیم نہ تھے، عالمِ دین تھے اور جماعتی ماحول نے ان کی فکر میں نکھار پیدا کیا تھا۔ انسانوں کے گروہ فکری بنیادوں پر استوار ہوں یا برادری اور دیگر سماجی معاشرتی بنیادوں پر، اختلاف رائے ہر دور کے انسان کا حق رہا ہے اور بسا اوقات اختلاف رائے برسوں کی رفاقت کے باوجود راہیں الگ کروا دیتا ہے۔ یہی صورتِ حال جماعتِ اسلامی کے اندر بھی پیدا ہوئی تو حکیم عبدالرحیم اشرفؒ جماعتِ

Marfat.com

اسلامی سے الگ ہو گئے اور انہوں نے اپنی فکر کی ترویج کے لئے المنبر اور ایک دارالعلوم کا سہارا لیا، جسے پروان چڑھانے کے لئے ان کی محنت دیدنی تھی۔ان کی مصروفیات ہمہ جہت تھیں کہ مطب و لیبارٹریز، المنبر اور جامعہ، ہر شعبہ کا حق ادا کرتے وہ اپنے خالق کی بارگاہ میں عمدہ اعمال کا سرمایہ لئے حاضر ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

مَیں جب بھی اشرف لیبارٹریز کا اشتہار دیکھتا ہوں یا فیصل آباد میں ان کے دفتر کے قریب سے گزر ہوتا ہے تو حکیم عبدالرحیم اشرفؒ اپنی تمام تر شفقت کے ساتھ بہت یاد آتے ہیں۔گزرے ماضی کے واقعات کی فلم ذہن کی سکرین پر رواں ہو جاتی ہے۔ یہ بھی اتفاق ہے کہ اختلافِ رائے حکیم صاحب کو پرانے رفقاء سے الگ راہوں پر لے گیا تو مجھے بھی، میری دلیل بازی پر، جماعت کی نوعمر قیادت برداشت نہ کر سکی، پھر بقول ابن انشاء ''چل بے نکل، اسلام کے دائرہ سے باہر'' جماعت سے ''سرپلس'' قرار دے دیا اور اس ''حادثہ'' کے صدمے کو اللہ رب العزت کے اس فرمان نے ختم کیا کہ'' عَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌلَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ شَرٌّلَّکُمْ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ میرے قلب و ذہن میں جو تصویر بنتی ہے وہ یہ ہے کہ جماعت کے نظم میں رہ کر شاید حکیم صاحب کے لئے وہ کام ممکن نہ ہوتا جو عظیم کام وہ کر گئے اور اسی طرح میرے رب نے میری علمی کم مائیگی کے باوجود مجھ سے اپنے دین کے دشمنوں کی سرکوبی کے محاذ پر جو خدمت لے لی وہ جماعت کے اندر رہتے ممکن نہ ہوتی کہ نوجوان قیادت کی جماعتِ اسلامی، سید مودودیؒ کی جماعتِ اسلامی سے بہت مختلف ہے۔میرے اس عظیم کام میں میرے مربّی، میرے محسن، حکیم عبدالرحیم اشرف صاحبؒ کا بہت حصہ ہے کہ بنیاد کی پہلی درست اینٹ، انہوں نے ہی چودھری محمد احمد صاحب کی رفاقت میں رکھی تھی۔الحمدللہ۔

Marfat.com

نفاذِ اسلام کی خواہش مند ایک عہد ساز شخصیت

حافظ احمد شاکر ☆

دیکھنے میں بظاہر میانہ قد لیکن عمل و کردار میں بلند قامت، کشادہ پیشانی، روشن چہرہ، چمک دار، متحرک اور ذہانت کی غماز آنکھیں، ان پرخوب صورت نفیس چشمہ، اجلا اور صاف شرعی لباس، دھیمی آواز، کلمہ حق کہنے سے متصف شیریں زبان، رائے میں استحکام اور اظہار میں جراَتِ مومنانہ کے حامل، یہ تھے ہمارے ممدوح مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ، جنہوں نے علومِ قرآن وحدیث محترم مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کر کے گاؤں ...... ویرووال (ضلع امرتسر) سے حاصل کیے اور اپنے گاؤں ہی سے خطبہ جمعۃ المبارک کی صورت میں دعوتِ دین کا آغاز کیا۔

حکیم صاحب رحمہ اللہ کا آبائی وطن ویرووال ضلع امرتسر تھا جو (درس نظامی کے مدارس میں اس وطنی نسبت کے تناظر میں) دارالقرآن فیصل آباد کے بانی و شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ ویرووالوی رحمہ اللہ کے حوالے سے معروف ہوا۔ حکیم صاحب رحمہ اللہ بھی مولانا ہی کے تلمیذ اور فیض یافتہ تھے۔ حکیم صاحب ابتداء ہی سے عامل بالحدیث تھے اور آخر تک رہے۔ اگرچہ عملاً وہ حزبیتِ اہل حدیث کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ وہ قرآنی نسبت "سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ" کو پسند کرتے تھے اور اسی کو انہوں نے اختیار بھی کیے رکھا۔

ویرووال میں چونکہ ہماری قریبی عزیز داری تھی اس لیے والد صاحب رحمہ اللہ ...... مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی ...... کا وہاں آنا جانا رہتا تھا اور وہیں والد صاحب اور حکیم

☆ مدیر مسئول ہفت روزہ اعتصام۔ لاہور

Marfat.com

صاحب رحمۃ اللہ میں باہمی تعارف بلکہ محبت و اخلاص کا تعلق قائم ہو گیا جو آخر دم تک رہا۔ حکیم صاحب کے ہمارے گھر میں تشریف لانے کے دوران ہلکی پھلکی خدمات کا مجھے شرف بھی حاصل رہا۔ ان کے درمیان باہمی دلچسپ علمی و سیاسی نوک جھونک بھی رہتی جس کو مخالفت نہیں کہا جا سکتا۔ کبھی کبھار حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ کی غیبوبت میں بھی ان کا ذکر فرماتے۔

ان کی ساری زندگی اس شعر کا مصداق رہی ؎

مری زندگی کا مقصد، ترے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں، میں اسی لیے نمازی

چنانچہ حکیم صاحب رحمۃ اللہ کے تفصیلی حالات ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ دعوتِ دین ہی ان کی زندگی کا مشن رہا۔

☆ دعوت کے جذبۂ پنہاں، اصلاحِ اُمت اور اقامتِ دین کی سلگتی راکھ اور تڑپتی چنگاریوں کے ساتھ جماعت اسلامی کی رکنیت کے سارے تدریجی مراحل طے کر کے رکنیت تک پہنچ بھی گئے اور جماعت کے بعض دعوتی و تنظیمی عہدوں پر خدمات بھی انجام دیتے رہے لیکن جب جماعت کی پاتال تک جا کر بھی غلبۂ اسلام اور اصلاحِ اُمت کے خوابوں کی تعبیر ان کو نہ مل سکی تو پھر ماچھی گوٹھ (ضلع رحیم یار خاں) میں اپنا دامن ......جو پہلے ہی صاف تھا...... جھاڑ کر جماعت کے انسلاک اور تنظیمی تعلق کو خیر باد کہہ کر آ گئے۔

☆ قیامِ پاکستان سے قبل اپنے وطنِ مالوف ویرووال میں خطبہ جمعہ بھی دیتے رہے اور وہاں کے مدرسہ عربیہ شمسیہ میں درسِ نظامی کے نصاب کی تدریس بھی فرماتے رہے۔ نیز مسلمانوں کے اجتماعات کے علاوہ ہندوؤں، سکھوں کے میلوں اور تہواروں میں جرأت و جذبے سے دعوتِ اسلام بھی دیتے رہے۔

☆ پاکستان آنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی ردِّ قادیانیت پر وہ دروس، خطابات اور

Marfat.com

تقریریں اس طرح کرتے رہے کہ ردِ قادیانیت ان کی زندگی کا حصہ ہی بن گیا۔ یہی وجہ تھی کہ پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد میں ان کی محنت و جانفشانی خصوصاً اس موضوع پر ان کے علمی مواد کی فراہمی نے اہم کردار ادا کیا۔

☆ جماعت اسلامی کے ساتھ منسلک رہتے ہوئے ۱۹۵۸ء تک وہ جماعت میں دعوتِ دین میں مشغول رہے اور وطنِ عزیز میں نظامِ اسلام کی کوششوں میں کوشاں رہے۔

☆ پاکستان آنے کے بعد جامع مسجد منشی محلّہ میں ۳۰ سال مستقل خطبہ دینے کے علاوہ فیصل آباد کی مختلف مساجد اور تعلیمی اداروں میں درسِ قرآن ارشاد فرماتے رہے، نیز چنیوٹ ، راولپنڈی اور لاہور میں ہفتہ وار اور ماہانہ درسِ قرآن کے ذریعے انہوں نے دین کی جوت جلائے رکھی۔

☆ قیامِ پاکستان سے قبل ہندوستانی سیاست میں تحریکِ خلافت اور پاکستان آ کر تحریکِ ختمِ نبوت (۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء)، تحریکِ نظامِ مصطفیٰؐ اور تحریکِ استحکام پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔

☆ مسلم اُمہ کی عالمی سیاست سے آگاہ رہنے اور مسلم اُمہ کی خدمت کے جذبے کے باعث مؤتمر عالم اسلامی اور رابطہ عالم اسلامی سے رابطہ قائم کر کے وحدتِ اُمت کی شمع کو قیمتی وقت دے کر روشن رکھنے میں ہر ممکن کوشش میں معاون رہے۔

☆ ایسے ہی حسبِ فرصت ان کی تصنیفی خدمات کو بہ قامت کہتر لیکن بہ قیمت بہتر کہا جا سکتا ہے۔

☆ اوائل عمر ہی سے صحافتی میدان میں بھی انہوں نے قدم رکھ دیا اور اپنے وطن مالوف ویرووال ہی سے ماہنامہ اشاعۃ السنۃ کا اجراء کر دیا تھا۔

نیز قیامِ پاکستان کے دوران ہندوستانی اخبارات میں ''مبصر ویروال'' کے نام سے لکھتے رہے۔ پاکستان آ کر انہوں نے ایک دینی ہفتہ وار جریدہ ''المنیر'' کی ادارت کی پھر انہوں نے

Marfat.com

ایک نقطے کا فرق ڈال کر اس کو "المنبر" بنا دیا جو بلاشبہ مذہبی و دینی صحافت میں اتفاق واتحاد اور وحدتِ اُمہ کا داعی رہا اور بفضلہٖ تعالیٰ ان کے اخلاف اب تک المنبر کو حکیم صاحب رحمہ اللہ کے خطوط پر جاری رکھے ہوئے ہیں۔

....

طبِ اسلامی میں ان کی خدمات مثبت اور منفرد قسم کی ہیں خصوصاً:

☆ حج مشن میں اطباء کی شمولیت ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

☆ ایسے ہی تمام اطباء کی رجسٹریشن کے لئے فعال کردار ادا کرنا اور معاشرے میں ان کا مقام دلانا بھی اسی فنِ شریف کی کم خدمت نہیں۔

☆ فیصل آباد میں طبیہ کالج کا قیام اہل فیصل آباد کے لیے ایک نعمت ہے جس کا کریڈٹ بھی حکیم صاحب ہی کو جاتا ہے۔

☆ اشرف لیبارٹریز کے نام سے اہل پاکستان کے لیے دیسی ادوویات کی تیاری اور دور دراز مقامات میں خالص ادویات کی فراہمی کا وسیع سلسلہ بھی ان کی طبی خدمات کا روشن باب ہے۔

....

دینی مدارس کے طلبہ کے لیے ان کے ذہن میں زبانوں عربی، اردو، انگریزی...... میں مہارت، مختلف فیہ مسائلِ فقہیہ میں برداشت و رواداری کا رویہ اختیار کرنے، علومِ قرآن و سنت کی غواصی اور ان میں تجرّ و تمسک بالکتاب والسنۃ کے تفوّق کا وسیع خاکہ تھا جس میں رنگ بھرنے کے لیے انہوں نے جامعہ تعلیمات اسلامیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ جیسے سلاطینِ علم اس کے بانیوں میں سے تھے اور طلبہ کو حدیثِ پاک کے درس سے فیض یاب کرتے رہے۔ اس ساری جدوجہد میں دعوت الی اللہ کا وہ جذبہ تھا جس کے لیے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے اپنی عمر بِتا دی تھی اور جس کے لیے وہ ہر صاحبِ درد کے دل پر دستک دینے کے لیے پہنچتے رہے۔

Marfat.com

گویا کہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کی حیاتِ مستعار نظامِ اسلامی کے نفاذ، اتحادِ اُمت کی تڑپ اور انسانیت کی فلاح کے گرد ہی گھومتی رہی۔

اختلاف رائے کا حق سب کو ہے لیکن جنرل ضیاء الحق رحمہ اللہ کی نفاذِ اسلام کی مساعی میں ان کے ایک اہم اور بے لوث مشیر حکیم صاحب رحمہ اللہ تھے لیکن بالکل پس منظر میں رہ کر اور کامل اخلاص کے ساتھ اور بغیر کسی دنیوی عہدے اور مقام کے۔

جنرل مرحوم کو نظامِ اسلامی میں جب شہادت اور قضاء کی اہمیت بتائی گئی تو انہوں نے اسلامی نظریاتی کونسل کو قانونِ شہادت پر سیر حاصل بحث کرنے کے لیے کہا۔ نظریاتی کونسل کے ایک فاضل رکن جناب عبدالمالک عرفانی ایڈووکیٹ نے اس پر بہت محنت سے الگ کتاب ''اسلام میں قانون شہادت'' بھی مرتب کی۔ انہی دنوں والد گرامی مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ بھی اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن تھے۔ کونسل کے ممبران میں سابق اٹارنی جنرل شیخ غیاث الدین جیسے مستند قانون دان بھی شامل تھے۔ محترم عرفانی صاحب اور محترم جناب شیخ غیاث الدین مشورہ کے لیے ہمارے گھر بھی تشریف لائے اور والد صاحب رحمہ اللہ بھی ان کے ہاں جاتے رہے کہ اس وقت نظامِ اسلامی کے نفاذ کے لیے سارے ارکانِ اسلامی نظریاتی کونسل نہایت مخلص اور یکسو تھے۔

جنرل مرحوم کو نظامِ اسلامی کے لیے دوسری ضرورت نظامِ قضاۃ بتائی گئی تو اس دور میں ایک قاضی کورس ترتیب دینا طے پایا جس کی ذمہ داری علماء کے سپرد کی گئی۔ اس سلسلہ میں بھی حکیم صاحب رحمہ اللہ کی مساعی ان تھک رہیں۔ پاکستان بھر کے مختلف شہروں کے مدارس اور تعلیمی اداروں میں قاضی کلاس کے قیام میں مرحوم حکیم صاحب کی دلچسپی غیر معمولی اس لیے رہی کہ نظامِ اسلامی کا قیام ان کی زندگی کا واحد مشن تھا۔

....

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے ۱۹۸۰ء میں حرم مکی (زادہ الله شرفا و تعظیما و تکریما) کی پہلی زیارت نصیب فرمائی تو اس سفر میں میرے بزرگ اور شفیق دوست حافظ

Marfat.com

عبدالغفور جہلمی رحمہ اللہ کے توسط سے شیخ الاسلام علامہ ابن باز رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً کی زیارت بھی حاصل ہوگئی، تو شیخ رحمہ اللہ نے حکومت سعودیہ کے حج وفد...... التوعیۃ الاسلامیہ...... میں احقر کو بھی شامل کر دیا چنانچہ ایامِ حج کے اس پہلے سفر کا اجرِ جزیل حکومتِ سعودیہ کے حصے میں آیا۔ اسی حج وفد میں مولانا محمد عبداللہ (گوجرانوالہ)، مولانا محمد حسین شیخوپوری، مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف، جناب حافظ عبدالغفور جہلمی رحمہ اللہ اور مولانا حافظ عبدالرحمان مدنی پاکستان سے شامل تھے اور مقیمینِ حجاز میں سے مرجع علماءِ اہلِ حدیث و عالمِ اسلام، حافظ فتحی رحمہ اللہ تھے۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ منیٰ کے پانچ روزہ قیام میں مذکورہ بالا شیوخ و علماء کی رفاقت و شفقت نصیب رہی، خصوصاً مولانا شیخوپوری رحمہ اللہ کو دیکھا کہ تمام دروس میں بڑے اشتیاق واہتمام سے شامل ہوتے رہے۔ میدانِ عرفات میں دعا میں انہماک اور طوافِ افاضہ میں ٹانگ زخمی ہونے کے باوجود...... مولانا محمد حسین شیخوپوری کی والہیت نے بہت متاثر کیا بلکہ یہ سارے مناظر اب تک شعور میں جب بھی آجائیں تو طبیعت نہال ہو جاتی ہے۔ یہ طویل داستان صرف محترم حکیم صاحب کی شفقت، توجہ اور عنایاتِ قلبی بیان کرنے کے لیے لکھی تھی جو عرفات سے واپسی پر منیٰ کے تین روزہ قیام میں حکیم صاحب رحمہ اللہ احقر پر فرماتے رہے۔ ان دنوں ان کی ایک بات بلکہ خوبی کا علم ہوا کہ حکیم صاحب رحمہ اللہ عموماً ذکرِ الٰہی سے رطب اللسان رہتے تھے۔ اس سے قبل حکیم صاحب رحمہ اللہ کو خاندان غزنویہ کے چشم و چراغ، جماعت اہل حدیث بلکہ اپنے دور کے مایہ ناز مقرر، جناب مولانا ابوبکر سید غزنوی رحمہ اللہ کے ہاں آتے جاتے دیکھا تھا تو اس صحبتِ سہ روزہ سے علم ہوا کہ حکیم صاحب کا سید غزنوی رحمہ اللہ کی مجالسِ ذکر میں آنا جانا تھا اور شنید یہ تھی کہ حکیم صاحب کی اس دور کے اصحابِ ذکر وفکر میاں محمد باقر (آف جھوک دادو) صوفی محمد عبداللہ (آف ماموں کانجن) اور سید مولا بخش کوموی رحمہ اللہ سے بھی نیاز مندی تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ...... اپنے ذکر ہی کی وجہ سے...... یہ سب کچھ ذکرِ الٰہی کا ثمرہ تھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کی برکت سے حکیم صاحب رحمہ اللہ کو سیاسی مفادات وسیئات سے محفوظ اور بچائے رکھا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی مخلوق کے دل میں ان کی محبت ڈالی ہوئی تھی۔

Marfat.com

ان کا شمار اکابرِ جماعت میں ہوتا تھا

ارشاد احمد حقانی مرحوم ☆

فیصل آباد میں کسی زمانے میں جماعت کے ڈویژنل امیر حکیم عبدالرحیم اشرفؒ، جماعت کے اکابر میں شمار ہوتے تھے۔ ایک لحاظ سے ان کا تعلق قصور سے بھی تھا کیونکہ وہاں کی ایک خاتون سے ان کی شادی ہوئی تھی۔ حکیم صاحبؒ اہلحدیث خاندان سے تعلق رکھتے تھے، لیکن ان کے روابط تمام مسالک کے لوگوں سے تھے۔ حکیم صاحبؒ کے ایک سے زائد بچے ان کی قصور والی اہلیہ سے تھے، جن میں ان کے صاحبزادے زاہد اشرف بھی ہیں، جو اس وقت پندرہ روزہ المنبر کے مدارالمہام ہیں۔ حکیم صاحبؒ جماعت اسلامی کی اس جائزہ کمیٹی کے بھی رکن تھے جو جماعت کے اخلاقی، سیاسی، تنظیمی اُمور کا جائزہ لینے کے لئے قائم کی گئی تھی۔

حکیم صاحبؒ نے رات دن محنت کر کے ارکانِ جماعت سے ان کے اضلاع میں جا کر تفصیلی ملاقاتیں کیں۔ جماعت کی کارکردگی کے ہر پہلو پر ان سے سوالات کئے اور انہیں سوالات پوچھنے کے مواقع فراہم کئے۔ اس عمل و تعامل کے نتائج کو انہوں نے مرتب کیا۔ ادھر جائزہ کمیٹی کے دوسرے ارکان، جامعہ ملّیہ، دہلی کے سابق پرنسپل اور وقتاً فوقتاً جماعت کے امیر رہنے والے غازی عبدالجبار، ایک وقت میں جماعت کے کُل پاکستان امیر رہنے والے اور نستعلیق صاف ستھرے انسان، جو میلے کپڑوں کو بھی یوں تہہ کر کے رکھتے تھے جیسے یہ ابھی دھوئے گئے ہوں، شیخ سلطان احمد ماشاءاللہ حیات ہیں اور طبِ یونانی کے باقاعدہ معالج ہیں☆☆۔ وہ ایک زمانے میں مولانا مودودیؒ کے عاشق تھے اور جماعت کے ہر رکن سے

☆ سابق ایڈیٹر روزنامہ "تسنیم"۔ نامور صحافی۔ شہرۂ آفاق کالم نگار (روزنامہ جنگ) سینئر مبصر و تجزیہ کار۔ 24 جنوری 2010ء کو انتقال فرما گئے۔ ☆☆ شیخ سلطان احمد بھی انتقال فرما چکے ہیں۔

Marfat.com

یوں ملتے تھے جیسے وہ ان کا سگا اور حقیقی بھائی ہو۔ وہ جماعت کے سالانہ اجتماعات میں یوں شرکت کرتے تھے جس طرح کوئی دوسرا نہ کر سکتا تھا۔ جائزہ کمیٹی کے ایک اور رکن حضرت مولانا عبدالغفار حسنؒ تھے۔ وہ بھی وقتاً فوقتاً جماعت کے امیر رہ چکے تھے۔ جائزہ کمیٹی کے کام سے فارغ ہو کر اور جماعت سے مستعفی ہونے کے بعد وہ مدینہ منورہ چلے گئے جہاں انہوں نے مدینہ یونیورسٹی میں شیخ الحدیث کے طور پر کئی سال تک فرائض ادا کئے، وہ حال ہی میں اللہ کو پیارے ہوئے ہیں۔ مجھ پر خاص شفقت فرماتے تھے، ان کے منحنی لیکن اخلاص سے پُر ہاتھ کا لمس میں آج بھی محسوس کر سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں بلند مقام سے نوازے۔ ان مخلص، پاکباز اور برگزیدہ ہستیوں نے جب سارے ملک میں ارکان جماعت سے ملاقاتیں کر کے اپنے نتائجِ تحقیق یکجا کیے تو چاروں حضرات یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جن نتائج تک وہ پہنچے ہیں وہ آپس میں گہری مماثلت رکھتے ہیں، حالانکہ اپنی اپنی کاوش کے دوران انہوں نے کبھی ایک دوسرے سے اس موضوع پر گفتگو نہ کی تھی۔ بدقسمتی سے اس مماثلت کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ایک سازش قرار دے دیا اور کہا کہ جس طرح ایک تھانیدار محلے کا سارا گند اکٹھا کر کے کہتا ہے کہ میرے محلے میں تو برائی کا نام و نشان نہیں، اسی طرح جائزہ کمیٹی کے ارکان نے سارے پاکستان سے چُن چُن کر برائیاں جمع کی ہیں اور دعویٰ یہ کر رہے ہیں کہ جماعت میں کوئی اچھا کام نہیں ہو رہا۔ ”میں اس رپورٹ کو مسترد کرتا ہوں اور جائزہ کمیٹی کے ارکان یا تو اپنے الزامات سے رجوع کریں اور یا پھر جماعت چھوڑ دیں۔ میں ایسے لوگوں کے ساتھ نہیں چل سکتا۔“

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے اس رویّے نے جماعت کو ایک شدید داخلی انتشار سے دوچار کر دیا۔ شہر شہر اور قصبے قصبے میں یہ بحث چھڑ گئی کہ کون حق پر ہے اور کون غلط۔ سب سے زیادہ انتشار لاہور میں پیدا ہوا۔ یہاں ارکان کے درمیان سخت محاذ آرائی شروع ہو گئی۔ ایک دوسرے پر الزامات لگنے لگے اور جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو طے کیا گیا کہ ارکانِ جماعت کا ایک خصوصی اجتماع، ماچھی گوٹھ ضلع صادق آباد میں منعقد کیا جائے جو

Marfat.com

کسی نتیجے تک پہنچنے تک جاری رہے۔

اس اجتماع میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ، جناب نعیم صدیقیؒ، میاں طفیل محمد اور جماعت کے دوسرے قائدین نے شرکت کی، سب نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ راقم الحروف کو بھی 90 منٹ تک اس اجتماع میں بولنے کا موقع ملا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے طویل تقریر کی اور اپنی اس کتاب کا خلاصہ پیش کیا جو وہ اس سے پہلے لکھ چکے تھے۔ سب سے آخر میں مولانا مودودیؒ نے تقریر کی، جو چھ گھنٹے تک جاری رہی، اس میں انہوں نے اعلان کیا کہ جماعت کی موجودہ پالیسی جاری رہے گی اور ہم کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ جماعت میں اختلافِ رائے پیدا کر سکے، اس کے بعد میاں طفیل محمد کھڑے ہوئے اور انہوں نے جماعت کے دستور میں بعض بنیادی ترامیم تجویز کیں اور کہا کہ ابھی ان ترامیم پر ہاں اور ناں میں جواب دیا جائے۔ میں نے اٹھ کر کہا کہ آپ جماعت کے دستور میں ترامیم کر رہے ہیں لیکن اس کے لئے کوئی متبادل تجویز دینے کا موقع نہیں دے رہے۔ میں اس پر احتجاج کرتا ہوں اور اجتماع سے واک آؤٹ کرتا ہوں (ظاہر ہے کہ یہ واک آؤٹ علامتی تھا اور میرے بعد روزنامہ ''تسنیم'' ہی کے ایک کارکن محی الدین سلفی نے بھی میرا ساتھ دیا اور اجتماع سے واک آؤٹ کر گئے۔) مولانا مودودیؒ کی تقریر نمازِ مغرب سے کچھ پہلے ختم ہوئی تھی، اس پر حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ حقانی صاحب نے چونکہ مولانا کی تقریر سے اختلاف کیا ہے اس لئے انہیں جماعت کے ترجمان اخبار ''تسنیم'' کا ایڈیٹر رہنے کا کوئی حق نہیں اور انہیں مستعفی ہو جانا چاہیے۔ اس پر مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے اعلان کیا کہ آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ان کا استعفیٰ پہلے ہی میرے پاس پہنچ چکا ہے۔ اصل میں جب مولانا کی قرارداد منظور ہوگئی تو میں فوراً اپنے کیمپ میں گیا اور ''تسنیم'' بورڈ کے نگرانِ اعلیٰ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے نام اپنا استعفیٰ لکھ کر جیب میں ڈال لیا اور نماز میں شامل ہوگیا، استعفیٰ میں نے مولانا کے حوالے کر دیا، اس لئے انہوں نے اعلان کیا کہ استعفیٰ میرے پاس پہنچ چکا ہے۔ میں نے اس اجتماع میں 90 منٹ تک

Marfat.com

جو تقریر کی، اس میں تجویز پیش کی کہ ہم اختلاف کرنے والوں کو جماعت کا بایاں بازو سمجھ لیا جائے اور ہمیں کارکنوں تک اپنے خیالات پہنچانے کا موقع دیا جائے۔ اگر ہم جماعت کی اکثریت کو اپنا ہم خیال بنالیں تو ہماری پالیسی پر عمل کیا جائے۔ میں نے لیبر پارٹی کے لیڈر ارنسٹ بیوان کا حوالہ دیا جو اپنی پارٹی میں بائیں بازو کے لیڈر سمجھے جاتے تھے، لیکن ان کی پارٹی نے انہیں نہ صرف کام کرنے کا موقع دیا بلکہ بعد میں انہیں وزیر بھی بنادیا، لیکن میرے ان دلائل کا جماعت کی قیادت پر کوئی اثر نہ ہوا۔ میں نے جماعت کو کام کرنے کے لئے بہت سی اور تجاویز بھی دیں۔ میں نے کہا آپ پانچ چھ زبانوں میں رسالے نکالیں جن میں اسلام کے مسائل پر بحث کریں، لوگوں کو آزادانہ اپنی رائے دینے کا موقع دیں، لیکن افسوس کہ جماعت کی قیادت نے ان تجاویز کو بھی مسترد کر دیا۔ میری تجاویز کے بعد مولانا مودودیؒ دوبارہ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے فرمایا: ''مجھے خوشی ہے کہ میری جماعت میں بھی پروفیسر سرور جامعی جیسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں جو میری ہی کتابیں مجھے پڑھا رہے ہیں۔ میں جماعت سے باہر کے سروروں کا جواب تو دے سکتا ہوں، جماعت کے اندر کے سروروں کا جواب نہیں دے سکتا۔'' ان کا اشارہ میری طرف تھا۔ مولانا کی تقریر کے بعد مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے مجھ سے کہا کہ مولانا مودودیؒ کی چڑچڑاہٹ آپ کی کامیابی ہے۔ اس سارے عمل کے دوران حکیم عبدالرحیم اشرفؒ ہمارے ہم خیال تھے، بلکہ ہم سے بھی بڑھ چڑھ کر جماعت کی پالیسیوں سے اختلاف رکھتے تھے۔

شاعر نے درست کہا ہے۔

تھی داستاں دراز بھی اور دل گداز بھی
لیکن کہاں ہے دل کہ دیا جائے اس کو طول

اللہ تعالیٰ حکیم صاحبؒ کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے، انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ان کے اہلِ خانہ کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

Marfat.com

روشن مینار

حافظ محمد اکرام اخترؒ ☆

برادرِ مکرم زاہد اشرف کے ارسال کردہ خط کے اس حصہ پر جہاں نمایاں طور پر المنبر کے الفاظ چھپے ہوئے تھے، ان پر پہلی نظر پڑتے ہی سالوں پر محیط یادداشتیں، حضرت حکیم عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ کے ساتھ ذہنی عقیدتیں اور مرحوم کے قائم کردہ قومی ادارہ اشرف لیبارٹریز کی طرف سے راقم کے ساتھ محبتیں، یہ سب کچھ ہی میرے سامنے قطار در قطار کھڑی ہوگئیں اور اس کے ساتھ ہی مرحوم مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف کے چہرے کے، جوانی سے لے کر اس فانی دنیا سے رخصت ہونے تک کے نقوش اُبھرنے شروع ہوگئے۔ راقم نے انہیں اپنی عاجزانہ دعاؤں میں خانہ کعبہ، مسجد نبویؐ سے لے کر تحصیل والی مسجد اور مسجد عمر، گلستان کالونی میں ہونے والی بابرکت محفلوں میں ہمیشہ یاد رکھا۔

مولانا مرحوم کے بارے میں لکھنا، کہنا اور سننا بھی میرے نزدیک عبادت کا حصہ ہے۔ اسلاف سے سُنا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ محبت کرنے والوں سے خود ربِّ کریم بھی محبت فرماتے ہیں۔ الحمد للہ! میں نے باوضو ہوکر مولانا مرحوم کے بارے میں ذہن میں جمع یادداشتوں میں سے جو کچھ لکھا ہے، دعا ہے کہ رب کائنات میرے ان لکھے جانے والے حقیر جملوں کو قبول فرمائیں اور حضرت حکیم مولانا عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند فرمائیں اور ان کی حیات و خدمات کے تذکرے کے ذریعہ نیکی پھیلانے

☆ سابق صدر فیصل آباد پریس کلب۔ سابق بیورو چیف روزنامہ ''مشرق''۔ بیورو چیف ''اے این این''۔ بیورو چیف ''آن لائن''۔ 16 دسمبر 2013ء کو ملاءِ اعلیٰ سے جا ملے۔

Marfat.com

والوں کو اجرِ عظیم عطا کریں۔ بھائی زاہد اشرف سمیت مولانا مرحوم کے تمام عزیزوں، تعلق داروں اور دوست واحباب کو اپنے حفظ وامان میں رکھیں۔ آمین

یہ بات بلا شک وشبہ کہی جاسکتی ہے کہ مولانا عبدالرحیم اشرف مرحوم اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، ایک ادارہ تھے اور ایک ایسا عہد بھی تھے، جس سے ہر آنے والے وقت میں، ہر ذی شعور رہنمائی حاصل کرسکتا ہے اور استفادہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ مولانا مرحوم نے زندگی میں جو کہا اور جو کچھ بھی کیا، وہ رضائے الٰہی اور اُمت محمدیہؐ کی بھلائی کے لئے کیا۔

مرحوم، اللہ کے فضل وکرم کی بدولت اسوۂ حسنہ کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ میرا ان سے تعلق اپنے والد مرحوم حاجی محمد صدیق چوہدری، سابق امیر مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت، ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ، کے ان کے ساتھ روابط کے سبب ہوا۔ ستمبر 1961ء میں جب ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لائل پور (فیصل آباد) چلا آیا، تو مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کے ساتھ ملاقات مزید آسان ہوگئی۔ ستمبر 1967ء میں جب روزنامہ ''مشرق'' فیصل آباد کے لئے جناب عنایت اللہ مرحوم، بانی ''مشرق'' نے کام کرنے کی ذمہ داریاں مجھے سونپیں تو یہ ملاقاتیں مزید بڑھ گئیں، کیونکہ مجھے مرحوم سے اپنے لئے دعائیں حاصل کرکے بہت سکون حاصل ہوتا تھا۔ اسوۂ حسنہ اور فرمودات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کے تعلق کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی بات کا آغاز اللہ کے بابرکت اور مقدس نام سے کرتے اور ملاقات کرنے والا، جب ان سے رخصت کی اجازت چاہتا تو مولانا مرحوم رخصتی اور مصافحہ کے ساتھ امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ کا کوئی واقعہ یا حدیث سُنا کر ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتے۔

بلا شبہ مولانا مرحوم اللہ کے فضل وکرم اور خاتم الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت کی بدولت اس صدی کے بڑے آدمی تھے۔ مجھے اس بات پر بلاتردّد فخر ہے کہ میرے ساتھ ان کی محبت اور شفقت ہمیشہ قابلِ ذکر رہی اور میں نے جب بھی نیازمندی کا اظہار کرتے ہوئے بوٹے سے قد کے مالک اور کلیوں سی مسکراہٹ رکھنے والی شخصیت کے

Marfat.com

ساتھ ہاتھ ملانے کی کوشش کی، تو انہوں نے سینے سے لگا کر پھر ہاتھ ملایا اور پھر باتوں باتوں میں مختصر سی ملاقات کو طول دے کر دنیا جہان کی باتیں کر ڈالیں۔ ان کی جامع گفتگو میں موضوعات کا تعلق المنبر کے ذریعہ اصلاحِ معاشرہ، سماجی اور رفاہی کاموں، ردِّ قادیانیت، اسلام اور پاکستان دشمنوں کے خلاف قلمی جہاد، پاکستان کے استحکام و ترقی اور اپنے شہر کی ترقی سے ہوتا۔ وہ تلقین کرتے کہ "مشرق" میں بھی انہی موضوعات پر لکھا جائے۔ وہ اپنے حکم کی تعمیل کے جواب میں ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے رہتے۔

حکیم اشرف صاحبؒ اگرچہ فردِ واحد تھے لیکن وہ شہر کے ہر اہم مسئلہ میں اپنی ہمہ صفات شخصیت کے باعث نمایاں نظر آتے تھے، جس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ایسی بھرپور زندگی گزاری جو آنے والی نسلوں کے لئے روشن مینار بنی رہے گی۔ ایک واقعہ یاد آیا کہ نشتر میڈیکل کالج، ملتان کے چند طلبہ چناب ایکسپریس کے ذریعہ پشاور سے ملتان جا رہے تھے۔ یہ گاڑی جب ربوہ (چناب نگر) پہنچی تو متعدد قادیانیوں نے شرپسندوں کے روپ میں مسافر گاڑی کے اس ڈبہ پر، جس میں طلبہ سوار تھے، حملہ آور ہو کر چند طلبہ کو شدید زخمی کر دیا۔ اس کی اطلاع مجاہدِ ختمِ نبوت مولانا تاج محمود رحمہ اللہ نے اپنے قریبی ساتھی مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کو دی۔ بس پھر کیا تھا کہ دونوں مذہبی رہنماؤں کی قیادت میں شہریانِ فیصل آباد نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی ایسی جاندار تحریک شروع کی کہ اس وقت کے وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو اسمبلی کے فلور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا اعلان کرنا پڑا۔

مولانا نے نام وَر اہلحدیث عالمِ دین ہونے کے ناطے سے کبھی اور کہیں اپنی تقریر و تحریر میں کوئی ایسی بات نہیں کی، جس سے فرقہ واریت کی بُو آتی ہو۔ انہوں نے ہمیشہ اتحاد بین المسلمین کے لئے جدوجہد کی اور تمام مکاتبِ فکر کو قریب سے قریب تر لانے میں زندگی بھر اپنا کردار ادا کرتے رہے۔

مولانا مرحوم کی اسوۂ حسنہ سے محبت کی بدولت اللہ کریم نے انہیں دستِ شفاء

Marfat.com

بخش رکھا تھا۔ انہوں نے حکمت کو پیشہ کے طور پر اختیار نہیں کیا بلکہ زندگی میں حکمت برائے خدمت کا عملی ثبوت دیا، اور اسی وجہ سے شہر بھر میں انہوں نے ایسا احترام کمایا کہ لوگ ان پر رشک کرنے کو بھی فخر خیال کرتے ہیں۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کی پوری زندگی خدمتِ دین اور خدمتِ خلق کی جدوجہد سے عبارت ہے۔ انہوں نے اپنے پیچھے زندگی کے مختلف شعبوں میں رہنمائی کے لئے جو ادارے چھوڑے ہیں، وہ اپنے اپنے شعبوں میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں، اور ان کی یادگار کے طور پر جاری و ساری ہیں۔ یہ ادارے زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، جن سے ہر شخص اور طالب علم بقدر حیثیت کسبِ فیض کرتا ہے، کرسکتا ہے اور کرتا رہے گا۔ ان اداروں کے ذریعہ ان کی ذات کا فیضان، چشمۂ فیض کی صورت میں آج اور آنے والے کل کی نسلوں کو بھی سیراب و شفایاب کرتا رہے گا۔ مولانا زندگی بھر اسلامی تعلیمات، اسوۂ حسنہ کے فروغ، نظریۂ پاکستان کو اُجاگر کرنے، انسانیت کی بھلائی اور دُکھی انسانیت کی خدمت کے لئے ہمیشہ سرگرم عمل رہے۔ یہ بات انتہائی خوش کُن ہے کہ ان اداروں کو صحیح سمت پر رکھنے اور چلانے کے لئے ان کی اولاد نے اپنی تمام تر توانائیوں، رعنائیوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ان قیمتی کاوشوں کو گراں قدر اثاثوں میں تبدیل کر دیا ہے۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ جیسی تحریک ساز اور تاریخ ساز شخصیت کا کسی ایک مضمون میں احاطہ کرنا کسی کے بس کا روگ نہیں اور نہ ہی اس کے لئے صرف ایک مقالہ کام دے سکتا ہے۔ مرحوم کی دینی، ملّی، قومی، سیاسی، سماجی، علمی، تعلیمی، تبلیغی، صحافتی، طبّی اور معاشرتی خدمات پر الگ الگ کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ پکے مسلمان، سچے محبِّ رسولؐ اور اوّل و آخر پاکستانی تھے...... مجھے یاد آ گیا کہ ایف یو جے کے جنرل اجلاس، منعقدہ راولپنڈی میں شرکت کے دوران صحافی دوستوں کے ساتھ ہوٹل گل نور میں ٹھہرا ہوا تھا۔ پتہ چلا کہ ایک دن پہلے سے مولانا مرحوم بھی اسی ہوٹل میں قیام پذیر ہیں۔ صحافیانہ ٹوہ لگانے پر پتہ چلا کہ اس وقت کے صدرِ مملکت شہید جنرل ضیاء الحق کی دعوت پر راولپنڈی میں موجود ہیں اور جنرل صاحب

Marfat.com

مرحوم نے انہیں دعوتِ ملاقات دے رکھی ہے، لیکن مولانا مرحوم نے سرکاری مہمان بننا پسند نہیں کیا۔ وہ خود یہاں پر مقیم ہیں، جبکہ دوسرے بعض ساتھی علماء سرکاری مہمان کی حیثیت میں کسی اور جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ مَیں نے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ سے ملاقات کو غنیمت جانتے ہوئے عشاء کے وقت ان کا دروازہ کھٹکھٹایا تو مولانا روایتی جملہ ''کون ہے بھائی؟'' کہتے ہوئے دروازہ کے قریب آئے۔ ان کے دروازہ کھولتے ہی میں اندر داخل ہوا تو اندازہ ہوگیا کہ مولانا مصلّٰی سے اُٹھے ہیں۔ علیک سلیک کے بعد مولانا نے میری آمد کا مقصد پوچھا اور پھر میرے سوال پر اپنی تشریف آوری کے بارے میں اِجمالاً بتلایا۔ میں نے تفصیل جاننے بغیر اجازت چاہی اور وہ اس شرط پر رضامند ہوئے کہ صبح ناشتے پر ملاقات ہو گی، ان شاء اللہ۔ اگلے روز نمازِ فجر کی ادائیگی کے فوری بعد مولانا اس کمرہ کے باہر تشریف لے آئے جہاں میں موجود تھا۔ انہوں نے کہا کہ اپنے فیصل آباد کے ساتھیوں کو دعوت دے کر میرے پاس آ جاؤ۔

مولانا مرحوم کے ساتھ ضیاء الحق مرحوم کو بہت محبت تھی۔ جنرل صاحب سے ان کی اکثر و بیشتر ملاقاتیں رہتی تھیں۔ مولانا نے آف دی ریکارڈ کہہ کر جنرل صاحب سے تازہ ملاقات کا تمام ذکراذکار کر دیا۔ کہنے لگے کہ جنرل ضیاء الحق، پاکستان میں قرآن و سنت کے نظام کے نفاذ کے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں اور اسی لئے وہ پاکستان سمیت تمام مسلم ممالک کے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء، مفکرین اور دانشوروں سے ملاقات کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ مجھے اس شخص پر یقین ہے کہ اگر اسے زندگی نے مہلت دی تو وہ بہت کچھ کر جائیں گے۔ البتہ امریکہ کا دباؤ ہے کہ پاکستان کو اسلامی سٹیٹ نہ بننے دیا جائے، لیکن امریکہ کو جنرل ضیاء الحق کی شخصیت کا اس دن پتہ چلے گا جس دن امریکہ کے ایوانوں میں قرآنِ مجید فرقانِ حمید کی آیات کی آواز گونجنے لگے گی۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے یہ الفاظ بڑے زوردار لہجہ میں جب ادا کئے تو کمرہ میں سکوت چھا گیا اور مولانا مرحوم کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ مولانا مرحوم کے اس جذبہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی

Marfat.com

نظام کے نفاذ کے کس حد تک خواہاں تھے۔ مجھے یقین ہے کہ ڈاکٹر زاہد اشرف المنبر کو اس عظیم مقصد کے لئے استعمال کریں گے۔ دعا ہے کہ ربّ کعبہ مولانا مرحوم کی اولاد کو اپنی امان و حفاظت میں رکھیں اور وہ اپنے والد مرحوم کے اداروں اور ان کے قیام کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے اپنے تمام وسائل بروئے کار لاتے رہیں۔ اللہ کریم و رحیم ان اداروں کو قائم دائم رکھیں اور ان کے چلانے والوں کو بہترین کام کرنے کے مواقع عطا فرمائیں۔ آمین

دعا ہے کہ ربّ کائنات حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائیں۔ ان کی قبر پر رحمت برسائیں۔ قبر کو کشادہ اور منوّر فرمائیں اور مولانا مرحوم نے زندگی بھر دین اور اسوۂ حسنہ کی ترویج، قادیانیت کے رَد، پاکستان کے استحکام، نظریۂ پاکستان کے فروغ اور انسانیت کی خدمت کے لئے جو خدمات انجام دی ہیں، انہیں قبول فرمائیں۔ آمین، ثم آمین۔

Marfat.com

مستجاب الدعوات

قربان انجم ☆

برادرم ڈاکٹر زاہد اشرف نے مجھے محترم مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے بارہ میں اپنے تاثرات و احساسات اور مشاہدات و واقعات لکھنے کو کہا۔ مجھے جو عزت بخشی گئی، میرے لئے باعثِ افتخار ہے۔ فخر کے ساتھ ساتھ اپنی کم مائیگی کے احساس سے ندامت بھی ہوئی۔ میں مولانا مرحوم کی خدمات کے کسی پہلو کے بیان کا بھی حق ادا نہ کر سکوں گا، مگر چند یادیں تازہ کروں گا، کیونکہ سعادت حاصل کرنے کا جو موقع ملا ہے، اسے ضائع کیوں کروں؟

مولانا مرحوم سے 1956ء میں تعارف ہوا۔ میں اس وقت ہائی سکول میں زیرِ تعلیم تھا۔ میرے ماموں جنابِ مصطفیٰ صادق فیصل آباد (اس وقت لائل پور) میں حکیم صاحب مرحوم و مغفور کے جریدہ المنیر (جو بعد میں المنبر کے نام سے شائع ہونے لگا) سے وابستہ تھے۔ المنیر کے دفتر ہی میں، جنابِ مصطفیٰ صادق نے میرا تعارف کروایا۔ میں کم عمر اور کم فہم تھا۔ مرحوم و مغفور کے مقام و مرتبہ کا اِدراک نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم مجھے ان کی شخصیت نے متاثر کیا۔ مجھے بہت اچھے لگے۔ مجھے ماموں جان نے ''ہونہار طالب علم'' کی حیثیت سے متعارف کروایا تھا۔ یہ تعارف بھی اچھا لگا۔ انہوں نے مزید بتایا: ''قربان نے قبل از وقت شاعری شروع کر دی تھی۔ میں نے اسے یہ کہہ کر منع کر دیا ہے کہ پہلے تعلیم مکمل کر لو۔'' حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے بھی اس ''آئیڈیا'' سے اتفاق کیا اور پوری لگن سے حصولِ تعلیم کی تلقین کی۔

☆ سابق ادارتی رکن روزنامہ ''وفاق'' لاہور، رحیم یار خان۔ سابق ادارتی رکن ہفت روزہ ''ندائے ملت'' لاہور

Marfat.com

چند سال کے بعد میں روزنامہ ''وفاق'' سے وابستہ ہوگیا۔ 1966ء میں اس کے رحیم یار خان ایڈیشن کا اجراء ہوا، تو مجھے سرگودھا سے رحیم یار خان ''ہجرت'' کرنا پڑی۔ سال ٹھیک طرح سے یاد نہیں، غالباً 1969ء کی بات ہے۔ حکیم صاحب مرحوم و مغفور رحیم یار خان تشریف لائے۔ دفتر ''وفاق'' میں بھی ان کا آنا ہوا۔ میں نے عرض کیا: ''مولانا! دین و وطن کی خدمت کے حوالے سے بطور صحافی ہمارے کردار کے بارہ میں آپ کیا راہنمائی فرمائیں گے؟'' انہوں نے کہا: ''رائج صحافت میں آپ وہ سب کچھ نہیں کر سکتے جو دین و وطن کی خدمت کے لئے مطلوب ہے۔ بعض ناگزیر معاملات آپ کا دامن اُلٹی سمت کھینچتے رہیں گے۔ اسے آپ کی مجبوری کا نام بھی دیا جاسکتا ہے، مگر ایک کام آپ بہر حال نہایت آسانی کے ساتھ کر سکتے ہیں، وہ یہ کہ خبر اور مضمون پر سُرخی جماتے وقت آپ مثبت اور مفید انداز اپنا سکتے ہیں۔ آپ کی مجبوری یہ تو ہو سکتی ہے کہ آپ مخصوص خبر، مضمون، فیچر، اداریہ وغیرہ کی اشاعت روک نہیں سکتے، مگر اس معاملے میں آپ ہرگز مجبور نہیں ہیں کہ سرخی اپنی آزاد مرضی سے جمائیں اور یہ آزاد مرضی اسلامی اور قومی تہذیب و اخلاق کے منافی نہ ہو، اس سے مطابقت رکھتی ہو۔ فحش کا ذکر ہو تو اس انداز میں کہ اس سے گریز اور نفرت کا جذبہ اُبھرے، نہ کہ حظ اُٹھانے کی تحریک ملے۔ لکھتے اور چھاپتے وقت الفاظ کے استعمال میں احتیاط سے آپ کو کوئی نہیں روکے گا۔ الفاظ ہی سے ابلاغ ہوتا ہے۔ ایک ہی موضوع کے بیان میں الفاظ مثبت تأثر بھی پیدا کر سکتے ہیں اور منفی بھی۔''

یہ نصیحت میں نے پلّے باندھ لی اور برسوں سے مقدور بھر حد تک عمل بھی کر رہا ہوں۔

سوچتا ہوں کہ مولانا مرحوم نے دین، سیاست اور طب ایسے شعبوں میں جو خدمات انجام دی ہیں ان پر تو وہ عنداللہ ماجور قرار پائیں گے ہی، مگر انفرادی اور نجی محفلوں میں ان کے اس قسم کے پند و نصائح بھی تو صدقۂ جاریہ ہی کی ذیل میں آتے ہیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مَیں حکیم صاحب کے زیرِ علاج بھی رہا۔ لاتعداد مریضوں کی طرح میرا بھی مفت

Marfat.com

علاج ہوتا رہا۔ ان دنوں مقررہ وقفے (ہفتہ یا مہینے کے بعد) سے اطباء کا ایک بورڈ بھی مرحوم کی سربراہی میں ایک مخصوص دن مریضوں کو دیکھتا۔ ایک بورڈ کے روبرو ''پیش'' ہونے کے لئے مجھے رحیم یار خان سے فیصل آباد آنا پڑا۔ مقررہ وقت پر پہنچنے سے انہیں بے حد خوشی ہوئی۔ مرحوم خوش لباس و خوش گفتار ہونے کے ساتھ ساتھ وقت کی پابندی کو بھی پسند فرماتے تھے۔

مولانا تقریر اور گفتگو بہت اچھی کرتے تھے۔ ان میں جوشِ ایمانی حد درجہ پایا جاتا تھا۔ دوسروں کی بات سنتے وقت پوری توجہ دیتے۔ جب آپ گفتگو کر رہے ہوں، اس وقت کسی سے کچھ سیکھ نہیں رہے ہوتے۔ مولانا جب خاموشی سے بات سن رہے ہوتے تو لگتا کہ سیکھ رہے ہیں اور جب گفتگو کرتے تو محسوس ہوتا سکھا رہے ہیں، خالصتاً داعی کے انداز میں اور مدعو کی زبان میں اور اس کے فہم کے مطابق۔ اردو کے علاوہ عربی میں بھی اس طرح گفتگو فرماتے کہ ابلاغ کا حق ادا کر دیتے تھے۔ ان کی زبان ذکرِ الٰہی سے ہمیشہ تر رہتی۔ یقیناً مرحوم خشیت، مشیت اور اتقاء کے لئے ذکر کی افادیت سے شرحِ صدر کی حد تک آگاہ تھے۔

محراب و منبر سے ان دنوں جو آوازیں اٹھتی ہیں ان میں فرقہ، مسلک اور جماعتی تعصب نمایاں ہے، مگر مرحوم نے مسجد، مکتب اور عوامی جلسہ گاہ، جہاں سے بھی صدائے دعوت بلند کی، اس میں تعصب کا شائبہ تک نہ تھا۔ آپ کو قریب سے جاننے والے، ان کے مسلک کے بارہ میں جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ تعارف اور نمائندگی میں اس مسلک کا اظہار ہرگز نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مسلک کے عمائدین کی نگاہ میں آپ یکساں قابلِ احترام تھے۔ دعوت و سیاست میں دینی تعلیمات کو اصل اصول کے طور پر اختیار کرنے والے بزرگوں میں سماجی خدمات کا جذبہ اس حد تک کم کم ہی دیکھنے میں آیا، جس حد تک مولانا مرحوم میں پایا گیا۔

ایوانِ اقتدار میں کوئی بھی براجمان رہا، مولانا مرحوم کو اس سے کبھی کوئی سروکار نہ رہا۔ جنرل محمد ضیاء الحقؒ کے بارہ میں عام تاثر یہی ہے کہ وہ طبقۂ علماء کے، دوسرے مقتدرین کے مقابلے میں زیادہ قریب رہے۔ حکیم صاحب مرحوم و مغفور کے بارہ میں بھی یہ

Marfat.com

تأثر واضح تھا کہ وہ صدر ضیاء الحقؒ کے بہت زیادہ قریب ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ گزرے ہوئے سربراہانِ حکومت و مملکت کی بہ نسبت، صدر ضیاء الحقؒ کو بہتر سمجھتے تھے مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ صدر ضیاء الحقؒ پر ان کے لائقِ تنقید اقدامات پر اسی شدت کے ساتھ تنقید کرتے جس شدت کے ساتھ کسی بھی دوسرے سربراہِ حکومت پر۔

مرحوم کے بارہ میں ایک ذاتی تأثر کا ذکر ضرور کروں گا۔ سب جانتے ہیں کہ ماں...... ربوبیّت کی شان...... اولاد کے لئے ذاتِ باری تعالیٰ کا اتنا بڑا انعام ہے کہ الفاظ بیان نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر خاص عنایت فرمائی کہ مجھے دو ماؤں کی آغوش میں پرورش پانے کا موقع ملا۔ ایک ماں، دوسری نانی اماں۔ میرے دور دراز گاؤں میں مدرسہ دستیاب نہ تھا، اس لئے ماں نے نانی اماں کے پاس بھجوا دیا، جہاں مجھے پرائمری سکول میں داخل کروا دیا گیا۔ نانی اماں نے اوائلِ عمر میں تعلیم اور تربیت میں ماں والا پیار دیا اور شفقتِ مادری کا جو رس میرے رگ و پے میں گھولا وہ ہمیشہ مشامِ جاں کو معطر رکھتا ہے۔ نانی اماں کی وفات پر لگتا تھا۔ ؎

سارے جہاں کی دھوپ میرے گھر میں آ گئی
سایہ تھا جس درخت کا مجھ پہ وہ گر پڑا

نانی اماں کی میت لحد میں اتارنے کے بعد مولانا مرحوم نے جو دعا فرمائی، میرا ایمان ہے، اس کی قبولیت میں کوئی دیر نہ لگی ہو گی۔ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے الفاظ میں مومنانہ عجز کے ساتھ ساتھ رقّت اور الحاح کی جو کیفیت تھی، اس میں اللہ کے ایک بندے کا دردِ دل آنسوؤں میں بہہ رہا تھا۔ ہزاروں حاضرین کے آنسوؤں نے بھی جھڑیاں لگا دیں۔ دل کا ملال، گناہ اور کوتاہی سب کچھ اس سیلاب میں بہتا چلا جا رہا تھا۔

ملکِ عدم تک رسائی رکھنے والی ہواؤں کے دوش پر میں مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کو نذرانۂ عقیدت ارسال کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں: ''یا اللہ! مرحوم کے درجات بلند فرما دے اور ہمیں وہ راہ سجھا دے جس پر چل کر نجات کا سامان ہو جایا کرتا ہے۔ آمین۔''

Marfat.com

عالی ظرف مشیر

پروفیسر محی الدین ☆

اکہرے بدن، چھوٹے قد، سفید براق لمبی داڑھی، سر پر اکثر جناح کیپ والے، فردِ واحد مگر عملاً انجمن سے بڑھ کر ایک ادارہ، عالمِ دین سے بڑھ کر ایک مصلح۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ سے خاکسار کا پہلا تعارف غائبانہ تھا اور یہ ہفت روزہ المنبر کی وساطت سے تھا۔ المنبر قادیانیت کے خلاف شمشیرِ برہنہ تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو کی ایوب اقتدار سے علیحدگی اور عوامی سیاست کے ایک ساتھی، قادیانی حضرات بھی تھے۔ اس اعتبار سے پہلے داعیٔ سوشلزم اور پھر قادیانی حمایت یافتہ ذوالفقار علی بھٹو سے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی نظریاتی مخالفت، انہیں ہمیشہ جیالا سیاست اور پیپلز پارٹی حکومت کی مخالف بنائے رکھتی تھی۔ وہ پیپلز پارٹی کے عہدِ اقتدار کے آخری دنوں میں قومی اتحاد تحریک میں نہایت اہمیت رکھتے تھے۔

ان کا جناح کالونی میں واقع گھر بالعموم اہلحدیث، شیعہ، بریلوی اور دیوبندی علمائے کرام کا مرکزِ سیاست ہوتا تھا۔ اس پسِ منظر کو جاننے کا موقع مجھے برادرم زاہد اشرف سے کلاس فیلوشپ اور پھر آغازِ دوستی نے فراہم کیا۔ بعدازاں خاکسار اسلام آباد منتقل ہوا تو اس وقت جنرل ضیاء الحقؒ کا اقتدار نصف النہار پر تھا۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کا جنرل صاحب سے گہرا رابطہ تھا۔ اس خاموش رابطے کی ایک وجہ تو ضیاء الحق کا، ہر بھٹو مخالف کردار سے عمومی تعلق تھا، مگر مولانا سے رابطہ فیصل آباد کے مفتیٔ اعظم جناب مفتی زین العابدینؒ کی

☆ سابق نمائندہ ہفت روزہ "زندگی" (فیصل آباد)۔ سابق سیکرٹری اطلاعات، پاکستان مسلم لیگ (چٹھہ گروپ)۔ معروف کالم نگار۔

Marfat.com

طرح کا تھا۔ جناب مفتی صاحبؒ تبلیغی جماعت کے سرکردہ قائدین میں سے ایک تھے۔ وہ بھی اکثر مولاناؒ کے ہمراہ اسلام آباد آتے۔ اسلام آباد آمد پر پہلے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ اسلام آباد ہوٹل میں قیام پذیر ہوتے، بعدازاں ممتاز معالج ڈاکٹر راشد رندھاوا کے بھائی جناب خالد رندھاوا کے، جی سیکٹر میں واقع بڑے گھر کی پشت پر واقع انیکسی میں مستقل قیام پذیر ہوتے۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ، جناب مصطفیٰ صادق، جناب جسٹس افضل چیمہؒ، جناب مولانا ظفر احمد انصاریؒ، اس قافلہ کے سرکردہ افراد تھے جو ضیاء الحق اقتدار کو اسلامی نظام کے نفاذ کی سعادت سے فیض یاب کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ خاکسار ذاتی طور پر جانتا ہے کہ جنرل ضیاء الحقؒ نصف شب کے بعد عموماً مولانا عبدالرحیم اشرفؒ سے فیصل آباد میں ٹیلی فون پر رابطہ کرتے تھے اور اکثر مشاورت ہوتی تھی۔ اس طرح ذاتی طور پر مجھے معلوم ہے کہ اپنی آمدورفت اور رہائش وغیرہ کے سلسلہ میں وہ تمام اخراجات ذاتی طور پر خود برداشت کرتے تھے اور ضیاء الحقؒ کے ساتھ قریب ترین تعلق کے باوجود بھی وہ حکومتی معاشی سرپرستی قبول نہ کرتے تھے۔ ان دنوں راجہ ظفر الحق وفاقی وزیرِ مذہبی اُمور ہوتے تھے۔ راجہ ظفر الحق کا قادیانیت کے حوالے سے کردار ہمیشہ قابلِ تعریف رہا ہے۔ یہ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کا متحرک دماغ ہی تھا جنہوں نے علمائے کرام کو جنرل ضیاء الحق کی حمایت میں ثابت قدم بنایا اور اس اقتدار سے فتنۂ قادیانیت کے مستقل سدباب کا راستہ نکالا۔ اگرچہ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے قادیانیوں کو پارلیمنٹ سے پہلے ہی غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا تھا مگر اس کا اصل تتمہ اور عملاً نفاذ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ اور ان کے ساتھیوں کی کوشش سے جنرل ضیاء الحقؒ کے اقتدار میں ہوا۔ اس مقصدیت کے اعتبار سے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کا یہ کردار کسی بھی سیاسی پارٹی کے راہنما کے ہم پلّہ ہو جاتا ہے۔ آج جو سرکاری عہد نامہ موجود ہے کہ حلف دینے والا اقرار کرتا ہے کہ اس کا تعلق قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ سے نہیں، تو اس کی شمولیت بھی مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کے کارہائے نمایاں میں سے ایک ہے۔ دوسرا اہم کارنامہ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کا یہ تھا کہ انہوں نے ''قاضی کورٹس'' قائم کرانے میں جنرل ضیاء الحقؒ کی

Marfat.com

بھرپور معاونت کی۔ بالآخر وہ دن بھی آ گیا کہ قاضی کورٹس کا راستہ ہموار ہوا اور شرعی عدالت کا قیام عمل میں آ گیا۔ یہ اس مسلسل جدوجہد کا ثمر تھا، جو مولانا نہایت خاموشی اور مستقل مزاجی سے کرتے رہے۔ سپریم کورٹ میں شریعت اپیلٹ بنچ کی تشکیل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور فیصل مسجد میں قائم بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے ذریعے ججوں کی تربیت اسی کوشش کا ثمر ہے۔

انہی دنوں سیاسی خلاء کو پُر کرنے کے لئے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ اور ان کے رفقاء نے جنرل ضیاء الحقؒ کو مجلسِ شوریٰ بنانے کا راستہ دکھلایا۔ خاکسار ذاتی طور پر ان مباحث اور رازدارانہ کوششوں سے آگاہ ہے جو خاموشی سے مولانا جاری رکھے ہوئے تھے۔ انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ ایک روز خاکسار کو مولانا نے پیشکش کی کہ ان کی اس ''غیر سیاسی انجمن'' کا سیکرٹری بن جاؤں اور ان کے اور ایوانِ صدر کے مابین ''رابطے'' کے فرائض سرانجام دوں۔ یہ واقعہ مجلسِ شوریٰ کی تشکیل سے پہلے کا ہے، مگر خاکسار ان دنوں سیکولر مزاج اور ترقی پسندی کے اونٹ پر سوار تھا، لہٰذا مولانا کی اس پیشکش پر غور تک کرنے سے انکار کرتا رہا۔ مگر بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ میرا یہ فیصلہ نہایت غیر سیاسی اور غلط تھا۔ وہی مقاصد جو بعدازاں میں نے سیاسی میدان میں حاصل کرنے کی کوشش کی، ایک الگ انداز میں مولاناؒ کے پیشِ نظر تھے۔ بعد کی تمام مسلم لیگی قیادت اور اکثر حکمرانوں کا تعلق اسی مجلسِ شوریٰ اور ضیاء الحقؒ اقتدار سے رہا۔ کاش میں نے مولاناؒ کی پیشکش قبول کی ہوتی تو یقیناً آج عملاً سیاست کے میدان میں مسلسل ناکامیوں کی جگہ عملی کامیابیوں سے ہمکنار ہوتا، یہ ہے مولاناؒ کا مزاج۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے مجھ سے قطع تعلق نہ کیا اور شفقت جاری رکھی۔ مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ مجلسِ شوریٰ کا سارا خاکہ دے کر بھی انہوں نے، نہ تو حکومتی عہدہ لیا اور نہ اپنے خاندان کے کسی فرد کو حکومتی عہدہ حاصل کرنے دیا۔ حتیٰ کہ ان کی لاہور میں دکان جو کہ خاصی قیمتی تھی، وہ بعض انتظامی اقدامات کے باعث تہہ تیغ ہوگئی مگر انہوں نے ضیاء الحقؒ سے ذاتی تعلق کے باوجود متبادل کمرشل جگہ حاصل کرنے سے دوٹوک پہلوتہی اختیار کی۔

Marfat.com

حالانکہ یہ ان کا حق تھا۔ مولانا کے اس کردار اور بے لوثی نے خاکسار کی زندگی کو بہت متاثر کیا ہے۔ خاکسار میں دولت سے بے رغبتی، مواقع ملنے کے باوجود رہی ہے۔ حقیقت میں مالی فوائد سمیٹنے سے پہلوتہی کا یہ بیج مولانا کی صحبتوں سے میری زندگی میں داخل ہوا۔ اگرچہ اس میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ کی ذاتی محبت اور ابوبکر غزنویؒ کے فقیرانہ رویّے کی خوشبو بھی شامل ہے، مگر اصل رنگ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کا ہی ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مولانا عبدالرحیم اشرفؒ تاریخ کے نازک ترین لمحوں میں جنرل ضیاء الحقؒ کے اقتدار میں ان کے ایک ایسے عالی ظرف مشیر اور بے لوث مصاحب تھے جنھوں نے مالی، معاشی، سیاسی، سماجی اور معاشرتی فوائد سمیٹنے کی بجائے اقتدار سے تعلق کو لوجہِ اللہ نبھایا۔ حکومتی اقدامات سے اسلامی و دینی مقاصد کو بھرپور طور پر حاصل کیا اور اس سلسلے کے تمام مصارف، ذاتی ذرائع آمدن سے برداشت کیے۔ مولانا کی کامیابیوں میں ہمیشہ ان کے وسیع المشربی کے رویّے کے ساتھ ساتھ وسعتِ نظری اور وسیع دسترخوان کا بھی ایک بنیادی کردار ہے۔ مولانا کبھی کبھار مایوسی کا شکار بھی نظر آتے تھے، مگر مقاصد کے حصول تک جدوجہد ان کا ہمیشہ وطیرہ رہا۔

سچی بات یہ ہے کہ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ ایک عہد تھے، عہد ساز تھے، بظاہر فردِ واحد تھے مگر قوتِ ارادی کا پیکر اور عملِ مسلسل کی زندہ تصویر تھے۔ کاش ہمارے علمائے کرام ان کے نقوشِ زندگی سے روشنی حاصل کرتے رہیں اور معاشرے میں اپنے مقام کو مزید بہتر بنانے کی عملی جدوجہد جاری رکھیں۔

Marfat.com

پیکر خلوص و محبت

کمال سالار پوری مرحوم ☆

1953ء کے آخر میں محترم چودھری عبدالحمیدؒ اور راقم الحروف، ضلع لاہور کے ایک گاؤں میں ایک شادی میں مدعو تھے۔ وہاں اتفاقیہ ہماری پہلی ملاقات ہوئی۔ غائبانہ تو ایک دوسرے سے پہلے سے متعارف تھے۔ یہ ملاقات بڑی تفصیلی تھی۔ چودھری عبدالحمید مرحوم کو یہ معلوم نہ تھا کہ میں بھی جماعت سے متعلق ہوں۔ باتوں باتوں میں انہوں نے استفسار کیا کہ جماعت اسلامی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں جماعت سے 43ء سے متعلق ہوں، تو وہ اٹھ کر بے ساختہ لپٹ گئے اور بے حد خوش ہوئے۔ اس وقت چودھری عبدالحمید مرحوم اشرف میڈیکل ہال میں مولانا عبدالرحیم اشرف مرحوم کے ساتھ شریک تھے۔ انہوںؒ نے بتایا کہ ہم جلد ہی لائل پور سے ایک اخبار نکال رہے ہیں۔ ہم آپ کے صحافتی تجربات سے فائدہ اٹھائیں گے۔ میں اس وقت کچھ گھریلو مسائل کی وجہ سے روزنامہ ''جنگ'' کراچی میں چند ماہ کام کر کے گھر آ گیا تھا اور کسی اخبار سے تعلق نہ تھا، اس لئے وعدہ کر لیا کہ جب آپ فرمائیں گے، میں لائل پور آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ 1954ء کے شروع میں محترم چوہدری قدرت علی جو جناب مصطفیٰ صادق کے برادرِ اکبر تھے، میرے پاس سید پور تھانہ کھڈیاں پہنچے، جہاں میں اپنے بعض عزیزوں کے ساتھ ابتداء میں آباد تھا، اور آتے ہی حکم دیا کہ پندرہ منٹ میں تیار ہو کر

☆ سابق رکن وفاقی مجلس شوریٰ۔ سابق سب ایڈیٹر روزنامہ ''اعلان''۔ آپ 18 اگست 2010ء/7 رمضان المبارک 1431ھ کو خالق حقیقی سے جا ملے۔

Marfat.com

میرے ساتھ لائل پور چلو۔ان کے حکم کے مطابق تیار ہو گیا اور ہم کھڈیاں اسٹیشن پہنچے۔اس وقت یہاں سڑکیں نہیں تھیں اور سفر کا ذریعہ صرف ریل گاڑی تھی۔ریل گاڑی سے لاہور ہوتے ہوئے لائل پور پہنچے۔چودھری قدرت علی مجھے چودھری عبدالحمید مرحوم کے گھر پر ان کے حوالے کر کے اپنے گھر تشریف لے گئے۔چودھری عبدالحمید مرحوم نے بڑی محبت اور شفقت کا مظاہرہ کیا اور رات روزنامہ ''اعلان'' کے دفتر ہی میں میرے قیام کا بندوبست کر دیا۔اس وقت روزنامہ ''اعلان'' کا دفتر چودھری عبدالحمید مرحوم کے مکان پر ہی تھا۔چودھری عبدالحمید مرحوم کا مکان کچہری بازار میں تھا۔اسی بازار میں روزنامہ ''غریب'' اور روزنامہ ''سعادت'' کے دفاتر بھی تھے۔دوسرے دن محترم مولانا عبدالرحیم اشرف مرحوم کی خدمت میں چودھری عبدالحمید مرحوم کے ساتھ حاضر ہوا۔چودھری عبدالحمید مرحوم نے راقم کا غائبانہ تعارف کرایا ہوا تھا۔محترم مولانا جس شفقت و محبت کے ساتھ بغل گیر ہوئے،اس محبت کے اثرات اب تک دل پر نقش ہیں۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
شائد کہ تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

محترم مولانا بیشتر وقت اپنے مطب پر ہی گزارتے تھے۔روزنامہ ''اعلان'' اختر رانا صاحب سے جماعت اسلامی لائل پور نے خرید لیا تھا۔راقم نے اپنی ذمہ داری سب ایڈیٹر کے طور پر سنبھال لی تھی،تاہم ہر دوسرے تیسرے روز حاضری کا موقع ملتا رہتا تھا۔چند روز کے بعد راقم الحروف کو جماعت کی وساطت سے غلام محمد آباد میں کرایہ پر مناسب مکان مل گیا تھا اور راقم اپنے بیوی بچوں اور والدہ مرحومہ کے ہمراہ وہاں چلا گیا تھا۔میرے ایک بیٹے (یوسف جمیل) کا ڈیڑھ سال کی عمر میں وہیں انتقال ہوا اور وہیں قبرستان میں دفن ہوئے۔محترم مولانا عبدالرحیم اشرف مرحوم اور چودھری عبدالحمید مرحوم سمیت پوری جماعت نے میرے اس صدمہ میں جس محبت کا مظاہرہ کیا،وہ بے مثال تھا۔

تھوڑے دنوں کے بعد مرکزی مجلس شوریٰ،جماعت اسلامی پاکستان کا اجلاس

Marfat.com

ہوا جس میں غالباً روزنامہ ''اعلان'' کے لئے مالی تعاون کا مسئلہ پیش ہوا تھا اور مرکز نے مالی امداد دے دی تھی۔ راقم بھی ان دنوں گھر آیا ہوا تھا۔ جب واپس گیا تو معلوم ہوا کہ روزنامہ ''اعلان'' کا دفتر چودھری عبدالحمید مرحوم کے مکان کی بجائے کرایہ کے دفتر میں منتقل ہو گیا ہے۔ میں نے آ کر چودھری عبدالحمید مرحوم سے عرض کیا کہ دفتر کرایہ پر لینے کی کیا ضرورت تھی، جبکہ یہاں آپ کو بھی کوئی تکلیف نہ تھی۔ یہ بلا وجہ مالی بوجھ آپ نے اپنے اوپر لادا ہے۔ انہی دنوں جب دفتر چودھری عبدالحمید مرحوم کے مکان میں تھا تو ایک روز مولانا عبدالرحیم اشرف مرحوم اور چودھری عبدالحمید مرحوم نے مجھ سے پوچھا کہ ایک روزنامہ کو کامیاب کرانے کے لئے کتنا سرمایہ درکار ہے؟ میں نے عرض کیا، میرے خیال کے مطابق کم از کم ایک لاکھ روپیہ درکار ہے۔ وہ دونوں بزرگ چونک پڑے اور فرمانے لگے، ایک لاکھ روپیہ؟؟......... میں نے عرض کیا کہ اگر ایک سال تک خریدار اور ایجنسیاں رقم نہ بھی دیں تو بھی آپ اخبار اپنے معیار کے مطابق پابندی سے چلاتے رہیں، تب ہی عوام میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اب یہ اخبار چل نکلا ہے اور اس کے بند ہو جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔ ورنہ لوگ خریدار نہیں بنتے کیونکہ کئی اخبار جاری ہوئے اور بند ہو گئے۔

میرے اس اعتراض پر کہ یہ کرایہ کا دفتر لینا میرے نزدیک درست فیصلہ نہیں، چودھری صاحب مرحوم نے فرمایا کہ یہ مولانا محترم کا فیصلہ ہے اور ہم ان سے اختلاف بھی کرتے ہیں تو ادب سے ہی کرتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کرتے کہ ان کے فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیں۔ اس لئے ہم نے یہ فیصلہ منظور کر لیا، ورنہ مجھے تو اپنے مکان میں ''اعلان'' کے دفتر سے کوئی تکلیف نہ تھی۔ میں نے مولانا محترم سے اس حوالے سے براہ راست بات نہ کی۔ ان کے ساتھ تقریباً دو سال کام کیا۔ بہت زیادہ بے تکلفی تو نہیں تھی، لیکن اس پورے عرصہ میں مجھے یاد نہیں پڑتا کہ ان کی محبت اور شفقت میں، میں نے کبھی بھی کمی محسوس کی ہو۔

1955ء کے جماعت اسلامی کے سالانہ اجتماع میں دونوں بزرگ ایک ہفتہ

Marfat.com

پہلے کراچی تشریف لے گئے، کیونکہ مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس تھا اور سالانہ اجتماع بھی کراچی کے ککری گراؤنڈ میں ہونا تھا۔ روز نامہ ''اعلان'' کے اجتماع نمبر کی تیاری اور اشاعت کی ساری ذمہ داری میرے اوپر ڈال گئے تھے۔ میں اجتماع نمبر مرتب کر کے اور چھپوا کر کراچی لے کر گیا اور شریکِ اجتماع ہوا۔ روز نامہ ''اعلان'' تھوڑے دنوں کے بعد بند کر دیا گیا اور راقم لائل پور (حال فیصل آباد) سے واپس گھر آ گیا۔

1954ء میں جماعت اسلامی اور مولانا مودودیؒ کے خلاف دینی راہنماؤں کی طرف سے مخالفت کا طوفان اٹھایا گیا تھا۔ بے بنیاد الزامات پر مشتمل بیانات روزانہ آ رہے تھے۔ فکاہی کالموں میں مولانا اور جماعت کے خلاف بہت کچھ آ رہا تھا۔ ایک روز مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے فرمایا کہ کمال صاحب! آپ بھی طنزیہ و مزاحیہ اشعار میں کبھی کبھار ان کو جواب دیا کریں۔ اس وقت ایک طنزیہ نظم روز نامہ ''اعلان'' میں شائع ہوئی تھی جو فی البدیہہ کہی گئی تھی، اس کے دو شعر یاد ہیں۔

یہ کس مردِ مجاہد کی صدا گونجی جسے سن کر
زمانہ ساز لوگوں کا بہت ہی حال ابتر ہے
ادھر بزم نوا[1] پر یوں گری ہے برق بربادی
کہیں لق لق[2] کا طبلہ ہے کہیں میکش[3] کا ساغر ہے

اس طنزیہ نظم سے مولانا عبدالرحیم اشرفؒ بہت خوش ہوئے۔ مخالف اخبارات ہفتہ بھر، اس کے جواب میں لکھتے رہے۔ غالباً ''سعادت'' نے لکھا تھا کہ جماعت اسلامی والے حاجی لق لق کو طبلہ سمجھ کر بجاتے ہیں اور مولانا مرتضیٰ احمد میکش کو ساغر سمجھ کر اُچھالتے ہیں۔

جب میں گھر آ گیا تو بھی مولانا مرحوم سے رابطہ نہیں ٹوٹا۔ قصور شہر میں غالباً

---

[1] روز نامہ نوائے وقت و نوائے پاکستان۔ [2] حاجی لق لق جو نوائے وقت میں تھے۔
[3] مرتضیٰ احمد خان میکش جو نوائے پاکستان میں لکھتے تھے۔

Marfat.com

ان کی کوئی رشتہ داری تھی، تین بار ان سے قصور میں سرِ راہ ملاقات ہوئی۔ پھر جب 1982ء میں جنرل ضیاء الحق ؒ کی حکومت میں مجلس شوریٰ بنائی گئی، تو راقم الحروف کو بھی مجلس شوریٰ میں نامزد کیا گیا۔ 1977ء کے انتخابات میں چونکہ میرے باسٹھ ہزار ووٹ تھے اور پی پی پی امیدوار کے سنتالیس ہزار، اس لئے راقم کو شوریٰ میں لیا گیا۔ مجلس شوریٰ کے پہلے اجلاس ہی میں مولانا عبدالرحیم اشرف مرحوم سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ضمناً یہ بھی فرمایا کہ میں نے جنرل ضیاء الحق ؒ سے کہا تھا کہ قصور سے کمال سالار پوری کو ضرور شامل کریں، وہ میرے دوست بھی ہیں اور ضلع قصور کے بہت مؤثر آدمی ہیں۔

مجلس شوریٰ کے اجلاسوں میں ان سے چار پانچ ملاقاتیں یاد ہیں، جماعت اسلامی سے اختلافات اور علیحدگی کے بعد میرے ساتھ ان کے تعلقات اسی طرح رہے، اگرچہ میں ان کے اختلافات سے شدید اختلاف رکھتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ مجھ سے اسی طرح محبت کرتے رہے۔ حق تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

Marfat.com

آسمانِ علم وعمل کا درخشاں ستارہ

عبدالرحمان عاجز مالیر کوٹلویؒ ☆

آسمانِ علم وعمل پر درخشاں ستارہ غروب ہوگیا، جس کی روشنی میں بہت سے جادہ پیما منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لئے رواں دواں تھے، جس کے قلب کے بحرِ ذخار میں جب طوفان آتا، تو نہ معلوم کس قدر ہیرے، جواہرات، موتی، صدف وغیرہ زبان کے کنارے پر آکر بکھر جاتے...... اور ناظرین بعجلت ان سے اپنی جھولیاں بھر لیتے، اور بصد مسرت اپنے گھروں کو لوٹتے۔ پھر وہ یہ ہیرے جواہرات اپنے دوستوں کو بھی دکھلاتے، ان کے حصول کے لئے ان میں بھی خواہش پیدا ہوتی، چنانچہ آئندہ جمعہ کے خطبہ میں وہ بھی شامل ہوتے۔ اس طرح ہر جمعہ، مسجد میں سامعین کا اضافہ ہوتا رہتا۔ میں خود نثار کالونی کا باسی، اتنی دُور سے خطبۂ جمعہ کی سماعت کے لئے منشی محلّہ کی جامع مسجد میں آتا۔ آپ کا خطبہ جامع، مؤثر، بلیغ، مناسب اور مقررہ وقت میں ختم ہو جاتا۔ سننے والوں کی طبیعت پر، بار نہ ہوتا۔

طبابت کے سلسلہ میں آپ ایک ماہر حکیم تھے۔ مجبور مریض کو لُوٹتے نہ تھے، غرباء کو دوا عموماً مفت دے دیتے تھے۔ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

رب کائنات کا یہ اعلان ہے:

اَیۡنَمَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَةٍ.

(تم جہاں کہیں ہوگے، موت تمہیں پالے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں میں کیوں نہ ہو۔)

☆ نامور دینی مصنف، شاعر اور ناشر۔ بانی دارالکتب رحمانیہ، فیصل آباد۔ مولانا مرحوم 3 مارچ 1999ء کو خالقِ حقیقی کے حضور جا پہنچے۔

Marfat.com

موت سے بھاگنا نہیں ممکن
موت سے موت کو فرار نہیں

لیکن آہ، اُف، ہائے

اُٹھا سکیں نہ کبھی جن کو اپنے پہلو سے
جنازے کس طرح اُن کے اٹھائے جاتے ہیں

دنیا میں ہر انسان یہاں سے جانے کے لئے آیا ہے۔ جانا ہی جب یاد نہیں، پھر آنا بھی ناکام گیا۔ آنے والا جائے گا۔ آخر صبح گیا یا شام گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیثِ پاک اپنی انگوٹھی میں نگینہ کی جگہ لکھوا کر لگا رکھی تھی۔ یَنْظُرُ اِلَیْهِ وَ یَبْکِیْ اس کی طرف دیکھتے اور رو پڑتے۔ حدیث یہ ہے: کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظاً۔ (دوسرے کی موت مکمل وعظ ہے۔)

ہمیشہ منتقل ہوتی ہے چلی آتی ہے آپس میں
وہ جنسِ موت ہے جو ابنِ آدم کی وراثت ہے

موت کا ذکر، آخرت کی فکر اور اس کے لئے تیاری، بس یہی عقلمندی اور خوش بختی کی علامت ہے۔ جیسا کہ آپؐ نے فرمایا: اَکْثِرُوْا ذِکْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ (لذتوں کو توڑنے والی موت کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔)

نیز فرمایا: اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ (عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو ناجائز خواہشات سے روک کر رکھتا ہے اور موت کے بعد جو آخرت آ رہی ہے اس کے لئے تیاری کر رہا ہے)...... آخرت تو آئی، بس آئی، چہرے کی آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے، دل کی آنکھیں کھول دی جائیں گی، نامۂ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا۔ حکم ہوگا: اقرأ، اسے پڑھ، کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا (آج تیرا نفس اپنا فیصلہ کرنے کے لئے خود ہی کافی ہے)

مولانا حکیم صاحب کے علم و عمل سے بہت لوگ مستفید ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

رحمتِ واسعہ سے قوی اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے خصوصی اعلیٰ و بالا انعامات و اکرامات سے نوازا ہوگا۔ دعا ہے کہ وہ ذات اقدس، رؤف و رحیم ہمیں جنت الفردوس میں انبیاء و اولیاء و شہداء و اصفیاء و اصدقاء و اتقیاء کی مجلسیں نصیب فرمائیں اور اپنے دیدارِ رشکِ بہار سے سرفراز فرمائیں جو جاں ساز بھی ہوگا اور دل نواز بھی، اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر سب سے بڑا اعزاز ہوگا۔ آخر میں دعا ہے اور یہ دعا مکہ مکرمہ میں جاری رہے گی O۔ اللہ تعالیٰ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف مرحوم کی سیئات سے درگزر فرمائیں اور حسنات کو شرفِ قبولیت سے نواز کر علیین میں بلند سے بلند درجات عطا فرمائیں۔ آمین

O مولانا عبدالرحمٰن عاجز مرحوم نے متذکرہ بالا تحریر 5 راکتوبر 1996ء کو مکہ مکرمہ سے ارسال کی تھی۔

Marfat.com

اشرف بھی، ممتاز بھی

ادیب جاودانی ☆

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف مرحوم نے بہت بھرپور اور کامیاب زندگی بسر کی۔ بلکہ یہ کہنا قطعی بجا ہوگا کہ ان کی پوری زندگی جدوجہد اور معرکہ آرائی سے عبارت تھی۔ زندگی کے مختصر لمحات کا جو شاندار مصرف ان کے حصہ میں آیا، اس کے بارے میں یہ کہنا درست ہے کہ

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

اشرف صاحب واقعی ایک ہمہ جہتی شخصیت بھی تھے اور ہمہ صفت موصوف انسان بھی۔ انہوں نے بیک وقت کئی محاذوں پر گراں مایہ خدمات انجام دیں اور حق یہ ہے کہ حق ادا کردیا۔ وہ واقعی اشرف بھی تھے اور منفرد و ممتاز بھی۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ انہوں نے اپنے نام (عبدالرحیم) کے ساتھ ''اشرف'' کا لاحقہ کیوں لگایا؟ لیکن یہ میں جانتا ہوں کہ انہوں نے یہ اپنا ''اشرف'' ہونا ثابت کر دکھایا۔

صحافت میں، طب میں، علم و تعلیم میں مولانا کی خدمات گراں قدر ہیں۔ پھر کمال یہ ہے کہ انہوں نے جس شعبے کا بھی رخ کیا، اسے اسلام کے رنگ میں رنگ دیا۔ حقیقتاً اسلام ان کی گھٹی میں پڑا تھا یا ان کے رگ و پے میں لہو بن کر دوڑتا تھا۔ سو وہ جس کوچہ کی طرف بھی نکلے، اس میں کھو جانے کی بجائے اسے اپنے رنگ میں ڈھالا، جہاں بھی گئے داستان چھوڑ آئے، یہی نہیں بلکہ اپنا نقش بھی ثبت کر آئے۔ ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما۔

☆ صدر آل پاکستان پرائیویٹ سکولز منیجمنٹ ایسوسی ایشن۔ ممتاز صحافی اور کالم نگار۔ چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''مون ڈائجسٹ'' لاہور۔

Marfat.com

مولانا ہفت روزہ المنبر، پندرہ روزہ ''خبر نامہ طب'' اور ماہنامہ ''راہنمائے صحت'' کے چیف ایڈیٹر تھے۔ ان تینوں پرچوں میں ان کے خصوصی موضوعات کی پوری پابندی کے ساتھ ساتھ ہمیں اسلام کی گہری چھاپ بھی نمایاں ملتی ہے اور لطف یہ کہ وہ ہرگز بھی اجنبی یا آوردہ چھاپ نہیں، بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان موضوعات کے اندر سے اس نے خود بخود اور بے ساختہ جنم لیا ہے۔ ان کی زندگی اسلام کا مرقع تھی تو ان کی سرگرمیاں بھی، حتیٰ کہ ذریعۂ معاش بھی اسلام کی تصویر پیش کرتا ہے۔

حکیم عبدالرحیم اشرفؒ اپنے قد کاٹھ سے کہیں زیادہ بلند و بالا شخصیت تھے۔ ان کے طور و اطوار اور کردار میں ایک ''مومن کی شان اور آن بان تھی۔ وہ جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثِ پاک ہے کہ مومن ہلکا پھلکا اور نرم رو ہوتا ہے یعنی وہ زمین پر بوجھ نہیں ہوتا'' تو مولانا اشرف اس کی نہایت خوبصورت اور عملی تفسیر تھے۔ جہدِ مسلسل کی زندگی ان کے حصہ میں آئی تھی یا انہوں نے خود زندگی کو جہدِ مسلسل بنا دیا تھا، دونوں ہی باتیں سچ ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ برائیوں سے بچنے کے لئے نیکیوں کی مصروفیات اتنی زیادہ ہونا چاہئیں کہ اِدھر اُدھر بھٹکنے کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ میرا خیال ہے کہ مولانا اشرف نے اسی نظریہ و فلسفہ کے تحت اپنے شب و روز ترتیب دیئے تھے۔ اسی ترتیب میں نیکی کے لئے تو ہر گنجائش موجود تھی لیکن بدی کو کہیں سے بھی گھسنے کا موقع دستیاب نہیں تھا۔ انسان کے اعمال کا معاملہ تو بے شک اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے لیکن بعض انسانوں کے اعمال، خلقِ خدا کے لئے ناقابلِ فراموش ہوتے ہیں۔ مولانا ایسی ہی شخصیتوں میں سے ایک تھے، چنانچہ ان کے بنا کردہ یادگار ادارے، بندگانِ خدا کو ہمیشہ ان کی یاد دلاتے رہیں گے۔ اسلام اگر ان کی زندگی کی روحِ رواں تھا تو انہوں نے خود زندگی کو بھی ایک مشن بنا ڈالا تھا، اور یہ مشن تھا، نفاذِ اسلام کی منزل۔ انؒ کا تمام سفر اسی منزل کے لئے تھا اور یہی ان کا اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا۔

انہوں نے جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ قائم کیا تو اسے بھی ایک مثال بنا دیا۔ دینی

Marfat.com

علوم کے ساتھ جدید تعلیم کا اہتمام اب تو بہت سے ادارے کرنے لگے ہیں لیکن اس کی طرح مولاناؒ نے ڈالی۔ اس درس گاہ کے لئے مولانا عبدالغفار حسنؒ کو فیصل آباد بلایا گیا اور پھر ان دونوں نابغۂ روزگار ہستیوں نے جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کو ایک مینارۂ نُور بنا ڈالا۔ بعدازاں یہ شرف بھی اشرف صاحب کو حاصل ہوا کہ انہوں نے جامعہ طبیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ طبِ یونانی اور طبِ مشرق وغیرہ کی اصطلاحات تو مدت سے سُنی جاتی تھیں، لیکن طبِ اسلامی کو فروغ دینا مولانا اشرف کے حصہ میں آیا۔

حقیقتاً مولانا عبدالرحیم اشرفؒ ایک بلند پایہ مسلم دانش وَر اور اعلیٰ درجہ کے تنظیم کار تھے۔ ''تنظیم کار'' کی یہ لفظی ترکیب میں نے بہت سوچ سمجھ کر استعمال کی ہے۔ اس کا جو بھرپور اطلاق مولانا کی ذات پر ہوتا ہے، اور بہت کم لوگوں پر ہوتا ہے۔ ہمدرد دواخانہ کے حکیم محمد سعید شہید بھی یقیناً بڑے تنظیم کار تھے اور اپنی اس صلاحیت سے انہوں نے عظیم ادارے بھی قائم کئے اور چلائے، لیکن انہیں یہ شکایت تھی کہ پاکستان میں ان کی صلاحیتیں پوری طرح بروئے کار نہیں آ سکیں۔ اس کے عین برعکس حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کی تمام تر صلاحیتیں نہ صرف بروئے کار آئیں، بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ صرف پاکستان کے لئے بروئے کار آئیں اور پاکستان کے لئے ہی بروئے کار آ سکتی تھیں۔ انہوں نے اپنے لمحاتِ حیات کو بہت سوچ سمجھ کر استعمال کیا اور جس کام پر ہاتھ ڈالا اسے مکمل کر کے چھوڑا۔

دینی خدمات کے سلسلہ میں قادیانیت کے خلاف مولانا کا جہاد بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کون جانے کہ اس قلمی و علمی جہاد سے کتنے لوگوں کے دلوں میں ایمان کی شمعیں فروزاں ہوئی ہوں گی۔ اپنی زندگی میں مولانا نے ختمِ نبوت کے لئے سرگرمیوں پر خصوصی اور بے پناہ توجہ دیئے رکھی۔ اس ضمن میں ان کا جو کام ہے وہ یادگار ہے۔ سیاست کا آغاز مولانا نے جماعتِ اسلامی سے کیا تھا ○ اسے خیرباد کہنے کے بعد وہ

○ جماعت اسلامی میں شمولیت سیاست میں سرگرم عمل ہونے کے لئے نہ تھی۔ اس کا واحد مقصد اقامتِ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔ (ز......ا)

Marfat.com

اس کوچہ کی طرف نہیں آئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سیاست سے تائب ہو گئے تھے۔ اصل میں اپنے ڈھب کی اور مشن کی سیاست کرتے رہے۔ مگر وہ انگریزی اصطلاح میں Active Politics سے کنارہ کش ہو گئے۔ جماعت چھوڑنے والے بعض دوسرے حضرات نے بھی یہی راستہ اختیار کیا تھا۔ ان میں مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم اور مولانا عبدالغفار حسنؒ کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں۔

راقم کو خود بھی مولانا اشرفؒ سے نیازمندی کا شرف یوں حاصل ہے کہ میں نے اپنی صحافت کا آغاز فیصل آباد سے ہی کیا تھا۔ روزنامہ ''وفاق'' لاہور اور روزنامہ ''جسارت'' کراچی کے لئے میں خاصا عرصہ کام کرتا رہا۔ ''وفاق'' کے چیف ایڈیٹر جناب مصطفیٰ صادق، مولانا اشرفؒ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ وہیں میں نے مولانا کو دیکھا۔ ایک بہت میٹھی، دھیمی مسکراہٹ ان کے لبوں پر کھیلتی رہتی تھی۔ ذاتی طور پر مولانا بہت ملن سار، خوش اخلاق اور شریف النفس انسان تھے۔ اور اب جب وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں تو میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ

حق مغفرت کرے، عجب آزاد مرد تھا

Marfat.com

مردم شناس

عابد کمالوی☆

انسان دنیا کے کھیل تماشوں میں اتنا اُلجھ جاتا ہے کہ اسے اپنی روح کو تازہ کرنے، دل کو زندہ رکھنے، آنکھ کو اشک بار کرنے اور آہ کو تاثیر بخشنے کے لئے کسی صاحبِ درد، صاحبِ نظر کی محبت میں بیٹھنے کا وقت بھی نہیں ملتا اور جب وہ شخصیت دنیا سے رخصت ہوتی ہے تو محرومی کے علاوہ کچھ نہیں رہ جاتا۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔ ملازمتی مجبوریاں اور مصروفیات ہمیشہ آڑے آتی رہیں۔ وہ لوگ جو اس کام میں محنت کر رہے ہیں، بہت خوش قسمت، چنے ہوئے لوگ ہیں اور جنہوں نے اپنی زندگیاں اس میں کھپا دیں وہ یہ کہتے کہتے اپنے اللہ کے پاس چلے گئے۔

میری زندگی کا مقصد ترے دین کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں، میں اسی لئے نمازی

ممتاز عالم دین، شہرۂ آفاق طبیب، حق گو صحافی، منفرد دانش ور مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کا شمار ایسے اللہ والوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی پوری زندگی اللہ کے بندوں اور اس کے دین کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی۔

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

میں تو یہ کہوں گا کہ وہ دنیائے طب کے عبدالستار ایدھی تھے۔ زاہد شب زندہ دار، اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کی عملی تصویر، گفتار، لباس، کردار دین کے سانچے میں ڈھلا ہوا۔

☆ سابق ڈائریکٹر، نظامتِ تعلقاتِ عامہ، فیصل آباد۔ ممتاز دانش ور اور کالم نگار۔ ایڈیٹر روزنامہ صدائے وطن، لاہور

Marfat.com

لہجہ نرم و گداز، نفیس انداز، مردم شناس، رمز شناس، نبض شناس، وضع دار، طبِ اسلامی کے خدمت گار، تہجد گزار، خود دار، اللہ کے شکر گزار، صاحب خشوع و خضوع، ہر قسم کے مسلکی تعصب سے بالا۔ مرحوم سے اس فقیر کی ایک ہی ملاقات کئی نشستوں پر مشتمل تھی۔ مولانا نے جولائی اور اگست 1971ء میں جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ میں ایک تبلیغی و تربیتی کورس کا اہتمام کیا تھا۔ میں، رانا اخلاق اور عبدالطیف، مسجد مبارک جامع اہل حدیث کمالیہ سے اس تربیتی پروگرام میں خصوصی طور پر شرکت کے لئے اس وقت کے لائل پور گئے تھے۔ قیام، جامعہ سے ملحقہ طبیہ کالج کے ہاسٹل میں تھا۔ قیام و طعام کا تمام بندوبست جامعہ کے ذمہ تھا۔ گویا شرکائے کورس اور اس میں تشریف لانے والے جیّد علماء، فقہاء، مفتی اور محقق، مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کے مہمان تھے۔ جبھی تو مولانا اپنے تمام مہمانوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ وہ گاہے گاہے ہماری قیام گاہوں کا دورہ کر کے انتظامات کا جائزہ لیتے۔

راقم کو گلے کی خرابی کا عارضہ بچپن سے ہے، ان دنوں بھی طبیعت خراب ہوگئی۔ مولانا نے نبض دیکھی اور اشرف لیبارٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ کی تیار کردہ ادویات دیں۔ میں نے بایاں ہاتھ آگے بڑھایا تو مولانا نے دائیں ہاتھ میں پکڑی دوائیاں پیچھے ہٹاتے ہوئے فرمایا، دائیں ہاتھ سے پکڑیں۔ بعد میں خاکسار نے اصحاب الیمین کے بارے پڑھا۔ دائیں ہاتھ، دائیں جانب سے کام شروع کرنے، کھانے پینے کی فضیلت قرآن و حدیث سے پتہ چلی تو اندازہ ہوا کہ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ خود بھی پابندِ شریعت تھے اور اپنے شاگردوں، ملاقاتیوں اور مریضوں کو بھی اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین و ترغیب کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔

یہ بھی کیا دن تھے؟ تب جامعہ کا کیمپس ہرے بھرے کھیتوں، درختوں اور سبزے میں گھرا ہوا تھا۔ اس دل نشین ماحول میں جسمانی اور روحانی تربیت کا اہتمام جس حسنِ ترتیب، توجہ اور محنت سے کیا گیا تھا وہ صرف مولانا مرحوم کا خاصہ ہے۔ کئی ایک نامور اہل علم نے اس تربیت کے دوران کسبِ فیض کرنے والوں پر علم و عرفان، بصیرت و معرفت

Marfat.com

کے جو موتی لٹائے، اُن سے قیمتی اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ ان اساتذہ کرام میں جناب مفتی محمد شفیعؒ، مولانا محمد تقی عثمانی، ڈاکٹر سید محمد عبداللہؒ، مولانا سمیع الحق آف اکوڑہ خٹک، حضرت مولانا محمد حنیف ندویؒ، مولانا عبدالغفار حسنؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہؒ (جھال خانوآنہ والے)، مولانا عبدالرحیم اشرفؒ، مولانا صاحبزادہ عبدالرحمٰنؒ، جامعہ اشرفیہ لاہور، مولانا جمیل احمد تھانویؒ، مفتی زین العابدینؒ، مولانا عبدالمجید نابیناؒ بی اے، حافظ نذر محمدؒ پرنسپل شبلی کالج، ڈاکٹر اسرار احمدؒ، پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ، مولانا محمد اسحاق سندیلویؒ، حضرت مولانا حافظ محمد یحییٰؒ، مولانا تاج محمودؒ، خان انعام اللہ خانؒ جنرل سیکرٹری (اس وقت) موتمر عالمِ اسلامی اور دوسرے عمائدین شامل تھے۔

آج اس پروگرام کو گزرے 46 سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے، اس عرصہ میں یہ فقیر نگر نگر پھرا ہے، اپنا اثاثہ اٹھائے۔ بہت سا سامان ٹوٹ گیا لیکن اس پروگرام کے نوٹس بفضلہٖ تعالیٰ محفوظ ہیں۔ اگرچہ اس وقت ایف اے کا طالب علم تھا، کئی باتیں اوپر سے گزر جاتی تھیں، لیکن ایک دینی خانوادے میں پیدا ہونے کی وجہ سے دینی ماحول ملا۔ والد صاحب ہمیشہ اس سلسلے میں حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ اس لئے اس تربیتی پروگرام میں شرکاء کی طرف سے پیش کیے گئے تاثرات نثر میں تو تھے ہی، بطور شاعر ''تربیتی کیمپ کی آواز'' کے عنوان سے 28 جولائی 1971ء کو جو نظم وہاں پیش کی وہ قلم برداشتہ تھی، جو یہاں من و عن پیش ہے:

دین حق کے راستوں کی جادہ پیمائی کے بعد
تم کو آغوشِ نبوتؐ میں جگہ مل جائے گی
ہر طرف سے اُٹھ رہی ہیں ''سازشیں اشرار'' کی
تم نے گر روکا نہ انہیں آگ اک لگ جائے گی
گلشن اسلام کو اب سینچنا ہے خون سے
سرخیٔ خوں دیکھنا پھر رنگ اپنا لائے گی
میں ''دبستانِ صحابہؓ''، ہوں مرے ماحول میں

Marfat.com

ہر طرف سے ''قالَ قالَ'' کی صدا ہی آئے گی
فی سبیل اللہ جھیلو مشکلیں جتنی بھی ہیں
ہمّتِ پیہم تمہاری رائیگاں نہ جائے گی
کفر کے مدِمقابل باندھ لو اپنی صفیں
کفر کی شیطانی قوّت مات تم سے کھائے گی
چھین لو تم رہزنوں سے بڑھ کے مِلّت کی مہار
پھر تو اے عابد یہ دُنیا گن تمہارے گائے گی
مرزائیت ، صیہونیت ، سوشلزم کچھ بھی ہو
مِلّتِ بیضا نہ ہرگز دھوکہ ان سے کھائے گی
جو بھی آئے گا ہماری راہ میں کٹ جائے گا
بچہ بچہ دعوت و تبلیغ پر ڈٹ جائے گا

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی دینِ اسلام کے لئے بے پایاں خدمات ریکارڈ پر ہیں۔ پندرہ روزہ المنبر کے متعدد شمارے عالمِ کفر کے بطلان و شر کو مٹانے، معاشرے سے کبیرہ گناہوں کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتے رہے۔ ماہنامہ ''راہنمائے صحت'' کے ذریعے طبِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو طبِ اسلامی بھی ہے، کی ترویج کے لئے جو کام مولانا نے کیا وہ تاریخ طب میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ مولانا ایک وضع دار، سادہ اور دھیمے انسان تھے۔ وہ ریاکاری اور بناوٹ سے ہمیشہ دور بھاگتے، دین کے لئے جو بھی خدمات سرانجام دیں اُن میں للّٰہی جذبہ کارفرما رہا۔ سینکڑوں طلبہ جو تعلیم کے اخراجات برداشت نہ کر سکتے تھے، مولانا کی بے لوث شخصیت کی بدولت آج دین، طب، فلسفہ و تحقیق کی دنیا میں نام پیدا کر چکے ہیں۔ صد شکر کہ آج مولانا مرحوم کے مشن کو ان کے فرزندان زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ طبِ اسلامی کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اُن کی مساعی قابلِ رشک ہیں، اللہ تعالیٰ اِن سلسلوں کو یونہی جاری و ساری رکھیں۔ آمین۔

Marfat.com

پیکرِ علم و حکمت

عبدالستار ☆

حضرت مولانا عبدالرحیم اشرف مرحوم و مغفور سے تو مَیں زمانۂ طالب علمی ہی سے متعارف تھا۔ یہ تعارف ان کے علمی کارناموں، تحریروں اور ان کے رسالے المنبر کے حوالے سے تھا۔ اگرچہ میں ان سے بالمشافہ کبھی نہیں ملا تھا، لیکن ان کے تبحرِ علمی کا، مَیں ان کی نگارشات کے حوالے سے اسی وقت سے معترف تھا۔ مولانا کے قلم میں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ قوت رکھی تھی۔ وہ جس موضوع پر بھی لکھتے، اس کا حق ادا کرتے، ان کی تحریر میں بلا کی پختگی تھی اور دلائل و براہین ایسے ثقہ ہوتے تھے کہ دل میں اُترتے جاتے تھے۔ قادیانیت کے رَد، اور اس کی بیخ کنی کے لئے مولانا کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ مولانا عبدالرحیم اشرف صاحبؒ جدید و قدیم علوم دونوں میں مہارت رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے استدلال میں بڑا وزن ہوتا تھا۔ علمی طور پر حضرت مولانا کا قد و قامت بہت بلند ہے اور اپنے علمی کارناموں کی وجہ سے وہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

میری بالمشافہ ملاقات حضرت مولانا مرحوم سے 1983ء میں ہوئی، جب میری پوسٹنگ فیصل آباد میں ہوئی اور میں نے ریڈیو پاکستان فیصل آباد سے دینی تعلیمات کے پروگرام ''الھدیٰ'' کا آغاز کیا۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ اگر کسی شخصیت سے انسان غائبانہ، ان کی تحریروں یا کارناموں کی وساطت سے متاثر ہو تو ملاقات کے بعد اکثر وہ سحر ٹوٹ جاتا ہے۔

☆ سابق پروڈیوسر، پروگرام منیجر اور اسٹیشن ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان، فیصل آباد۔ سابق کنٹرولر عالمی سروس و حالاتِ حاضرہ ریڈیو پاکستان، اسلام آباد

Marfat.com

مگر مجھے یہ بات تحریر کرتے ہوئے بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ جب میں مرحوم سے ملا، انہیں ریڈیو پروگراموں میں مدعو کیا اور ان سے گفتگو ہوئی تو ان کی شخصیت کی دل آویزی میں اضافہ ہوا، کیونکہ میں نے انہیں عالمِ باعمل پایا اور مجھے ان کے علم و عمل میں کوئی بُعد محسوس نہ ہوا۔ ان کی وفات تک متعدد مرتبہ ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے انہیں علمی وقار کا حامل اور اُمتِ مسلمہ کے لئے درد لئے ہوئے، اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے کوشاں پایا۔ وہ اپنی زندگی میں اسلام کو اس خطۂ پاک میں نافذ دیکھنا چاہتے تھے اور اس کے لئے وہ ہر وقت بے چین رہتے تھے۔ ان کی ساری زندگی شاہدِ عدل ہے کہ وہ پوری دیانت داری سے اس مشن میں سرگرداں رہے۔ گویا ان کی تمام زندگی اسلام کے فروغ اور اس کے نفاذ کے لئے وقف تھی۔ اس مقصد کے لئے نہ صرف انہوں نے اپنی زبان اور قلم کا بھرپور طور پر استعمال کیا بلکہ ایک دینی ادارے کا قیام بھی کیا، جس میں دینی و جدید علوم کا حسین امتزاج ہمیں ملتا ہے۔ اس دینی ادارے میں انہوں نے ماہر اساتذہ کی خدمات حاصل کیں اور اس کا ایک اعلیٰ معیار بھی قائم کیا، جو ابھی تک برقرار ہے۔

مرحوم مولانا عبدالرحیم اشرفؒ بنیادی طور پر شعبۂ طب کے ماہر تھے اور حکمت ان کا پیشہ کہیئے۔ اس میدان میں بھی ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ طبِ اسلامی کے فروغ کے لئے انہوں نے بے مثال کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اس سلسلے میں ایک معیاری طبیہ کالج کا قیام، طبّی رسالے کا اجراء، طبّی کانفرنسوں میں باقاعدہ شرکت اور اپنے مفید مشوروں سے اس میں بہتری کے لئے بیشتر اقدامات، ان کی اس شعبے میں مساعیٔ جمیلہ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ادویات کی تیاری اور اس میں ریسرچ کا اعلیٰ پیمانے پر اہتمام اور ماہرینِ طب کو اس مقصد کے لئے اکٹھا کرنا، اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ طبِ اسلامی کو کس سطح پر دیکھنا چاہتے تھے۔ المختصر بحیثیت ماہرِ طب بھی ان کا مقام بہت ارفع و اعلیٰ ہے اور اس شعبے کے افراد ان کی طبّی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔

کسی شخصیت کے مستحکم اور ثقہ ہونے کا دارومدار، اس کے کردار سے ہوتا ہے کہ

Marfat.com

حالات کے دھارے میں وہ بہہ نکلا ہے یا اپنے اصولوں پر قائم رہتا ہے۔ دوسرے اس میں خلوص اور للّٰہیت کتنی ہے۔ جب ہم مولانا مرحوم کی حیات اور اشغال کو دیکھتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے اصولوں پر قائم رہے اور جس چیز کو انہوں نے صحیح جانا، اس پر استقامت سے گام زن رہے اور ان کے پایۂ استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ مولانا مرحوم کی دین کے لئے بے پناہ محبت اور اس میں خلوص کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ انہوں نے جب بھی ریڈیو پر کوئی پروگرام کیا، کوئی تقریر نشر کی یا کسی مباحثے یا مذاکرے میں تشریف لائے تو کبھی اس کا معاوضہ قبول نہ کیا۔ اصرار کرنے پر محکمانہ طریق کا ذکر کرنے کے باوجود فرمایا کہ میں دین کی تعلیمات کے فروغ اور اسلام کی اشاعت کے لئے کوئی معاوضہ حاصل کرنے کو ناجائز سمجھتا ہوں۔ لہٰذا آپ حیران ہوں گے کہ مولانا نے ریڈیو پر درجنوں پروگرام نشر کئے مگر کسی ایک کا بھی معاوضہ قبول نہ کیا اور ارشاد فرمایا کہ میرے معاہدے پر معاوضہ درج نہ کیا جائے، چنانچہ ہم ایسا ہی کرتے رہے۔ ریڈیو پاکستان فیصل آباد میں صرف آپ ہی واحد شخصیت تھے جنہوں نے ریڈیو پروگراموں کے لئے کبھی کوئی معاوضہ قبول نہیں فرمایا اس لئے کہ وہ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ تبلیغِ دین پیغمبرانہ منصب ہے اور وہ لَآ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ پر تاحیات عمل پیرا رہ کر تلمیذِ انبیاء کے منصب پر فائز رہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے اور ہمیں بھی بے لوث خدمت کی توفیق بخشے۔ (آمین)

Marfat.com

تاریخ ساز و تحریک ساز

فقیر محمد ندیم باری ☆

بلاشبہ حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے آدمی تھے اور بڑے آدمی تو اللہ تعالیٰ کا انعام ہوتے ہیں۔ ان کی خدمت اور صحبت میں رہنا بھی ایک سعادت ہوتا ہے۔ میں ان کی رفاقت، دوستی، ہم سَری اور ہم عصری کا دعویٰ کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ ہمارے بزرگ تھے۔ میرا تعلق ان کی ذاتِ گرامی سے عقیدت و احترام اور نیاز مندی کا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ شہرداری اور سیرت نگاری کی بدولت وہ مجھے ہمیشہ خصوصی شفقت سے نوازتے تھے۔ آج بھی ان کا بوٹا سا قد، سمارٹ سراپا اور پُر وقار مسکراتا چہرہ دل میں نقش ہے۔

کہنے کو تو حکیم صاحب فردِ واحد تھے مگر مجموعۂ صفات تھے۔ آپ حکیم محمد سعید اور حکیم نیّر واسطی کے ہم عصر اور ہم سَر طبیب تھے۔ اللہ پاک نے دستِ شفا بخشا تھا کہ طب کو، پیشہ برائے پیسہ، نہیں بنایا، بلکہ حکمت کو خدمت کا درجہ بخشا۔

معروف عالمِ دین تھے مگر تعصب اور تفرقے یا فتوے سے ہمیشہ گریزاں رہے، اس لئے ہر مسلک اور فرقے میں احترام پایا۔ فروغِ تعلیم کی خاطر جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ قائم کیا جس سے دینی، علمی، تعلیمی اور تبلیغی، سارے ذوق پورے ہوئے، مگر شوق کی کوئی حد کہاں ہوتی ہے۔ حکمت کی تعلیم کی خاطر جامعہ طبیہ اسلامیہ قائم کیا۔ تحقیق و ریسرچ کی خاطر اشرف لیبارٹریز جیسا مصدقہ ادارہ قائم کیا جس نے طب و حکمت کو نیا وقار اور تازہ

☆ ریٹائرڈ اسسٹنٹ وائس پریذیڈنٹ یونائیٹڈ بینک، فیصل آباد۔ ممتاز مصنف، سیرت نگار اور دانش ور۔

Marfat.com

اعتبار دیا۔ قلمی جہاد کے ضمن میں دینی رسالہ المنبر اور طبی رسالہ ''راہنمائے صحت'' جاری فرمائے۔ الحمدللہ ان کے قائم کیے ہوئے تمام ادارے جاری و ساری ہیں۔ ان کی ذات کا فیضان چشمۂ فیض بن کر آج بھی لوگوں کو سیراب و شفایاب کر رہا ہے۔ فروغِ اسلام، نظریۂ پاکستان اور انسانیت کے لئے وہ ہمیشہ سربکف رہے اور ہمیشہ فتح یاب ہوئے۔

ان کی بڑی خوش نصیبی یہ ہے کہ انہیں اپنے تمام اداروں کو صحیح اور مفید انداز میں چلانے کے لئے نہایت قابل اور لائق جانشین نصیب ہوئے، میری مراد ڈاکٹر زاہد اشرف سے ہے، جن سے برادرانہ اور دوستانہ تعلق میرے لئے انتہائی قابلِ فخر اور باعث طمانیت ہے۔ وہ ہمارے مولانا کا سب سے قیمتی تحفہ اور گراں قدر اثاثہ ہیں۔

بے شک مولانا اپنی ذات میں انجمن تھے۔ ایک ادارہ تھے اور ایک عہد تھے۔ ایسی تاریخ ساز اور تحریک ساز شخصیت کی ذات و صفات اور کارہائے نمایاں کا احاطہ کرنا ایک مضمون یا ایک مقالے میں ہرگز ممکن نہیں۔ سمندر کو کوزے میں سمیٹنا ممکن کہاں؟ کم از کم ایک ضخیم کتاب میں ان کی خدمات کا اشاریہ/اختصاریہ محفوظ کر لینا چاہیے تاکہ آنے والی نسلیں اس سے روشنی اور راہنمائی حاصل کر سکیں۔

Marfat.com

متین ومتدین

محمد رمضان یوسف سلفیؒ ☆

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ طبقۂ علماء کے اس گروہِ باصفا سے تعلق رکھتے تھے، جو برصغیر کے فحول علماء کرام میں شمار ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور اپنے اوصاف وکمالات کے اعتبار سے علمی وعملی میدان میں بلندتر۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سے اوصافِ حمیدہ سے نوازا تھا۔ وہ عالمِ دین بھی تھے اور مفسّرِ قرآن بھی۔ محدّث بھی تھے اور متکلم بھی۔ صحافی بھی تھے اور خطیب بھی۔ ان کی معلومات کا دائرہ اور مطالعہ کی حدود ہمیشہ وسعت پذیر رہیں۔ حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ دینی علوم میں انہیں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ سیاست کے رموز واوقاف سے بخوبی آشنا تھے۔ اتحادِ امت کے بہت بڑے داعی تھے۔ تمام عمر یہ کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح امتِ مسلمہ کے افراد آپس کے اختلافات چھوڑ کر ایک اسٹیج سے دینِ اسلام کی خدمت کا فریضہ انجام دیں۔ حکیم صاحب ''اہل حدیث'' تھے لیکن ان میں تعصب وعناد نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ بڑے نیک، متورّع، فہیم، ذکی، ملن سار، خوش اخلاق، خوش اطوار اور متین ومتدین تھے۔ وہ جس طرح کی ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے، اسی طرح ان کا فیض بھی عام اور وسیع تھا۔ ان کی کتابِ زندگی کا ہر ورق اس پر شاہد ہے۔

اس رفیع المرتبت عالمِ دین کی زیارت مجھے 23 مارچ 1993ء کو جماعت اہل

☆ ایڈیٹر ماہنامہ ''صدائے ہوش'' لاہور۔ دینی رسائل وجرائد کے ممتاز مضمون نگار۔ 7 دسمبر 2016ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

Marfat.com

حدیث کے جید عالم دین مولانا محمد اسحاق چیمہ رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ کے موقع پر ڈی گراؤنڈ فیصل آباد میں ہوئی۔ وہ نماز جنازہ سے کچھ پہلے ڈاکٹر زاہد اشرف کے ہمراہ تشریف لائے۔ نورانی صورت، کشادہ پیشانی، خوب صورت لمبی داڑھی، تیکھی ناک، کتابی چہرہ، میانہ قد، صاف ستھرا لباس زیب تن، چال پُر وقار، دل میں خلوص کا بحرِ بے کنار، وجاہت و وقار کا پیکر، یہ تھے جناب حکیم عبدالرحیم اشرف۔ میں مدتِ دراز سے اپنے دوست مولانا حکیم ثناء اللہ ثاقب سے ان کے علمی کارناموں کا تذکرہ سنتا رہا تھا، اب جو ان کی زیارت ہوئی تو بے پایاں مسرت ہوئی۔

مولانا حکیم اشرفؒ ضلع امرتسر کے مشہور قصبے ''ویرو وال افغاناں'' میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گرامی کا نام شیخ صدر دین تھا۔ حکیم عبدالرحیم اشرفؒ جب بچپن کی چند منزلیں عبور کر چکے تو انہیں تعلیم کے لئے گاؤں کے سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ 1930ء میں اس گاؤں میں مدرسہ ''دارالعلوم شمسیہ عربیہ'' کا قیام عمل میں آیا۔ حکیم صاحب کے تایا محترم شیخ دین محمدؒ اس کے بانی ارکان میں سے تھے۔ انہوں نے مالی تعاون کے ساتھ ساتھ اپنے گھر سے اس مدرسے کو پہلا طالب علم بھی دیا۔ مولانا عبدالرحیم اشرف اس وقت سکول میں تیسری جماعت کے طالب علم تھے، انہیں بلا کر شیخ دین محمد نے فرمایا: بیٹا عبدالرحیم! سکول کی تعلیم کو ترک کر کے اصل تعلیم کی طرف آؤ، جس میں دنیا و آخرت کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ تایا محترم کی بات ان کے قلب و ذہن میں اثر کر گئی اور انہوں نے اپنا رخ دینی تعلیم کی طرف موڑ لیا۔ دارالعلوم شمسیہ عربیہ میں تدریسی خدمات مولانا عبداللہ امرتسری سرانجام دے رہے تھے۔ وہ مُنڈا پنڈ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے وعظ و تقریر اور درس و تدریس سے اسلام کی بے پناہ خدمت کی۔ توحید کی شمع کو فروزاں کیا اور سنّت کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے اس کا بول بالا کیا۔ مولانا عبداللہ مرحوم اپنے دور کی مثالی شخصیت تھے، تقویٰ و تدین، علوِ اخلاق، عادات و کردار اور عقائد و اعمال میں سلف صالحین کی صحیح تصویر تھے۔

Marfat.com

اس یگانہ روزگار عالمِ دین نے قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت کی، لائل پور کو اپنا مسکن بنایا اور ابتداءً جامع مسجد اہل حدیث، امین پور بازار میں از سرِ نو درس و تدریس کی بزم سجائی، بعد ازاں انہوں نے جناح کالونی میں ایک کوٹھی خرید کر ''دارالقرآن والحدیث'' کی بنیاد رکھی اور مسندِ حدیث پر متمکن ہوئے۔ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ نے تمام دینی تعلیم مولانا عبداللہ مرحوم سے حاصل کی۔ ابتدائے شعور سے ہی حکیم صاحب نہایت ذکی و فطین اور ذہین و طبّاع طالب علم تھے۔ استاد نے بھی ان کی صلاحیتوں کو دیکھ لیا تھا، اس لئے ایک موقع پر فرمایا: ''عبدالرحیم! سب کی تعلیم کے لئے ایک وقت مقرر ہے، لیکن تمہارے لئے کوئی پابندی نہیں، جب چاہو، دروازے پر دستک دے سکتے ہو۔'' 1938ء میں حکیم صاحب نے تحصیلِ علم کے بعد سند فراغت حاصل کی۔ مولانا عبداللہ امرتسری مرحوم نے ان کو دینی علوم میں یگانہ روزگار بنا دیا تھا۔ فراغت کے معابعد وہ اپنی مادرِ علمی میں مدرس مقرر ہوئے اور دل جمعی سے کام کا آغاز کر دیا۔ وہ اپنے استاد کے چہیتے اور خاص معاون و دست راست تھے۔ زمانہ طالب علمی سے ہی استاد محترم کے ساتھ دعوت و تبلیغ کے میدان میں سرگرم عمل ہو گئے تھے۔ چنانچہ ان کی ہمراہی میں مختلف شہروں، قصبوں اور میلوں میں جاتے اور وہاں توحید و سنت کا علم سربلند کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں گوناگوں اوصاف سے نوازا تھا۔ گفتگو کرنے کا اچھا سلیقہ رکھتے تھے اور اپنے مافی الضمیر کا اظہار اس عمدگی سے کرتے کہ سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔

امرتسر، اپنی مردم آفرینی کے اعتبار سے بڑا زرخیز علاقہ ہے۔ اس شہر کو تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہاں سے بڑی بڑی قدآور شخصیات نے جنم لیا، بہت سی تحریکیں اٹھیں، جن سے انقلاب بپا ہوا، اور آزادی کی تحریک کو جِلا ملی۔ مذہبی اعتبار سے بھی یہ شہر اہلِ علم کی توجہ کا خاص مرکز رہا ہے۔ اسی شہر کو یہ شرف حاصل ہے کہ غزنی سے مولانا عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے آ کر یہاں سکونت اختیار کی اور پھر دعوت و تبلیغ اور درس و تدریس کے ذریعے لوگوں کی اصلاح کرنا شروع کی۔ ان کے تقویٰ و پرہیزگاری اور خلوصِ

Marfat.com

نیت کا ثمرہ تھا کہ ارضِ ہند کے دور دراز علاقوں سے شائقینِ علم ان کی خدمت میں پہنچے اور ان سے اکتسابِ علم کیا۔ اسی شہر نے فاتحِ قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمتہ اللہ علیہ جیسی عظیم شخصیت کو علمی دنیا میں شہرتِ دوام بخشی۔ مولانا امرتسری مرحوم نے قادیانیت، آریہ سماج، ہندو دھرم، عیسائیت اور دیگر باطل مذاہب کے خلاف تقریر و تحریر اور مناظرہ سے اسلام کا جس طرح دفاع کیا، اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس شہر کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز اسی شہر کے ایک اخبار ''الوکیل'' سے کیا تھا۔ بطلِ حریت مولانا سید داؤد غزنوی رحمتہ اللہ علیہ بھی اسی شہر سے تعلقِ خاطر رکھتے تھے۔ انہوں نے آزادی کی تحریک میں جس عزم و ہمت، ولولے سے کام کیا اور انگریز کی مخالفت میں پابند سلاسل رہے، وہ ان کی عظمت پر دلالت کرتا ہے۔ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ اسی ماحول میں پلے بڑھے تھے اور انہوں نے اس دور کی مذہبی اور سیاسی ہنگامہ خیزیوں کو قریب سے دیکھا تھا۔ وہ ان سے متاثر ہوئے اور انہوں نے بھی اپنی ہمت اور بساط کے مطابق آزادی کی تحریک میں حصہ بھی لیا۔

حکیم صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ اعلیٰ پائے کے مدبّر اور روشن خیال عالم دین تھے۔ وہ ابھی طالب علم ہی تھے کہ انہوں نے تحریر و تقریر کا آغاز کر دیا تھا۔ ان کے استاذ گرامی مولانا عبداللہ امرتسری مرحوم نے، ویرووال سے ماہانہ رسالہ ''اشاعت السنہ'' جاری کیا تھا۔ اس کی اشاعت، قیام پاکستان تک مسلسل جاری رہی۔ حکیم صاحبؒ اس رسالے میں بڑی باقاعدگی کے ساتھ دینی، علمی، سیاسی اور خلافِ قادیانیت مضامین لکھتے رہے۔ علاوہ ازیں وہ ''اہل حدیث'' (امرتسر)، تنظیم اہلحدیث اور پندرہ روزہ ''کوثر'' لاہور میں بھی ''مبصرِ ویرووال'' اور ''ابوخالد'' کے قلمی نام سے لکھتے رہے۔ پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو حکیم صاحب بے سروسامانی کے حالات میں اہلِ خاندان کے ہمراہ پاکستان آ گئے اور انہوں نے لائل پور (حال فیصل آباد) کو اپنا مسکن بنا لیا۔ اگرچہ اس وقت حالات ناگفتہ بہ تھے، لیکن حکیم صاحب عزم و ہمت سے دعوت و تبلیغ

Marfat.com

کے میدان میں سرگرم عمل ہو گئے۔ انہوں نے اپنی آواز لوگوں تک پہنچانے کے لئے ہفت روزہ المنیر اور المنبر کی ادارت سنبھالی اور لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر کلمہ حق کہتے رہے۔ یہ رسالہ گزشتہ 63 سال سے اشاعت دین کا کام حسن و خوبی سے سرانجام دے رہا ہے۔ قادیانیت کے خلاف المنبر نے مثالی جہاد کیا ہے۔

حکیم صاحبؒ کی قادیانی مذہب کی کتب پر گہری نظر تھی۔ وہ قادیانی امت کے بڑے بڑے ''مربیوں'' کو بحث و مباحثہ میں دلائل سے لاجواب کر دیتے تھے۔ حکیم صاحبؒ نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز قادیانیت کے خلاف مضمون نویسی سے ہی کیا تھا۔ ''المنبر'' میں بھی حکیم صاحبؒ ''الفضل ربوہ'' کی ''لن ترانیوں'' کا جواب ترکی بہ ترکی دیتے رہے۔ انہوں نے ان لافہ گوؤں کا ناطقہ بند کئے رکھا۔ 1974ء کی تحریکِ ختمِ نبوت میں حکیم صاحب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انہوں نے شب و روز کی محنت سے قادیانیت کے خلاف ایک دستاویز تیار کر کے پارلیمنٹ میں پیش کی اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ میں نے وہ اصل مسودہ دیکھا ہے اور اس سے استفادہ بھی کیا ہے۔ حکیم صاحب کا جمع کردہ مواد بہت سی نادر معلومات پر مشتمل ہے اور اس سے قادیانیت کا بھیانک چہرہ سامنے آتا ہے۔ نظر ثانی کے بعد اس نادر مسودے کی اشاعت بہت بڑی خدمت ہوگی۔ حکیم صاحب نے قادیانیوں کے خلاف قلمی جہاد کرتے ہوئے ''قادیانی غیر مسلم کیوں؟'' جیسی وقیع و مدلّل کتاب اور ''قادیانیوں سے پہلا خطاب'' جیسا منفرد اسلوب کا حامل پمفلٹ بھی تحریر کیا ہے۔ یہ کتب ان کے لئے ذخیرۂ آخرت ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

حکیم صاحبؒ نے جس نہج سے دعوتِ دین کا کام کیا وہ بہت عمدہ حکمتِ عملی کا مظہر ہے۔ ایک طویل عرصہ وہ جماعت اسلامی سے منسلک رہے۔ ان کا شمار جماعت کے اکابرین میں ہوتا تھا۔ جب جماعت اسلامی نے اپنے منشور سے ہٹ کر سیاست میں حصہ لیا، تو حکیم اشرف صاحبؒ نے دیگر کئی احباب سمیت صدائے احتجاج بلند کی۔ ماچھی گوٹھ

Marfat.com

کے تاریخی اجتماع سے قبل مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں انہوں نے امیر جماعت اسلامی، مولانا مودودیؒ کے سامنے اپنے مؤقف کی تائید میں مفصل تقریر کی اور کلمہ حق کہنے کا فریضہ ادا کیا۔ جب جماعت نے ان کے مؤقف کو تسلیم نہ کیا تو حکیم صاحب نے جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کر لی اور کسی ہنگامہ آرائی سے دامن بچا کر اپنے دعوتی، تعلیمی اور تصنیفی مشن میں مشغول ہو گئے۔ انہوں نے اپنی شبانہ روز محنت سے جناح کالونی، فیصل آباد میں کوٹھی کرایہ پر لے کر، اس میں جامعہ تعلیمات اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ ایک عرصے تک یہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے وسعتِ زر سے نوازا تو انہوں نے سرگودھا روڈ پر جامعہ تعلیمات کے لئے وسیع و عریض جگہ خرید کر وہاں خوبصورت عمارت تعمیر کی۔ وہ قوم کے شاہینوں کی رفعتِ پرواز کے متمنی تھے۔ انہوں نے طلبہ کی بہترین تربیت کا اہتمام کیا اور انہیں جدید و قدیم علوم سے بہرہ مند ہونے کے مواقع فراہم کئے۔ حکیم صاحب کے اعلیٰ تعلیمی انتظام اور لائق و محنتی اساتذہ کی کوششوں سے جامعہ تعلیمات نے بڑے نامور فرزند پیدا کئے، جو ہر شعبہ زندگی میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے اور اپنی مادرِ علمی کے ساتھ ساتھ اپنے والدین، اساتذہ اور حکیم صاحبؒ کی نیک نامی کا بھی باعث بنے۔

حکیم صاحب مرحوم طبیبِ حاذق بھی تھے۔ انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے شعبہ طب میں بڑی ترقی کی اور کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ان کی طبی ریسرچ کا دائرہ وسعت پذیر رہا۔ وہ دینی تعلیم کے ساتھ طبی تعلیم کو بھی ترجیح دیتے تھے۔ ان کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ مسلم اسلاف کے ورثے کو آنے والی نسلوں تک منتقل کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ''جامعہ طبیہ اسلامیہ'' قائم کیا۔ حکیم صاحب نے کسبِ معاش کی غرض سے ''اشرف لیبارٹریز'' قائم کی۔ طبی دوا سازی کا یہ ادارہ آج پاکستان کے ممتاز دوا ساز اداروں میں شمار ہوتا ہے اور اس کی مصنوعات بین الاقوامی سطح پر مقبولیت اور شہرت رکھتی ہیں۔ حکیم صاحب کا مطب مریضوں کے لئے مرجعِ خلائق تھا۔ انہوں نے خدمتِ خلق سمجھ کر

Marfat.com

لوگوں کا روحانی و جسمانی علاج کیا۔

حکیم صاحب مرحوم پکے مسلمان اور سچے محب وطن تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے تقریر و تحریر کا سہارا بھی لیا اور اربابِ حکومت کے بابِ عالی پر بھی دستک دی۔ وہ سیاست کی وادی میں غوطہ زن ہوئے لیکن ہر قسم کی سطحی سیاست سے بالاتر اور اپنے دامن کو ہر داغ سے بچاتے ہوئے انہوں نے پاکستان میں نفاذِ اسلام کے لئے بپا کی جانے والی ہر تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا اور نمایاں خدمات انجام دیں۔ ہمیشہ سچی اور کھری سیاست کی اور کسی کی ناراضی کی پرواہ کئے بغیر حق کا اظہار کیا۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم جب برسر اقتدار آئے تو حکیم صاحب نے نفاذِ اسلام کی خاطر ہی جنرل صاحب کا بھرپور ساتھ دیا۔ نظامِ صلوٰۃ، نظامِ زکوٰۃ، قاضی کورٹس، شریعت آرڈیننس، اصلاح معاشرہ وغیرہ کے سلسلے میں ان کی راہنمائی کی۔ جنرل ضیاء الحقؒ حکیم صاحب کا بڑا احترام کرتے تھے۔ حکیم صاحب انقلابی ذہن و فکر کے مالک تھے۔ انہوں نے برصغیر کی سیاست کے اتار چڑھاؤ کا قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ وہ مملکتِ خداداد میں صرف اسلامی قانون کا نفاذ چاہتے تھے۔ اسی جدوجہد میں انہوں نے عمر کھپا دی، لیکن افسوس کہ اب تک ایک ریاست کے طور پر پاکستان کا اسلامی تشخص قائم نہیں کیا جاسکا۔

حکیم صاحب مرحوم کے متعلق لکھتے وقت ان کی صالحیت اور اتباعِ سنت کے واقعات دماغ میں گردش کرنے لگتے ہیں۔ وہ خود بھی سنت کے عامل تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین و تاکید کیا کرتے تھے۔ جو شخص ذراسی بھی بات سنت کے خلاف کہتا تو وہ حق بات کہنے میں باک محسوس نہ کرتے اور برملا اپنے مؤقف کا اظہار کر دیتے۔ جامعہ تعلیمات اسلامیہ، جناح کالونی میں زیر تعلیم طلبہ، قریبی جامع مسجد میں نماز پنجگانہ ادا کیا کرتے تھے۔ ایک صبح نماز فجر کے وقت سٹھیالہ، ضلع فیصل آباد سے آنے والے ایک نئے طالب علم محمد طفیل نے اونچی آواز میں آمین کہہ دی۔ امام صاحب نے سلام پھیرا اور ارشاد فرمایا ...... یہ مسجد حنفیوں کی ہے، یہاں جس نے نماز پڑھنی ہے ہمارے طریقے پر پڑھے۔ حکیم

Marfat.com

صاحب اس موقع پر موجود تھے، وہ اٹھے، سردیوں کے دن تھے، انہوں نے خطبہ مسنونہ کے بعد حدیث پڑھی۔ صَلُّوا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ۔ اس کے بعد فرمایا: مفتی صاحب! اس بچے نے بآواز بلند آمین کہی ہے جو سنت سے ثابت ہے۔ آپ کسی کو سنت پر عمل کرنے سے نہیں روک سکتے۔ مزید برآں یہ مسجد مسلمانوں کی ہے۔ اس میں ہر مسلمان کو نماز پڑھنے کا حق حاصل ہے۔ آپ کسی کو روکنے کے مجاز نہیں۔ حکیم صاحب کی اس گفتگو کے بعد کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہ تھا ان کا جذبہ اتباعِ سنت اور اسلامی حمیّت۔

حکیم صاحب ایک ولی کامل تھے۔ ہمہ وقت اپنی زبان کو ذکر الٰہی سے تر رکھتے۔ طلبہ کو اکثر فرمایا کرتے کہ اتنی کثرت سے نبی علیہ السلام پر درود پڑھو کہ تمہاری آنکھوں سے آنسو نکل آئیں، پھر تمہیں درود کی اثر آفرینی کا پتہ چلے گا۔ حکیم صاحب شب زندہ دار تھے، تہجد باقاعدگی سے پڑھتے، خواہ رات کو کتنا ہی دیر سے سوتے۔ میرے ایک جاننے والے ہیں جناب سعید اقبال طاہر، جامعہ تعلیمات اسلامیہ سے فیض یافتہ ہیں، وہ بیان کرتے ہیں: ''ایک بار میں حکیم صاحب کے ہمراہ لاہور گیا۔ سخت گرمیوں کے دن تھے۔ رات کو مولانا کوثر نیازی، حکیم صاحب کو ملنے آئے، ملاقات کا دورانیہ طویل ہو گیا۔ رات بارہ بجے سوئے ہوں گے۔ ڈیڑھ بجے کے قریب میری آنکھ کھلی تو حکیم صاحب کمرے میں ٹہل رہے تھے اور درود شریف کا وِرد ان کی زبان سے جاری تھا۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے نماز تہجد ادا کی اور اس کے بعد ہم نے باجماعت نماز پڑھی۔'' طاہر صاحب کا بیان ہے کہ حکیم صاحب کا معمول تھا کہ وہ بہت کم آرام کرتے، اکثر اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ یہ تمام واقعات حضرت حکیم صاحب کی صالحیت کے آئینہ دار ہیں۔ وہ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ کی حقیقی و عملی تفسیر تھے۔ انہوں نے تمام مکاتبِ فکر کے علماء اور لوگوں سے رشتہ اخوت قائم کیا اور انہیں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کی کوشش کی۔ ان کی شخصیت قابلِ صد احترام تھی۔ وہ تمام عمر مسلمانوں کو ''مسلمان'' بننے اور آپس میں اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہنے کا درس دیتے رہے۔ امت کے اس بہی خواہ اور

Marfat.com

بلبل ہزار داستان نے 27-28 جون 1996ء کی درمیانی شب وفات پائی۔ 28 جون کی شام ساڑھے پانچ بجے یونیورسٹی گراؤنڈ میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ ہزاروں افراد حکیم صاحب کے لئے دعائے مغفرت کر رہے تھے۔ بڑے قبرستان میں حکیم صاحب کی تدفین ہوئی۔ ہر آنکھ ان کے سانحہ ارتحال پر اشک بار تھی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

Marfat.com

دینی بصیرت کے حامل

عبد الرشید غازیؒ ☆

حکیم مولانا عبدالرحیم اشرف مرحوم نہ صرف ایک جید عالمِ دین تھے، بلکہ ایک ایسی مرنجان مرنج شخصیت تھے، جن کی دینی بصیرت پر لوگ بھرپور اعتماد کرتے تھے اور اپنے پیچیدہ اختلافی معاملات کے فیصلے بھی ان سے کرواتے تھے۔ جہاں تک ان کی دینی بصیرت کا تعلق تھا، وہ ہر لمحہ اور ہر معاملہ میں دین کی قدروں کو اُجاگر کرنے اور اسلام کی ترویج واشاعت میں منہمک رہتے تھے۔ اس لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک ایسے دیدہ ور تھے جو بڑی مشکل سے پیدا ہوتا ہے۔ انہوں نے دینی تعلیم کے لئے فیصل آباد میں ایک مدرسہ قائم کیا جو اب تک قائم ہے اور ان کے صاحبزادے اسے ٹھیک انہی خطوط پر چلا رہے ہیں جن پر حکیم عبدالرحیم اشرف مرحوم نے اسے قائم کیا تھا۔ دینی اقدار کی تبلیغ کے لئے یہ ادارہ بڑی گراں قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ دینِ اسلام کی خدمت کے لئے قائم ہونے والا یہ مدرسہ، ان شاء اللہ رہتی دنیا تک قائم رہے گا اور اسلام کے لئے حکیم عبدالرحیم اشرف مرحوم کی خدمات کی یاد دلاتا رہے گا۔ تب تک عوام کے دلوں میں بھی حکیم صاحب مرحوم کی یاد تازہ رہے گی۔

مولانا عبدالرحیم اشرف مرحوم، دینی اقدار کے ساتھ ساتھ طبِ اسلامی کی باریکیوں سے بھی پوری طرح آگاہ تھے اور اس کے فیضان کو عام کرنے کے لئے انہوں نے دیسی ادویات کی تیاری اور فروخت کے لئے اشرف لیبارٹریز کے نام سے ایک عظیم طبّی ادارہ بھی قائم کیا جو اب تک بڑی کامیابی سے چل رہا ہے۔ اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں تیار ہونے والی ادویات میں کسی طرح کی نمبر دو چیزوں کی ملاوٹ کا شائبہ تک

☆ چیف ایڈیٹر ''ڈیلی بزنس رپورٹ''، فیصل آباد۔ ممتاز صحافی قائد۔ آپ 4 راپریل 2013 کو ملأِ اعلیٰ سے جا ملے۔

Marfat.com

نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملک بھر میں دیسی ادویات کی فروخت اور استعمال کرنے والے ادارے، اشرف لیبارٹریز کی تیار کردہ دواؤں کو ترجیح دیتے ہیں۔ان ادویات کی افادیت کی وجہ سے پورے ملک میں ان کی مانگ ہے اور اس ادارے کی ہر جگہ ایجنسیاں موجود ہیں۔حکیم صاحب مرحوم کے صاحبزادے اسے زیادہ وسعت دینے اور خدمتِ خلق کا ذریعہ بنائے رکھنے کے لئے ان کی طرح ہی دن رات محنت کر رہے ہیں۔

مولانا مرحوم کی پرخلوص دینی خدمات کی وجہ سے ہی جنرل ضیاء الحق مرحوم ان پر بھرپور بھروسہ کرتے تھے۔وہ جب بھی علماء کا کوئی اجلاس بُلاتے تو اس میں حکیم صاحبؒ کو ضرور مدعو کرتے۔ان کی شرکت کے بغیر یہ اجلاس ادھورا سمجھا جاتا۔یہ حقیقتاً حکیم صاحب مرحوم کی اسلام سے دلی وابستگی اور رسول کریم ﷺ سے ان کی والہانہ محبت اور عقیدت کا واضح اعتراف تھا۔اس طرح جنرل ضیاء الحق مرحوم نے دوسرے ملکوں میں جو وفود بھیجے ان میں سے اکثر میں حکیم اشرف صاحب کی شمولیت کو ترجیح دی جاتی تھی اور اس طرح انہوں نے بیرونی ممالک میں بھی پاکستان کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔○ دینی قدروں کو اُجاگر کرنے کے لئے انہوں نے المنبر کے نام سے فیصل آباد سے ایک ہفت روزہ نکالا، جو ان کی دین سے وابستگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔انہیں ملک وقوم سے بڑی محبت تھی۔ان کی خواہش تھی کہ ان کی زندگی میں پاکستان کوئی ایسا دھماکہ کرے کہ جس سے بھارت کو پتہ چل جائے کہ مسلمان آج بھی اسلام کے نام پر مَر مِٹنے والا ہے اور اس کی ترویج واشاعت کے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کو تیار ہے۔

انہوں نے اپنی پوری زندگی اس طرح گزاری کہ کوئی شخص ان پر انگشت نمائی نہیں کر سکتا۔انہوں نے کبھی کسی کی دل آزاری نہیں کی، نہ کسی پر تہمت لگائی اور نہ کسی کا دل دُکھایا۔یہ ان کی شرافت کا ناقابلِ تردید ثبوت تھا۔ان کی اسی سرشت کو فیصل آباد کے عوام کبھی نہیں بھول سکتے۔اسلام کے بارے میں ان کے دل میں جو درد تھا اور اس کی قدروں پر عمل درآمد کے سلسلہ میں انہوں نے جس عملی کردار کا مظاہرہ کیا، وہ بھی اپنی مثال آپ تھا۔

○ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ نے صرف ایک بیرونی سفر، سرکاری حوالے سے کیا اور وہ بھی اس وفد کے ہمراہ جس نے سوڈان میں نفاذِ اسلام کی سالگرہ میں حکومتِ پاکستان کی نمائندگی کی تھی۔ (ز....ا)

Marfat.com

شمعِ ملتِ بیضا

عبد الرشید عراقی ☆

پروفیسر رشید احمد صدیقی اپنی کتاب ''گنج ہائے گراں مایہ'' میں لکھتے ہیں کہ ''موت سے کسی کو مفر نہیں لیکن جو لوگ ملّی مقاصد کی تائید و حصول میں تادمِ آخر کام کرتے رہتے ہیں وہ کتنی ہی طویل عمر کیوں نہ پائیں، ان کی وفات قبل از وقت اور تکلیف دِہ محسوس ہوتی ہے۔''

پروفیسر رشید احمد صدیقی کی یہ تحریر مولانا عبدالرحیم اشرفؒ پر مکمل طور پر صادق آتی ہے۔ حکیم صاحب نے اپنی زندگی اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کی ترویج و ترقی، شرک و بدعت کی تردید و توبیخ اور ادیانِ باطلہ، خاص کر قادیانیت کی بیخ کنی کے ساتھ ساتھ ملک و ملّت کی خدمت کے لئے بھی وقف کر دی تھی۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ اپنے دم سے ایک عہد تھے۔ وہ اپنی ذات میں خود ایک انجمن اور ادارہ تھے۔ انہوں نے فیصل آباد میں کئی ایک علمی و دینی اور رفاہی ادارے قائم کئے۔ اس طرح انہوں نے دین و ملّت کے لئے زبردست خدمات انجام دیں۔

جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کے نام سے انہوں نے جو علمی ادارہ قائم کیا، اس میں ممتاز علمائے کرام، جو علومِ اسلامیہ میں ایک سند کی حیثیت رکھتے تھے، نے درس و تدریس کی خدمات انجام دیں، جیسے مولانا عبدالغفار حسنؒ۔ بے شمار اہلِ علم و قلم حکیم صاحب سے ملنے تشریف لاتے، وہ ان سب سے خندہ پیشانی سے پیش آتے اور اچھی طرح سے مہمان نوازی کرتے۔ ان سے علمی و دینی اُمور پر بحث و مباحثہ کرتے۔ حکیم صاحب مرحوم خوش کلام، مرنجان مرنج،

☆ سوہدرہ (ضلع گوجرانوالہ) سے قومی سطح کے معروف و ممتاز مضمون نگار۔ سابق آفس سیکرٹری پاکستان طبی کانفرنس۔

Marfat.com

نکتہ رس، معاملہ فہم، دقیقہ سنج، شگفتہ مزاج، علوم دینیہ پر گہری نظر، تُلی تُلی رائے، ملکی اور قومی حالات سے پوری طرح باخبر، صرف دور کے تماشائی نہیں خود بھی سیاست کے بحرِ زخار کے شناور، اعلیٰ پائے کے خطیب، مجلسی گفتگو میں اپنے ملائم اور نکتہ رس انداز سے چھا جانے والے اور دلوں کو موہ لینے والے تھے۔ وہ نہایت بااصول، راست گو اور حق پسند نیک سیرت بزرگ تھے۔ سلاستِ طبع کی نعمت انہیں وافر ملی تھی، جبھی تو وہ کسی مخالفت سے نہ گھبرائے۔ وہ بڑے دور اندیش، بااخلاق، منکسر المزاج انسان تھے۔ وہ علمی نخوت اور عالمانہ طمطراق سے مبرّا تھے۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ مرحوم ملّتِ بیضا کی شمع تھے۔ ان کے انتقال سے ایک روشن چراغ گُل ہوا، اور اندھیرا بڑھ گیا۔ ان کے دم قدم سے دنیائے علم و ادب میں جو رونق تھی، وہ سونی پڑ گئی۔ ایک قیمتی متاع تھے، جسے موت ساتھ لے گئی۔ ملّتِ اسلامیہ کا یہ ناقابلِ تلافی نقصان ہوا۔ جب ان کی سب سے زیادہ ضرورت محسوس کی جارہی تھی، تب ہی وہ نہ رہے۔

برصغیر پاک و ہند میں ان کے جاننے والوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہو گی، ان میں سے بیشتر لوگ یہ جانتے ہیں کہ حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے انتقال سے زندگی کے کئی ایک شعبوں میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ وہ ان علمائے دین کے وارث تھے جن کے نزدیک دین فروعی اختلاف اور فقہی نزاع کا نام نہیں رہا۔ وہ اساساتِ دین کی بنیاد پر اتحاد بین المسلمین کے سب سے بڑے حامی اور عَلَم بردار تھے۔ اسی بنا پر وہ اختلافی مسائل کو طُول دینے کے قائل نہیں تھے۔ وہ ان مسائل پر نہ زورِ قلم سے کام لیتے تھے اور نہ زورِ بیان سے۔ وہ مرنجان مرنج طبیعت کے حامل تھے۔ حکیم صاحب مرحوم مصلحانہ گفتگو کرنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ وہ اختلافی مسائل میں اپنا نقطۂ نظر دلائل اور موزوں الفاظ میں واضح فرماتے تھے۔ آپ کی صلح جوئی کے باعث ہی آپ کو پاکستان کے ہر مکتبِ فکر میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس بنا پر آپ کے اہلحدیث مکتبِ فکر کے مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ، مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ، مولانا عطاء اللہ حنیفؒ، مولانا محمد حنیف ندویؒ، مولانا محمد صدیق فیصل آبادیؒ، امیر المجاہدین صوفی محمد عبداللہؒ، پروفیسر حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدرویؒ، دیوبندی مکتبِ فکر کے مولانا

Marfat.com

احمد علی لاہوریؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مفتی محمد شفیعؒ، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا عبیداللہ انورؒ، مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک، مولانا قاضی عبداللطیفؒ (کلاچی)، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، بریلوی مکتبِ فکر کے مولانا ابوالحسنات قادریؒ، مفتی محمد حسین نعیمیؒ، مولانا عبدالستار نیازیؒ، جماعتِ اسلامی کے مولانا مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ جیسے جیّد علمائے کرام اور پاکستان کے ممتاز سیاسی زعماء سے براہِ راست تعلقات تھے۔ حکیم عبدالرحیم اشرفؒ ان سب علماءِ کرام کے لئے اپنے دل میں عزت واحترام کا جذبہ رکھتے تھے اور اگر ان سے کسی مسئلہ میں علمی وسیاسی اختلاف ہوا تو زبان وقلم سے کرتے اور مثبت انداز میں اپنی رائے کا اظہار کرتے۔ ان کی تحریر ایسی ہوتی کہ جس شخص سے اختلاف کیا جاتا، وہ ان کی تعریف کیے بغیر نہ رہتا۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ برصغیر کے ممتاز علماءِ کرام مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور مولانا عطاء اللہ حنیفؒ کے علم وفضل کے قدردان اور ان کے علمی مقام ومرتبہ سے بہت متاثر تھے۔ غالباً 1973ء کی بات ہے۔ حکیم صاحب سے ہر دوسرے تیسرے مہینے مولوی شمس الدین مرحوم، تاجر کتب، لاہور کی دکان واقع مسلم بازار لوہاری دروازہ میں ملاقات ہوتی تھی۔ ایک دن ملاقات کے دوران مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ کا ذکر آ گیا تو حکیم صاحب مرحوم نے فرمایا کہ ''مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اس وقت عالمِ اسلام کے مایۂ ناز عالم اور مفکر ہیں۔ عربی ادب میں ان کا ایک مقام ہے۔ ان کی تحریروں کو عالمِ عرب کے علماء بڑی محبت سے پڑھتے ہیں۔ ان کے علم وفضل کی وجہ سے عرب علماء میں ان کی بڑی قدر ومنزلت ہے۔ میرے ان سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ جب بھی پاکستان تشریف لاتے ہیں تو میرے پاس لائل پور ضرور تشریف لاتے ہیں۔''

مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ کے بارے میں حکیم صاحب مرحوم نے فرمایا کہ ''میں نے جماعت اہلحدیث میں ان جیسا محقق اور صاحبِ علم وفضل عالم نہیں دیکھا۔ میں ان کے علم وفضل کا معترف ہوں۔ ٹھوس اور قیمتی مطالعہ کا ذوق میں نے مولانا عطاء اللہ حنیفؒ سے ہی پایا ہے اور

Marfat.com

جس چیز نے مجھے مولانا عطاء اللہ حنیفؒ کا قدردان بنایا ہے، وہ یہ ہے کہ برصغیر میں علمائے غزنوی، امرتسری اور خاندانِ سعادت (قصوری) کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ کی تصانیف کو پھیلانے میں مولانا عطاء اللہ حنیفؒ کا نمبر آتا ہے۔"

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ اپنے کریمانہ اخلاق اور مشفقانہ لطف وکرم کے اعتبار سے ایک ممتاز مقام کے حامل تھے۔ کوئی شخص ان سے ایک بار مل لیتا تو وہ ان کی عالمانہ گفتگو، منصفانہ طریقِ فکر اور بزرگانہ طرزِ سلوک کا اس قدر گرویدہ ہو جاتا تھا کہ ملاقات کے بعد ان کی تعریف وتوصیف کرتے نہیں تھکتا تھا۔

مختلف افراد اپنے ذاتی، معاشرتی، اجتماعی اور سیاسی مسائل لے کر ان کے پاس آتے۔ حکیم صاحب مرحوم ان کی سنتے، ان سے تبادلہ خیال کرتے اور اپنی مخلصانہ توجہ اور تعلقِ خاطر کے ساتھ ان کو جو مشورہ دیتے یا ان کی مدد کے لئے جو قدم اٹھاتے وہ دوسروں کے لئے بھی روشنی اور رہنمائی کا باعث ہوتا۔

حکیم عبدالرحیم اشرفؒ میں ایک صفت یہ بھی تھی کہ جب وہ لوگوں سے ملتے ان کی بات اس طرح سنتے جیسا کہ وہ ان سے کچھ سیکھنا اور سمجھنا چاہتے ہوں۔ حکیم صاحب بڑے سادہ الفاظ میں بات کرتے اور ایسے مثبت انداز میں سمجھاتے کہ سننے والے کو کسی قسم کا اعتراض کرنے کی گنجائش نظر نہ آتی۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ بہت بلند پایہ اور متبحر عالم تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ میں یگانہ حیثیت کے حامل تھے۔ ان کی تقریر بہت دل نشین ہوتی تھی جبکہ ان کی تحریر زوائد سے مبرا ہوتی تھی۔ حکیم صاحب بڑے پختہ اور باحمیّت عالمِ دین تھے۔ اسلام پر ہونے والے ہر حملہ کے دفاع میں پیش پیش رہتے تھے۔

سنجیدگی کے ساتھ بے باکی اور صاف گوئی مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کا خاص امتیاز تھا۔ پاکستان میں جب قادیانیوں کے خلاف تحریک چلی تو اس سلسلہ میں حکیم صاحب نے تحریری اور تقریری، دونوں طریقوں سے حکومتِ وقت پر کڑی نکتہ چینی کی، جس سے ان کی

Marfat.com

حق گوئی و بے باکی اور جرأت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دلوانے کی جدوجہد اس وقت تک جاری رکھی جب تک اسلامیانِ پاکستان کا یہ مطالبہ منظور نہیں کر لیا گیا۔ حکیم صاحب مرحوم بلاشبہ اس دورِ قحط الرجال میں گوہرِ شب چراغ تھے اور آپ صحیح معنوں میں اس شعر کا مصداق تھے۔

اب نہ آئے گا نظر ایسا کمالِ علم و فن
گو بہت آئیں گے دنیا میں رجالِ علم و فن

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ، قدرت کی طرف سے بڑے اچھے دل اور دماغ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ روشن فکر اور سلجھا ہوا دماغ پایا تھا۔ ذہین و ذکی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی قوتِ حافظہ بھی بہت قوی تھی۔ وہ تاریخ پر گہری اور تنقیدی نظر کے ساتھ ساتھ ملکی سیاسیات پر بھی اپنی ناقدانہ رائے رکھتے تھے۔ سیاسی اور غیر سیاسی تحریکات کے پسِ منظر سے واقف تھے۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ اپنی علمی حیثیت، ثقافتی سرگرمیوں، دینی بصیرت اور سیاسی فکر و عمل کے اعتبار سے ممتاز افراد میں شمار ہوتے تھے اور ان کی مصروفیات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ طبیہ کالج کی دیکھ بھال، جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کی نگرانی اور اشرف لیبارٹریز کی سرپرستی کے علاوہ دوسرے قومی و ملّی اُمور میں دلچسپی لیتے اور علمی و عملی مشغولیات میں مصروف رہتے تھے۔ وہ ہمیشہ خوش فکر اور متوازن نظر آتے تھے۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ نہایت پختہ استعداد کے وسیع النظر عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مدبّر، مفکّر، خطیب، مصنف، طبیبِ حاذق اور سیاسی رہنما بھی تھے۔ عوام میں ان کا بڑا اعتبار تھا۔ جنرل ضیاء الحقؒ کے دورِ حکومت میں ان کی بہت عزت اور قدر تھی۔ جنرل شہید ان کا بہت احترام کرتے تھے، مگر مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ نہایت بے لوث، بے غرض، حد درجہ خوددار، حق گو اور بے باک انسان تھے۔ انہوں نے اپنے اثر و رسوخ سے ہزاروں کو فائدہ پہنچایا لیکن خود کسی سے فائدہ کی امید نہ باندھی۔ وہ اگر پسند کرتے تو حکومت سے بہت کچھ حاصل کر سکتے تھے لیکن جس رزق سے

Marfat.com

پرواز میں کوتاہی کا اندیشہ ہو، مرحوم کو طبعاً اس سے نفرت تھی۔ اخلاق و شمائل اور عادات و خصائل کے اعتبار سے وہ بڑے پاکیزہ سیرت اور بلند مرتبہ انسان تھے۔

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

میں نے مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کو پہلی بار 1956ء میں شادائی دواخانہ چوک نسبت روڈ، لاہور میں دیکھا۔ حکیم عبداللطیف شادائیؒ مغربی پاکستان میں طبّی کانفرنس کے جنرل سیکرٹری اور شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشیؒ صدر تھے۔ میں طبّی کانفرنس میں بطور آفس سیکرٹری ملازم تھا۔ پروقار شخصیت، سفید لباس اور کالی اچکن، مناسب قد، سیاہ لمبی داڑھی، سر پر جناح کیپ، یہ تھی مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی شخصیت، جن کے نام سے میں پہلے واقف ہو چکا تھا۔ طبّی کانفرنس کی مجلسِ عاملہ کے رکن تھے۔ اجلاس میں شرکت کا دعوت نامہ میں نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر حوالۂ ڈاک کیا تھا۔ اس دور میں ''الاعتصام'' لاہور میں میرے دو تین مضمون شائع ہوئے تھے۔ جب میں نے اپنا تعارف کرایا تو بڑی محبت و عقیدت اور خندہ پیشانی سے ملے۔ ہنس کر فرمایا، آپ ہی عبدالرشید عراقی صاحب ہیں۔ ''الاعتصام'' کے ذریعہ آپ کے نام سے واقف ہو چکا ہوں اور آپ کے مضامین میں نے پڑھے ہیں۔ آپ بہت اچھا لکھتے ہیں۔

جب بھی دو تین ماہ بعد طبّی کانفرنس کی مجلسِ عاملہ کا اجلاس بلایا جاتا تو اس میں حکیم صاحب ضرور تشریف لاتے اور بہت محبت سے ملتے۔ میرے مضامین کی تعریف کرتے۔ میں ہر دفعہ ان کی خدمت میں عرض کرتا کہ آپ کا حسنِ ظن ہے۔ کبھی کبھی مولوی شمس الدین مرحوم تاجر کتب، زیریں مسلم مسجد کے ہاں بھی ان سے ملاقات ہو جاتی۔ نہایت مشفقانہ انداز میں خیریت دریافت کرتے اور مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی۔ بڑی سنجیدگی اور متانت سے جواب دیتے۔ حکیم صاحب کی دانش مندی اور معاملہ فہمی کے سب قائل تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

داغ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی   اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

Marfat.com

دعوت الی اللہ کے پیکر

عطا محمد جنجوعہ ☆

برصغیر پاک و ہند میں بے شمار اہلِ قلم نے احیائے اسلام اور عالمِ اسلام کی بیداری کے لئے بے پناہ خدمات سرانجام دی ہیں، البتہ جن اصحابِ قلم نے میرے قلب و ذہن پر گہرا اثر ڈالا ان میں سید ابوبکر غزنویؒ، سید ابوالحسن علی ندویؒ اور مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ شامل ہیں۔ حکیم صاحب مرحوم کو میری زندگی میں منفرد مقام حاصل ہے کہ ان کے جریدہ المنبر نے میرے دل میں ملک و ملّت کی خدمت کے لئے قلم اٹھانے کا احساس پیدا کیا۔

حکیم صاحب مرحوم گوناگوں خوبیوں کے باعث اپنی ذات میں انجمن تھے۔ ان پر مولانا محمد عبداللہ امرتسری کی ابتدائی تعلیم و تربیت کا اثر غالب رہا اور وہ عمر بھر دعوت الی اللہ کے مشن پر گامزن رہے۔ دینی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ اپنے علاقہ میں تبلیغی پروگراموں میں سرگرم عمل رہے۔ پھر اسی جذبہ کے تحت جماعتِ اسلامی میں شامل ہوئے اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے کوشاں رہے۔ جب جماعت نے انتخابی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا تو حکیم صاحب مرحوم کو جماعت کے مؤقف میں تبدیلی ناگوار گزری، چنانچہ آپ نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ بعدازاں آپ نے علیحدہ جماعت تشکیل کی اور نہ ہی کسی اور دینی جماعت میں شامل ہوئے بلکہ عمر بھر اسلامی معاشرہ کے قیام، اسلامی نظامِ حکومت کے نفاذ، قادیانیوں کی بیخ کنی اور عالمِ اسلام کے اتحاد کے لئے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ جنرل ضیاء الحقؒ آپ کی علمی و اصلاحی خدمات کے معترف تھے۔ انہوں نے آپ کو مجلسِ

☆ معروف مضمون نگار۔ المنبر کے قلمی معاون۔ جھاوریاں، ضلع سرگودھا میں رہائش پذیر

Marfat.com

شوریٰ میں شمولیت کی دعوت دی، لیکن آپ پسِ پردہ رہ کر اصلاحِ حکومت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ وطنِ عزیز میں عربی زبان کی ترویج اور دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کی اسناد کو حکومت کی طرف سے ایم۔ اے کے برابر قرار دلوانے میں آپ کی بھرپور مساعیٔ جمیلہ کا عمل دخل ہے۔

وطنِ عزیز کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو قادیانیت سے متعلق علماء کرام کے موقف کو کوئی اہمیت نہ دیتا تھا اور جو علماء کو محض فتویٰ باز شمار کرتا تھا، آپ نے اس کے لئے ''قادیانی غیر مسلم کیوں'' لکھی، جس میں دلائل سے ثابت کیا کہ مرزائی اپنے کن بنیادی عقائد کی بنا پر دائرۂ اسلام سے خارج ہیں، نیز آپ نے اپنے دل نشین انداز میں ''قادیانیوں سے پہلا خطاب'' لکھ کر مرزائیوں کو دعوتِ اسلام دی اور ان پر حجت تمام کی۔ آپ کے فکری محاذ کے مثبت نتائج برآمد ہوئے۔ علاوہ ازیں آپ کے مکتبہ نے قادیانیت سے تائب ہونے والے جناب مرزا سلیم اختر کے تاثرات ''میں نے قادیانیت کیوں چھوڑی؟'' شائع کی۔ جریدہ المنبر نے قادیانیوں کے تعاقب اور ان کو دعوتِ اسلام دینے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ نے اسلامی نظام کے داعی کی حیثیت سے دینی صحافت کو اصلاحِ معاشرہ اور اصلاحِ حکومت کے لئے وقف کئے رکھا، اگرچہ آپ کو اس میں کافی مالی بوجھ برداشت کرنا پڑا، لیکن آپ کے صبر و استقلال میں ذرّہ برابر فرق نہ آیا۔

آپ تمام مکاتبِ فکر کے درمیان باہمی اتحاد و اخوّت کے عَلَم بردار اور علماء کو فرقہ پرستی کے زہر سے پاک رکھنے کے حامی تھے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے آپ نے جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ قائم کیا تاکہ علماء فروعی مسائل پر مناظر بن کر نہ نکلیں بلکہ اسلام کے داعی بن کر فارغ ہوں، جو عالمِ کفر کی فکری یلغار کے خلاف سینہ سپر رہیں۔

آپ اس نظریہ کے حامی تھے کہ علماء معاشرے پر بوجھ بننے کی بجائے کسبِ معاش میں خودکفیل ہوں، تاکہ حق و صداقت کے اظہار میں کوئی دیوار حائل نہ ہو۔ اس مقصد کے لئے آپ نے دینی مدارس کے طلبہ کے لئے سرکاری سطح پر طبیہ کالجز میں داخلے کی راہ ہموار

Marfat.com

کی۔ آپ کے اپنے قائم کردہ جامعہ طبیہ اسلامیہ میں بھی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ، طب کی تعلیم حاصل کر کے جسمانی و روحانی معالج بن کر نکلتے رہے۔ عوام کو معیاری ادویات مہیا کرنے کے لئے آپ نے اشرف لیبارٹریز قائم کی جو اگرچہ آپ کا ذریعۂ معاش تھا، لیکن دراصل اس میں خدمتِ خلق کا جذبہ غالب تھا۔

عالمِ اسلام کے اتحاد کے لئے آپ کی علمی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ اتحادِ اسلامی میں نقب لگانے والے یہود و نصاریٰ کے مذموم عزائم سے آپ اُمتِ مسلمہ اور حکمرانوں کو بروقت آگاہ کرتے رہے۔ دوسری طرف مسلم حکمرانوں کو عالمِ اسلام کے اتحاد کی دعوت دینے میں بھی پیش پیش تھے۔ المنبر کے ''عالمِ اسلام نمبر'' اور ''مسلم سربراہ کانفرنس نمبر'' اس کے بیّن ثبوت ہیں۔ یہ خصوصی اشاعتیں خلافتِ اسلامیہ کے عنوان پر علمی و عملی کام والوں کے لئے اب بھی مشعلِ راہ ہیں۔

آپ قومی و ملّی مسائل میں عوامی سیاست کے قائل نہ تھے، بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں ملتِ اسلامیہ کی راہ نمائی کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ اللہ کریم ان کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور ان کے مہکتے پھول ہمیشہ سرسبز و شاداب رہیں۔ آمین

Marfat.com

داعیِ اتحادِ امت

محمد یوسف نعیم☆

اتحاد کی بہت ساری خیرات و برکات ہیں۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ انہی برکات کے حصول کے لئے کمربستہ رہے۔ ان سے بالمشافہ ملاقات کا شرف تو حاصل نہ ہو سکا مگر ان کی تحریری مساعی، تعمیری منصوبوں اور فکری کاوشوں سے آگہی کے بعد یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ داعی اتحادِ امت کے علم بردار کی حیثیت سے زندہ رہے۔ ان کی زندگی بھی اتحادِ امت کا نشان تھی، ان کی موت پر بھی اس کا مظاہرہ ہوا اور لوگوں نے اس کا نظارہ کیا۔

کئی سال پہلے کی بات ہے جب میں اردو بازار کراچی میں تجارتی کتب خانہ دارالاشاعت پر ایک ننھی سی کتاب وحدت امت لینے گیا۔ یہ کتاب اصل میں مولانا مفتی محمد شفیعؒ کا خطاب ہے، جو ذوالقعدہ 1385ھ میں جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ لائل پور کے ایک جلسہ میں کیا گیا تھا۔ ابتداءً اسے ہفت روزہ المنبر لائل پور میں شائع کیا گیا۔ اس خطاب کی کتابی شکل میں اشاعتِ اول فروری 1978ء کو عمل میں آئی۔

پندرہ روزہ المنبر اتحادِ امت کا داعی ہے۔ اسی طرح جامعہ تعلیمات اسلامیہ بھی وحدتِ اُمت کا علم بردار دینی تعلیمی ادارہ ہے۔ ان دونوں کے بانی مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ، وسیع القلب عالمِ دین تھے۔ یہ بات سچ ہے کہ جب میں نے ''وحدتِ امت'' نامی کتاب خریدی تو المنبر، جامعہ تعلیمات اسلامیہ اور مولانا عبدالرحیم اشرفؒ سے ناواقف تھا۔

☆ کراچی سے معروف مصنف اور مضمون نگار۔

Marfat.com

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کے بارے میں معلومات میں اضافہ ہوتا رہا اور ان کی شخصیت کے خدوخال اُجاگر ہوتے گئے۔ بلاشبہ وہ دانش وَر، صحافی، منتظم، مفکر اور ادیب و خطیب جیسے اوصاف سے آراستہ و پیراستہ تھے۔

اس وقت میرے سامنے ہفت روزہ المنبر فیصل آباد کا خصوصی شمارہ ''جامعہ نمبر'' ہے، جو 17 اکتوبر 1978ء کو طبع ہوا۔ اس سے مولانا کے اتحادِ امت کے بارے میں جذبات اور اس مقصد کے حصول کے لئے ان کے تعمیری منصوبوں اور عملی اقدامات کو سمجھنے میں ہمیں مدد مل سکتی ہے۔ اس شمارے میں انہوں نے اپنے مضمون ''جامعہ تعلیمات اسلامیہ، ایک نظر میں'' کے زیرِعنوان نکتہ نمبر 3 میں لکھا ہے:

> ''یہ جامعہ فرقہ وارانہ مذہبی تنازعات اور سیاسی گروہ بندیوں سے آزاد حیثیت کا حامل ہے، اور اس کے اساتذہ اور مدرسین میں اہلِ حدیث، حنفی اور دیگر نسبتوں سے پاک صرف مسلمان کے نام پر اکتفا کرنے والے اساتذہ موجود ہیں۔ اور جامعہ کی اپنی حیثیت یہ ہے کہ وہ پوری اُمت کو اپنی اور خود اپنے وجود کو امت ہی کی ملکیت قرار دیتا ہے اور اس کی نسبت کسی مذہبی فرقے اور سیاسی جماعت کی جانب نہیں ہے۔''

اسی شمارے میں انہوں نے اپنے دوسرے مضمون ''جامعہ تعلیمات اسلامیہ کا پس منظر و پیش منظر'' کے زیرِعنوان صفحہ 32 پر اپنی خواہش کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

> ''تعلیماتِ اسلامیہ کا ایک ایسا مرکز قائم کیا جائے جو
>
> ☆ حنفیت و اہل حدیثیت کے امتیازات و تعصبات سے پاک ہو۔
>
> ☆ تصوف و کتابی تعلیم کی آویزش سے کاملاً مجتنب ہو۔''

صفحہ 33 پر انہوں نے لکھا:

> ''یہاں سے فارغ ہونے والے علماء اس امت کو اپنے شافع اور رءوف ورحیم نبی (علیہ الف الف صلوٰۃ و التسلیمات و ارواحنا

Marfat.com

وانفسنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت تسلیم کریں۔ اس کی وحدت کو قائم رکھنے کے لئے وہ ہر قسم کے تحزّب و تشتت کو خیر باد کہیں۔ فقہی و مسلکی اختلافات پر قائم رہنے کے باوجود وہ پوری امت کو اپنا مرکزِ عقیدت و محبت قرار دیں۔''

صفحہ 38 پر تحریر کیا:

''جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ میں

☆ دارالقرآن ☆ دارالحدیث ☆ دارالفقہ ☆ دارالادب

کے علاوہ ایک بڑا ہال ہوگا جس کا نام جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کے اہم مقصد کے پیش نظر ''وحدتِ ملّی ہال'' تجویز کیا گیا ہے۔ دعا فرمایئے کہ یہ ہال فی الواقع ملتِ اسلامیہ میں اتحاد و ائتلاف اور عناصرِ اُمت کو کفر و الحاد اور باطل کے مقابل بنیان مرصوص بنانے کی دعوت اور جدوجہد کا مرکز بنے۔''

صفحہ 53 پر ''محور فرقے نہیں، پوری امت'' کے زیرِ عنوان لکھا ہے:

''پانچواں بڑا مقصد ہمارے پیش نظر یہ بھی ہے کہ یہاں سے جو طلبہ فارغ ہو کر جائیں، ان کا ذہن اس اُمت کے متعلق یہ ہو کہ یہ پوری اُمت محمد مصطفیٰؐ کی اُمت ہے، اس کے افراد میں فرق جو کچھ ہے وہ تقوے کی بناء پر ہے، اس کے علاوہ کوئی فرق نہیں۔ اس سلسلے میں ہمارا خصوصی ہدف یہ ہے کہ ہم حنفی ہونے کی بناء پر، اہلِ حدیث ہونے کی بناء پر اور اس قسم کے اسماء والقاب کی بناء پر جو ہمارے ہاں رائج ہیں، نہ کسی کو مستحقِ ترجیح سمجھیں اور نہ لائقِ نفرت، بلکہ جس شخص کا عقیدہ کتاب و سنت سے جتنا قریب ہو، جو تقویٰ، پرہیزگاری، اللہ تعالیٰ، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دینِ حق سے جتنی زیادہ محبت رکھتا ہو، اس سے اسی بناء پر محبت کی جائے اور اسے اپنا سمجھا جائے، خواہ اس نے صحیح یا غلط طریقے پر اپنا نام کچھ ہی رکھ چھوڑا ہو۔ تعلق اور رشتۂ محبت، نام پر نہیں کام پر استوار ہو۔''

Marfat.com

صفحہ 88 پر ''کرنے کے تین کام۔ تعلیم، تبلیغ اور تربیت'' کے زیرِ عنوان شق ۔ ہ۔ کے تحت لکھا ہے:

''یہ مدارس نہ صرف یہ کہ ''وحدتِ امت'' کے تصور پر قائم ہوں اور یہاں کی علمی اور عملی فضا ''فرقہ واریت'' کے تمام جراثیم سے یکسر پاک ہو اور ''وحدتِ امت'' کے تصور کو یہاں اساس و بنیاد بنا کر تمام کام کیا جائے، بلکہ اس سے آگے ان مدارس میں بطورِ خاص اس امر کا اہتمام کیا جائے کہ تمام فقہی مذاہب کی تعلیم یکساں کر دی جائے اور کسی بھی فقہی مکتبِ فکر کو اپنا حریف بنا کر اسے زیرِ تنقید نہ لایا جائے۔''

صفحہ 11 پر ''آئندہ کے عزائم'' کے زیرِ عنوان مولانا عبدالرحیم اشرفؒ نے نکتہ نمبر 4 کے تحت لکھا ہے:

''چوتھی ضرورت جسے ہم اس نصاب سے پورا کرنا چاہتے ہیں، وہ ہے فرقہ وارانہ فقہ کی تنگنائیوں سے اپنے طلبہ کو نکال کر اسلام کے جامع تصور کا دلدادہ بنانا، اور ہم اس کام کو اس طرح انجام دینا چاہتے ہیں کہ اپنے نصاب میں اصولِ فقہ کو اہمیت دیں، تاریخِ فقہ پڑھائیں اور بجائے کسی ایک فرقہ کی فقہ کے ائمہ اربعہ اور مسلکِ اہل حدیث کی مجموعی فقہ سے ان طلبہ کو کماحقہ روشناس کرائیں تاکہ یہ حضرات کسی ایک ہی مکتبِ فکر سے آگاہ نہ ہوں اور اپنے علم کی روشنی سے مسلمانوں کو گروہ بندی اور فرقہ واریت کی ظلمتوں سے نجات دلائیں۔''

''جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ، فیصل آباد۔ ایک تاریخی جائزہ، ایک مشاہدہ، چند تاثرات'' کے زیرِ عنوان ڈاکٹر سبطین لکھنوی صفحہ 44 پر نکتہ نمبر 2 میں لکھتے ہیں:

''میں نے ایک روز جامعہ کے ناظم سے پوچھا: ''اس ادارے میں آپ نے کوئی انوکھی چیز دیکھی ہے؟''

بولے، جی ہاں! ہمارا ادارہ ملتِ اسلامیہ کی تفرقاتی کش مکش سے بالکل پاک

Marfat.com

ہے۔ اساتذہ سے لے کر طلبہ تک، بریلوی، دیوبندی اور اہلِ حدیث مسلک کے پیروکار سبھی یہاں پڑھتے ہیں، لیکن میرا چودہ سالہ تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ اس ادارے کے اندر کبھی بھی مذہبی تعصب کی کسی تحریک کو سر اٹھانے کا موقعہ نہیں ملا۔''

29 دسمبر 2010 کو راقم الحروف کی ملاقات ادارہ علومِ اثریہ کے کتب خانے میں مولانا ارشاد الحق اثری سے ہوئی تو برسبیلِ تذکرہ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کا بھی ذکر آیا، تو اثری صاحب نے فرمایا:

''وہ بڑی عظیم شخصیت تھے۔ فیصل آباد کی سطح پر تین اشخاص ایسے تھے جن کی آواز پر بریلوی، دیوبندی اور اہلِ حدیث جمع ہو جاتے تھے، ان تینوں کے نام یہ ہیں: مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ، مفتی زین العابدینؒ، مولانا تاج محمودؒ''

پھر 30 دسمبر 2010ء کو پرنسپل جامعہ طبیہ اسلامیہ و رکن مجلس ادارت ماہنامہ ''المنبر'' جناب حکیم منصور العزیز سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا:

''مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کے مریضوں میں اہلِ حدیث، بریلوی، دیوبندی اور شیعہ علماء تھے۔ آپ ان سب کا بلا معاوضہ علاج کرتے تھے۔ اُمت کے اجتماعی مسئلے میں کوئی معاملہ ہوتا تو سب حکیم صاحب کے ہاں اکٹھے ہو جاتے تھے، خود حکیم صاحب بھی دوسروں کے ہاں چلے جایا کرتے تھے۔''

جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ، الحمدللہ اسی وحدت کے لئے کوشاں ہے۔ مولانا عبدالرحیم اشرف علیہ الرحمہ زندگی بھر اس کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو وسعت دیں اور ان پر رحمتیں نازل فرمائیں۔ آمین۔

Marfat.com

سچّے اور کھرے انسان

رانا بشیر احمد ☆

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ ایک ہمہ جہت شخصیت کے حامل سچے اور کھرے انسان، بلند پایہ دانش وَر، عظیم مصلح، ملک وقوم کا درد رکھنے والے حسّاس اور محبِّ وطن شہری، دکھی انسانیت کی بے لوث خدمت کرنے والے حکیم، اپنی پُر مغز اور مدبّرانہ تحریروں کے ذریعے دینِ حق اور صراطِ مستقیم کا درس دینے والے صحافی، اور سب سے بڑھ کر یاروں کے یار اور دوستوں کے دوست تھے۔ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ جس محفل یا مجلس میں بھی تشریف فرما ہوتے، اپنی سلجھی ہوئی اور دل کی گہرائیوں میں اُتر جانے والی گفتگو کے باعث سب کی نگاہوں کا مرکز بن جاتے تھے۔ وہ اپنے دوستوں اور حلقۂ احباب میں انتہائی عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اپنے سے چھوٹوں اور بچوں کے ساتھ انتہائی شفقت آمیز رویّہ رکھتے تھے۔

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ نے انتہائی خاکسارانہ انداز میں اپنی زندگی بسر کی۔ عام لوگوں سے بھی مخلصانہ میل جول ہمیشہ ان کا طُرۂ امتیاز رہا۔ جو کوئی بھی ان سے ملاقات کرتا اس کے ساتھ اتنی خندہ پیشانی سے پیش آتے کہ وہ اپنے دل میں ان کے لئے خصوصی قرب و پیار اور محبت محسوس کرتا۔ جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم، مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کی صلاحیتوں اور خوبیوں کے باعث ان کا بہت احترام کرتے تھے اور ان سے بعض معاملات میں مشاورت بھی کرتے تھے، مگر ان تمام تر عظمتوں اور رفعتوں کے

☆ ریٹائرڈ ڈپٹی ڈائریکٹر، محکمہ تعلقات عامہ فیصل آباد۔

Marfat.com

باوجود حکیم صاحبؒ کے دل میں کبھی غرور کا شائبہ تک بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ انہوں نے اپنے شب وروز اسی طرح درویشانہ انداز میں بسر کئے۔ وہ لگی لپٹی باتیں کرنے کے قائل نہیں تھے اور ہمیشہ سچی، کھری اور حق بات دوسروں کے منہ پر کہہ دیا کرتے تھے۔ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ نے زندگی بھر محنت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اپنے ہاتھ کی محنت اور حق حلال کی کمائی کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔

مجھے مولانا صاحب سے بیسیوں بار ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ مجھے وہ بالکل اپنے بچوں کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ میں جب کبھی بھی ان سے ملاقات کرنے کے لئے جاتا وہ بڑی شفقت اور محبت کے ساتھ مجھے گلے سے لگا لیتے اور کبھی بھی چائے یا شربت پلائے بغیر واپس نہیں آنے دیتے تھے۔

ان کی باتوں میں بڑی حلاوت اور چاشنی ہوتی تھی۔ وہ قوم کی ذہنی واخلاقی پستی پر اظہارِ افسوس کر کے کہا کرتے تھے کہ ہماری قوم اپنی سماجی، اخلاقی اور مذہبی اقدار سے دُور ہوتی جا رہی ہے۔ صبر وتحمل، قوتِ برداشت اور ضبط نامی شے عنقا ہو چکی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ! اس قوم کے لوگوں کو صحیح اور سیدھا راستہ دکھا دے اور ان کے دلوں میں دینِ اسلام اور ملک وقوم کی حقیقی معنوں میں خدمت کرنے کا جذبہ پیدا فرما دے۔ مولانا عبدالرحیم اشرفؒ بے شمار خوبیوں کے حامل انسان تھے۔ آج وہ ہم میں نہیں لیکن ان کا نام رہتی دنیا تک زندہ رہے گا۔ ربِ ذوالجلال ان کو جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین مقام میں جگہ دیں۔ (آمین)

Marfat.com

مشعلِ راہ

عبد المجید خان ☆

فلاح و بہبود کے میرے طبعی میلان کی تکمیل خدائے بزرگ و برتر نے یوں کی کہ مجھے تعلیمی فراغت کے فوراً بعد محکمہ سماجی بہبود پنجاب میں اپنی خدمات بطور سوشل ویلفیئر آفیسر، بھوانہ ضلع جھنگ میں سرانجام دینے کا موقع دیا۔ فرائضِ منصبی کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ مجھے فیصل آباد ٹرانسفر کر دیا گیا۔ یہاں مجھے جناب اے۔ یو سلیم، جو اس وقت میونسپل کارپوریشن فیصل آباد کے ایڈمنسٹریٹر تھے، کی سربراہی میں زکوٰۃ و عشر کمیٹیوں کے انتخابات کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ جناب حبیب الرحمٰن انجم، سٹی مجسٹریٹ، فیصل آباد کی زیرِ نگرانی بہاریوں کی آبادکاری کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔ انہی دنوں جناب عبدالمجید شیخ ایڈووکیٹ جو زکوٰۃ و عشر کمیٹیوں کے انتخابات کے سلسلے میں ہماری ٹیم کے ممبر تھے، کے توسط سے میری ملاقات جناب مولانا عبدالرحیم اشرفؒ سے ہوئی، جنہوں نے ہر طرح سے فلاح و بہبود کے سلسلہ میں میری راہنمائی ہی نہیں کی، بلکہ بہاریوں کے علاج معالجہ اور ان کی آبادکاری کے سلسلہ میں دوسرے مخیّر حضرات کے ساتھ ساتھ ہر طرح سے میری مدد کی، جس کا تذکرہ الفاظ میں کرنا مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہے۔

ان کے فکر و عمل کا محور و مرکز اسلام اور دنیائے اسلام کی خدمت کا جذبہ تھا اور اس کے لئے وہ کسی سمجھوتے کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ نہ کسی کے آگے جھکتے، نہ کسی چھوٹی بڑی جانی و مالی قربانی سے دریغ کرتے۔ ان کی زندگی بے لوث اور خدمتِ قومی سے عبارت

☆ ریسرچ آفیسر ریڈیو پاکستان، فیصل آباد

Marfat.com

تھی۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اسلام دراصل انسان کی عظمت و برتری کا قائل ہے اور تمام انسانوں کے حقوق برابر ہیں۔ مساوات، اسلامی معاشرے کا روشن پہلو اور نمایاں وصف ہے۔ ان کی شخصیت کا یہ نمایاں پہلو ہی مجھے ان کے قریب سے قریب تر لے آیا۔ اگرچہ مجھے بعض حالات کی بنا پر محکمہ سماجی بہبود کی ملازمت کو خیرباد کہنا پڑا، مگر ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا اور ان کی شفقت اور نوازشات ہمیشہ ان کی زندگی کے آخری لمحات تک میرے لئے ہر شعبۂ فکر میں ممد و معاون ہی نہیں، بلکہ ہر مقام پر میری راہنمائی بھی کرتی رہیں۔

مولانا عبدالرحیم اشرفؒ کی شخصیت میں ایک سچے محبّ وطن کی تمام خصوصیات موجود تھیں۔ حق و صداقت کا اظہار ان کی شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو تھا۔ عوام الناس کی فلاح اور ترقی کے لئے انہوں نے اپنی ساری زندگی وقف کردی۔ ان کی حیاتِ مستعار اس جدوجہد سے عبارت ہے جو مختلف شعبہ ہائے زندگی پر محیط ہے۔ ان میں ملّی، قومی، تبلیغی، طبّی، سماجی اور دینی شعبے سرفہرست ہیں۔ ان میدانوں میں ان کی خدمات روزِ روشن کی طرح عیاں ہی نہیں بلکہ نئی نسل کے لئے درس کی حیثیت رکھتی ہیں۔

مولانا مرحوم اپنے عہد میں ایک انجمن ہی نہیں بلکہ چلتا پھرتا ادارہ تھے، جو آئندہ نسلوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

Marfat.com

منظوم عقیدتیں

Marfat.com

Marfat.com

تیری تھی ہر آن سنت پر نظر

حافظ لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ☆

لطف و رحمت کی نظر ہو اے کریم
تیری ذات میں نہیں کوئی سہیم
زاہدانہ کی بسر تو نے حیات
تجھ کو کی حق نے عطا طبعِ سلیم
گلشنِ طیبہ کی ہو اس میں بہار
قبر میں تیری چلے بادِ نسیم
حق تعالیٰ کا کرم جن پر ہوا
تو ہو ان بندوں کا محشر میں ندیم
اسم سے تیرے کرم کی ہے امید
تجھ کو کہتے ہیں سبھی عبدالرحیم
ہو کشادہ حشر تک تیری لحد
تجھ پہ خالق کا رہے لطفِ عمیم
تیری تھی ہر آن سنت پر نظر
حق نے بخشا تھا تجھے ذوقِ حلیم
نام کی نسبت بنے وجہِ نجات
تیرا ہی تھا نام دنیا میں حکیم
جنت الفردوس ہو تیرا مقام
ہے یہ حافظؔ کی دعا ربِ کریم

16-07-1998

☆ ملک کے انتہائی قابلِ احترام اور معروف ونامور نعت گو شاعر۔ آپ 16/اکتوبر 1999ء کو رحلت فرما گئے

Marfat.com

مؤرخ آبِ زر سے کارنامے ان کے لکھے گا

ارشد فارانی☆

وہ شخصیت کہ جن کا نام ہے عبدالرحیم اشرفؒ
جنہیں احباب کہتے تھے بصد توقیر مولانا
مؤرخ آبِ زر سے کارنامے ان کے لکھے گا
کہ تھے اس عہد میں اسلاف کی تصویر مولانا
خلوص و مہر و حلم و راستی ان کے محاسن تھے
کتابِ خُلق کی تھے معتبر تفسیر مولانا
محبت دین سے تھی اور فدائے ملک وملت تھے
بنانا چاہتے تھے قوم کی تقدیر مولانا
درندے مختلف امراض کے تھے درپئے انساں
سروں پر اُن کے تھے چلتی ہوئی شمشیر مولانا
ادارے علمِ دین و فنِ طب کے کر گئے جاری
خدا کے فضل سے لے آئے جوئے شیر مولانا
خزانے علم دین و فن طب کے گوہروں کے ہیں
مضامیں جس قدر بھی کر گئے تحریر مولانا
سبھی شاہد ہیں ارشدؔ ان کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں
کہ جب کرتے تھے جس موضوع پر تقریر مولانا
سلام حق بنامِ حضرتِ عبدالرحیم اشرفؒ
بنے جنت مقامِ حضرتِ عبدالرحیم اشرفؒ

☆ ممتاز شاعر۔ نامور طبیب۔ سابق رکن قومی طبی کونسل۔ سابق پرنسپل طبیہ کالج انجمن حمایت اسلام، لاہور۔

Marfat.com

اس کے قلم سے لرزاں باطل کے سارے رنگ

پروفیسر عبدالجبار شاکرؒ ☆

اک مردِ خوش خِصال تھا عبدالرحیم اشرف — اک طبیبِ باکمال تھا عبدالرحیم اشرف
وعظ و نصائح اس کے دلوں پر اثر کریں — وہ طوطیِٔ شکر مقال تھا عبدالرحیم اشرف
سنت کے آئینے میں سراپا ڈھلا ہوا — اک پیکرِ جمال تھا عبدالرحیم اشرف
ملت کے درد کا درماں کہیں جسے — تریاقِ ہر زوال تھا عبدالرحیم اشرف
اس کے قلم سے لرزاں باطل کے سارے رنگ — اسلوب کا جلال تھا عبدالرحیم اشرف
ملت کی نذر تھی اس کی متاعِ زیست — ہمارے لئے مثال تھا عبدالرحیم اشرف
اپنے عہد کے سارے مسائل سے باخبر — وہ سرمایۂ خیال تھا عبدالرحیم اشرف
تشکیک کو دیئے ہیں تُونے جواب کامل — میں تو فقط سوال تھا عبدالرحیم اشرف

رخصت ہوا جہاں سے شاکر وہ درد مند
مجھ کو بہت ملال تھا عبدالرحیم اشرف

جناب پروفیسر عبدالجبار رحمہ اللہ تعالیٰ کی متذکرہ بالا نظم کے مفاہیم کو
جناب حکیم محمد رمضان اطہر مرحوم ☆☆ نے کچھ اس پیرایے میں بیان کیا ہے:

اک مردِ خوش خصال کہ عبدالرحیم تھا — اک طیب الخیال کہ عبدالرحیم تھا

☆ ممتاز دینی سکالر، نام ور ماہر اقبالیات، عظیم مفکر اور دانش ور، ڈائریکٹر پبلک لائبریریز پنجاب، ڈائریکٹر بیت الحکمت لاہور، ڈائریکٹر جنرل دعوۃ و شریعۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اور خطیب فیصل مسجد، اسلام آباد کے مناصب پر فائز رہے۔ 13 اکتوبر 2009ء کو دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔

☆☆ ممتاز شاعر، طبیب، سابق انچارج پروڈکشن اشرف لیبارٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔ 12 مارچ 2016ء کو ملاء اعلیٰ کی طرف لوٹ گئے۔

Marfat.com

اک ایسا خوش بیاں جسے سحر البیان کہیں　طوطیِ خوش مقال کہ عبدالرحیم تھا
سنّت کے آئینے میں سراپا ڈھلا ہوا　اک پیکرِ جمال کہ عبدالرحیم تھا
باطل کا رنگ زرد تھا فکرِ سعید سے　اظہار کا جلال کہ عبدالرحیم تھا
اس کی متاعِ زندگی ملت کی نذر تھی　کردار بے مثال کہ عبدالرحیم تھا
تھا عہدِ نو کے سارے مسائل سے باخبر　سرمایۂ خیال کہ عبدالرحیم تھا
ایک معتبر جواب تھا ہر اک سوال کا　اک معتبر سوال کہ عبدالرحیم تھا
گفتار پُر وقار کہ فردوس گوش تھی　اک انگبیں مقال کہ عبدالرحیم تھا
بیدار مغز، حسن تدبر لئے ہوئے　متحرک و فعال کہ عبدالرحیم تھا

رخصت ہوا جہاں سے اطہرؔ وہ درد مند
اک مردِ باکمال کہ عبدالرحیم تھا

Marfat.com

تھا قلزمِ الفت و محبت حکیم عبدالرحیم اشرف

حکیم محمد رمضان اطہرؒ ☆

ضیائے صبحِ جمالِ حکمت حکیم عبدالرحیم اشرف
تھا نام ان کا دلیلِ عظمت حکیم عبدالرحیم اشرف
بلند کردار، نیک سیرت، حکیم عبدالرحیم اشرف
تھا قلزمِ الفت و محبت حکیم عبدالرحیم اشرف
حِصارِ طب و طبیب تھا وہ، بلند پایہ خطیب تھا وہ
رہا ہمیشہ ہی وقفِ خدمت حکیم عبدالرحیم اشرف
تھا ایک بالغ نظر محقق، تھا اک مجوّز، تھا اک مشخّص
شفا مرض کی، وقارِ حکمت حکیم عبدالرحیم اشرف
شگفتہ رُو تھا وہ، نرم خُو تھا وہ، علم و دانش کی آبرو تھا
تھا بردبار و سلیم فطرت حکیم عبدالرحیم اشرف
وہ اک مفکّر تھا، اک مدبّر تھا، اک مصنّف تھا، ایک مقرر
وقارِ طب و ادب صحافت حکیم عبدالرحیم اشرف
تھا داعیٔ اتحادِ باہم وہ، علم و حِلم و عمل کا پیکر
نوائے درد و ادائے شفقت حکیم عبدالرحیم اشرف
اگر ہمالۂ طب تھے اجملؒ، تھے حسنؔ اطہر قراقرمِ طب
تو علمِ طب کا تھا نانگا پربت حکیم عبدالرحیم اشرف

☆ ممتاز شاعر، طبیب، سابق انچارج پروڈکشن اشرف لیبارٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔ 12 مارچ 2016ء کو ملأ اعلیٰ کی طرف لوٹ گئے۔

Marfat.com

اک ہمہ رنگ نقشِ تابندہ

حکیم محمد رمضان اطہرؒ

وہ کہ محبوب ہر نظر کا تھا
فخر لا ریب شہر بھر کا تھا

اک ہمہ رنگ نقش تابندہ
یہ بھی اعزاز اس بشر کا تھا

اک مسیحا نفس کہیں جس کو
رہنے والا اسی نگر کا تھا

خون روئی ہے آنکھ جس کے لئے
تذکرہ مردِ معتبر کا تھا

جب جہاں سے اٹھا ہر اک دامن
خون آلود چشمِ تر کا تھا

وہ جدا ہو گیا ہے، ہم میں سے
منتظر کون اس خبر کا تھا

اس کے جانے سے یوں لگا جیسے
فرد بستی کے ہر وہ گھر کا تھا

اک اجالا وجود تھا اس کا
ایک پیغام وہ سحر کا تھا

اک خدا کا تھا ماننے والا
وہ تو بندہ اسی کے دَر کا تھا

ایک انساں جسے کہیں انساں
یہ حوالہ ہی اُس بشر کا تھا

وہ جو عیسیٰ خصال بن کے جیئے
اختتام ان کے بھی سفر کا تھا

عمر جس کے تلے کٹی اطہرؔ
خنک سایہ اُسی شجر کا تھا

Marfat.com

قطعہ

ہر شخص سوگوار ہے خونابہ بار ہے
چشمِ رواں پہ آج کہاں اختیار ہے
اک عہدِ خوش گوار نے پہلو بدل لیا
تاریخ بے قرار ہے، سینہ فگار ہے

حکیم محمد رمضان اطہرؒ

Marfat.com

بسوزِ دل بچشمِ تر مگر لکھنا پڑا آخر

حکیم محمد رمضان اطہرؒ

جلیل القدر انسان تھا
بلاشبہ زمانے میں
بڑا فاضل محقق تھا
سکالر تھا
شعور و آگہی، فہم و فراست اُس کی باندی تھی
ہزاروں تشنگانِ علم و فن سیراب ہوتے تھے
یہ دانش گاہ، یہ طبّی، یہ تعلیمی ادارے سب
اسی بوڑھے بزرگ انسان کی کاوش کا ثمرہ ہیں
زبان سے لفظ جو نکلا
ہمیشہ معتبر نکلا
بہت ہی معتبر مانا گیا ہے اُس کا فرمایا
شعور و آگہی، فہم و فراست کا یہی مالک
یہی عبدالرحیم اشرف
جنہیں مرحوم لکھنے پر لرزتا ہے قلم میرا
بسوزِ دل، بچشمِ تر مگر لکھنا پڑا آخر
حقیقت سے مفر ممکن نہیں، اس دارِ فانی سے
چلا ہے سوئے فردوسِ بریں عبدالرحیم اشرف
اٹھائیس جون کی شب ہے۔

Marfat.com

حکیمِ ملتِ بیضا کہیں تو بات بنے

ریاض احمد قادری☆

جہانِ فکر میں وہ گلستاں سعادت کا
چمن اسیر ہے اس اک گلِ محبت کا

خراج حکمتِ دوران کو پیش کرنا ہے
سنا رہا ہوں اسے زمزمہ عقیدت کا

رواں ہے مشرق و مغرب میں اس کا یوں سکّہ
جہان معترف ٹھہرا ہے اس کی حکمت کا

وہ علمِ دین ہو دنیا ہو یا کہ حکمت ہو
تلاش اس نے کیا ہر گہر حقیقت کا

حکیمِ مرضِ محبت یہاں وہ ٹھہرا تھا
خدا نے تحفہ دیا تھا اسے بصیرت کا

اسے حیات میں بھی مل گئی پذیرائی
جہان شاہدِ صادق ہے اوجِ قسمت کا

وہ علم وحکمت و دینِ مبین کا پیرو
وہ پاسدار تھا اس دہر میں روایت کا

دل ودماغ اور روح و بدن درست کیے
وہ پاس رکھتا تھا پیغام اک مسرت کا

وہ دینِ حق کا مجاہد محاذِ وعظ پہ تھا
تمام عمر رہا سلسلہ خطابت کا

علومِ ظاہر و باطن خدا نے بخشے تھے
اسے تو فیض ملا تھا سبھی، شریعت کا

رحیم کا تھا وہی عبد اس لئے یارو
وہ ایک مکتبہ ٹھہرا تھا مہر و الفت کا

رہا وہ درس محبت ہی کا سدا محور
اسی کے دم سے رواں کارواں ہدایت کا

وہ نابغہ تھا بہت منفرد، یگانہ تھا
ملے گا کیسے نمونہ اب اس کی عظمت کا

نئی صدی بھی سپاسِ خراج پیش کرے
رہے گا سلسلہ اس کی مدام رفعت کا

رہا وہ اشرف و افضل ہی ساری دنیا میں
ملا تھا فیض اسے سلف کی شرافت کا

عطا کیے ہیں خدا نے اسے وہ چشم و چراغ
ادا کریں گے جو حق دائمی نجابت کا

حکیمِ ملتِ بیضا کہیں تو بات بنے
ریاض ناز تھا بے شک وہ ساری ملت کا

☆ لیکچرار شعبہ انگریزی، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج سمن آباد، فیصل آباد۔ ممتاز شاعر، ادیب اور مصنف

Marfat.com

تھا طب کا قافلہ سالار

حکیم حیدر عباسؒ ☆

تھا طب کا قافلہ سالار حکیم عبدالرحیم اشرف
ثباتِ عزم کا کہسار حکیم عبدالرحیم اشرف
بنائے قصر، بنیادوں پہ محکم، دین و ملت کی
قادیانیت شکن للکار حکیم عبدالرحیم اشرف
بڑھا دی عزت وعظمت بہت جس نے طبابت کی
پرعزم و بینا و بیدار حکیم عبدالرحیم اشرف
فنِ طب اور اطبا کی بہت بے لوث خدمت کی
سبھی کا محرمِ اسرار حکیم عبدالرحیم اشرف
نکالیں جس نے راہیں بڑی علم و ثقافت کی
ہمہ طہارتِ افکار حکیم عبدالرحیم اشرف
بڑھا دی شان و شوکت جس نے چاروں سو صحافت کی
وہ نازِ فن، وہ قلم کار حکیم عبدالرحیم اشرف
ضرورت آج بھی ہے فن کو ایسے مرد میداں کی
خود اپنے وزن کا معیار حکیم عبدالرحیم اشرف
اے حیدؔر جس نے شمعِ علم وفن ہر سمت روشن کی
وہ اشرف تھے، وہ اشرف ہیں حکیم عبدالرحیم اشرف

جناب حکیم حیدر عباسؒ کی اس نظم کے مفاہیم ومعانی کو جناب حکیم محمد رمضان اطہرؒ نے اپنے انداز میں کچھ اس طرح شعری قالب میں ڈھالا ہے۔

☆ سابق رکن قومی طبی کونسل۔ ممتاز نیوز کاسٹر و براڈ کاسٹر 21 دسمبر 2016 کو راہئ ملک عدم ہو گئے۔

Marfat.com

غلامِ سیدِ ابرار تھا عبدالرحیم اشرفؒ
حسیں کردار کا معیار تھا عبدالرحیم اشرفؒ
ثباتِ کوہ سا ، اپنے وہ دل میں عزم رکھتا تھا
اطباء کا وہ خدمت گار تھا عبدالرحیم اشرف
قصورِ[1] دین و ملت کی وہ زینت تھا ، وہ رونق تھا
کہ دیں کا محرمِ اسرار تھا عبدالرحیم اشرف
چراغِ راہ تھا بے شک پتہ دیتا تھا منزل کا
وہ گویا رہنما کردار تھا عبدالرحیم اشرفؒ
بڑھائی حرمت و عظمت طبابت کی ، صحافت کی
عجب اک دیدۂ بیدار تھا عبدالرحیم اشرفؒ
ضرورت آج بھی ہے طب کو ایسے مَرد میداں کی
کہ طب کا قافلہ سالار تھا عبدالرحیم اشرفؒ
رہا مرزائیت کے فتنے سے بے زار جیتے جی
کہ ایسا صاحبِ کردار تھا عبدالرحیم اشرفؒ
وہ ختم المرسلینؐ کے نظریئے پر جان دیتا تھا
کہ گویا برقِ شعلہ بار تھا عبدالرحیم اشرفؒ
اے اطہر جس نے شمعِ علم وفن ہر سمت روشن کی
وہی تو پیکرِ ضوبار تھا عبدالرحیم اشرفؒ

1 قصور (قصر کی جمع) محلات

Marfat.com

گوہرِ نایاب

نذیر پارس ☆

مردِ دانا ، مردِ حق ، عالی نظر، عالی دماغ
صورتِ خورشید روشن تیری شہرت کا چراغ

ظلمتِ باطل نہ یارب جال پھیلائے کہیں
آنچ نہ اس گلشنِ اسلام پہ آئے کہیں

خوش ہوا ابلیس ہے گُل ہوگیا سچ کا دیا
سربلند اک پرچمِ حق رکھنے والا چل بسا

پورا ہوگا کیسے یا رب زندگی کا یہ خلا
اک گراں انمول ہیرا ، قوم کا گم ہوگیا

مرد مومن مردِ حق کیا واللہ تیری بات تھی
جرأتوں کی شمعِ روشن ، ایک تیری ذات تھی

خندہ زن ہیں ظلمتیں ، قندیلِ ایمان بجھ گئی
ماند پڑنے پائے نہ سچائیوں کی روشنی

با خدا تابندہ ہر اک آپ کی تحریر ہے
اور ہر ایک لفظ کی تفسیر پُر تاثیر ہے

شک نہیں نام آپ کا زندہ رہے گا دہر میں
تذکرے گونجیں گے واللہ، ہر نگر ہر شہر میں

قادرِ مطلق کو ہی شائد یہی منظور تھا
"گوہرِ نایاب" نے یوں ہونا ہم سے دُور تھا

یا الٰہی آپ نے روشن کیے ہیں جو دیے
تا ابد اِن کی نہ ہرگز روشنی مدھم پڑے

ہے دعا پارس کی یہ اے "مولنا عبدالرحیم"
جنت الفردوس بخشے آپ کو ربِّ کریم

☆ سابق ایڈیٹر، ماہنامہ "سوغات" راولپنڈی

Marfat.com

گلشنِ اسلام کا شاداں، شگفتہ پھول تھا

نذیر رائے کوٹیؔ ☆

فاتحہ پڑھیے کہ فخرِ طبِ اسلامی گیا
مخزنِ حکمت کا جو تھا بے بہا موتی گیا
خود تو راہی جنت الفردوس کا وہ ہو گیا
اس کا ہر اک ساتھی لیکن شہرِ غم میں کھو گیا
شک نہیں ، وہ تھا چمن زارِ محمدؐ کی صبا
گلشنِ اسلام کا شاداں شگفتہ پھول تھا
اسوۂ حسنہ کا پیرو ، حق کا دلدادہ رہا
خوئے تسلیم و رضا کا والہ و شیدا رہا
مہرِ تاباں ملتِ اسلام کا کہیے اسے
جس نے دینِ مصطفیٰؐ کے سب اجالے راستے
دشمنِ امراض ، بیماروں کا وہ غم خوار تھا
وہ معالج چارہ ساز و مونسِ بیمار تھا
وصف ہو کیسے بیاں مرحوم کا ، ممکن نہیں
خامۂ شاعر ہے عاجز ساتھ ہی قلبِ حزیں
زاہد اشرف اپنے ابا کی طرح ہو کامراں
دہر میں زندہ رہے تو بن کے والد کا نشاں
ہے نذیرِ غم زدہ کی جان و دل سے یہ دعا
خُلد میں مرحوم کو ہو بہترین درجہ عطا

☆ ممتاز طبیب اور شاعر۔ کمالیہ

Marfat.com

کر سکا نہ زیر کوئی وقت کا جابر اُسے

حکیم قاری سردار محمد☆

شہر میں لاریب تھا وہ ضوفزا عبدالرحیمؒ
ظلمتوں میں نور کا اک سلسلہ عبدالرحیمؒ

غم گساری ، دل گدازی ، دل کُشا حسنِ سلوک
اور زہد و اِتقا میں تھا بڑا عبدالرحیمؒ

علم و حکمت کے چمن میں رنگ پھیلاتا رہا
گلستاں میں پھول تھا اِک دل کشا عبدالرحیمؒ

قوم کے ہر گھاؤ پہ رکھتا رہا مرہم سدا
بے بسی کے دَرد کا دَرماں رہا عبدالرحیمؒ

بغض و کینہ ، نفرت و الحاد کے اس دور میں
بالیقیں تھا پیکرِ مہرِ و وفا عبدالرحیمؒ

کر سکا نہ زیر کوئی وقت کا جابر اُسے
ہر جفاجو کے لئے فولاد تھا عبدالرحیمؒ

مرکز انوار دین ہے جامعہ اسلامیہ
نقش تابندہ ترے کردار کا عبدالرحیمؒ

ترے فرزندوں کی سیرت میں ترا عکسِ جمیل
ہر قدم ہر آن ہے دیکھا گیا عبدالرحیمؒ

تیرے ٹھنڈے سائے میں قاری سکوں پاتا رہا
تھا گھنا اک پیڑ قدرت کی عطا عبدالرحیمؒ

☆ سابق معاون دواساز مطب اشرف فیصل آباد

Marfat.com

مولانا عبدالرحیم اشرف رحمہ اللہ

تصاویر کے آئینے میں

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ، اغلباً جماعت اسلامی کے کسی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے،
سٹیج پر حکیم عبدالمجید نابینا مرحوم بھی تشریف فرما ہیں

Marfat.com

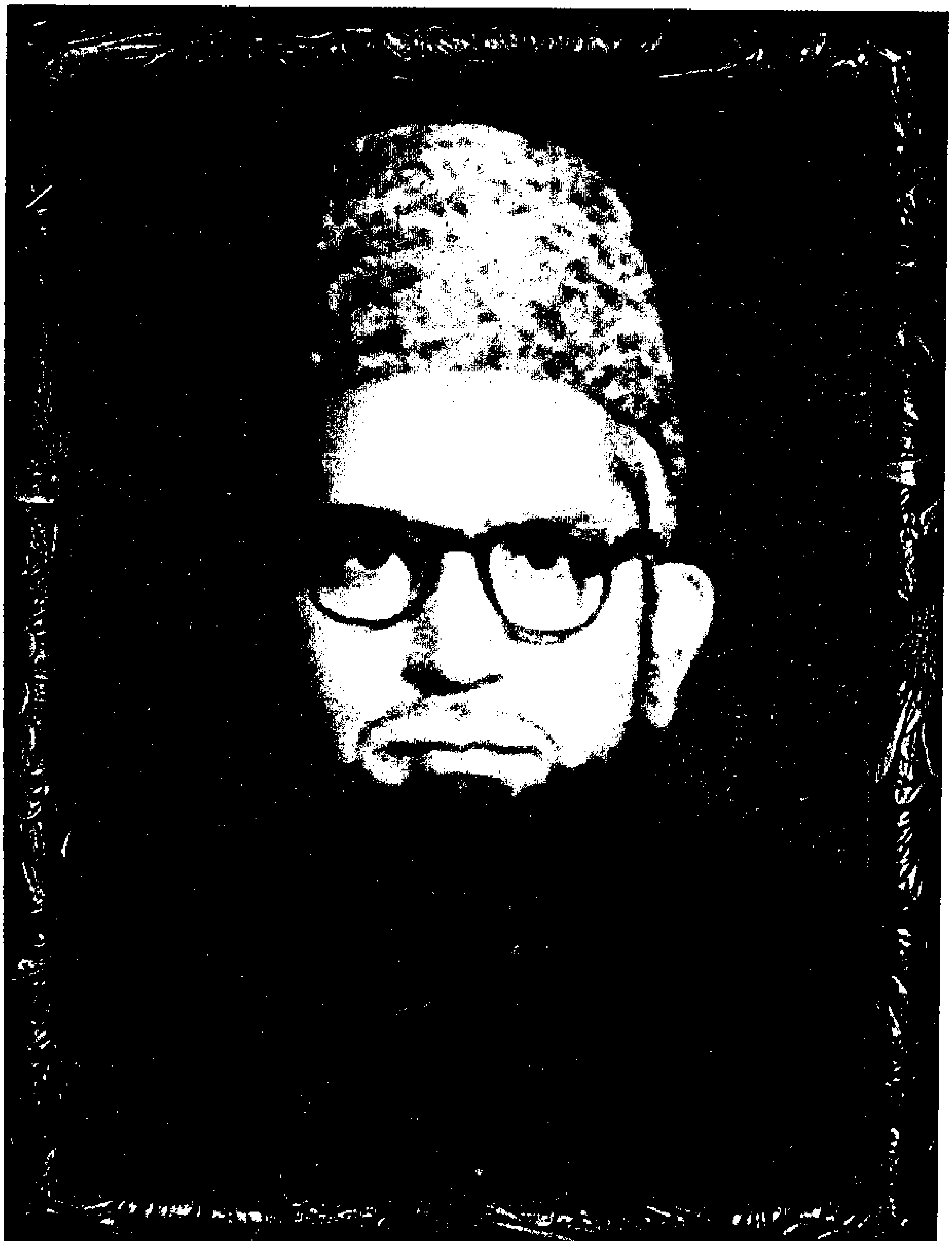

Marfat.com

یکم جنوری 1981 کو نیشنل بنک جناح کالونی، فیصل آباد برانچ میں
غیر سعودی بنکاری کی افتتاحی تقریر سے خطاب کرتے ہوئے

Marfat.com

جامعہ تعلیمات اسلامیہ سرگودھا روڈ، فیصل آباد، پرانی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھنے کی تقریب کے موقع پر

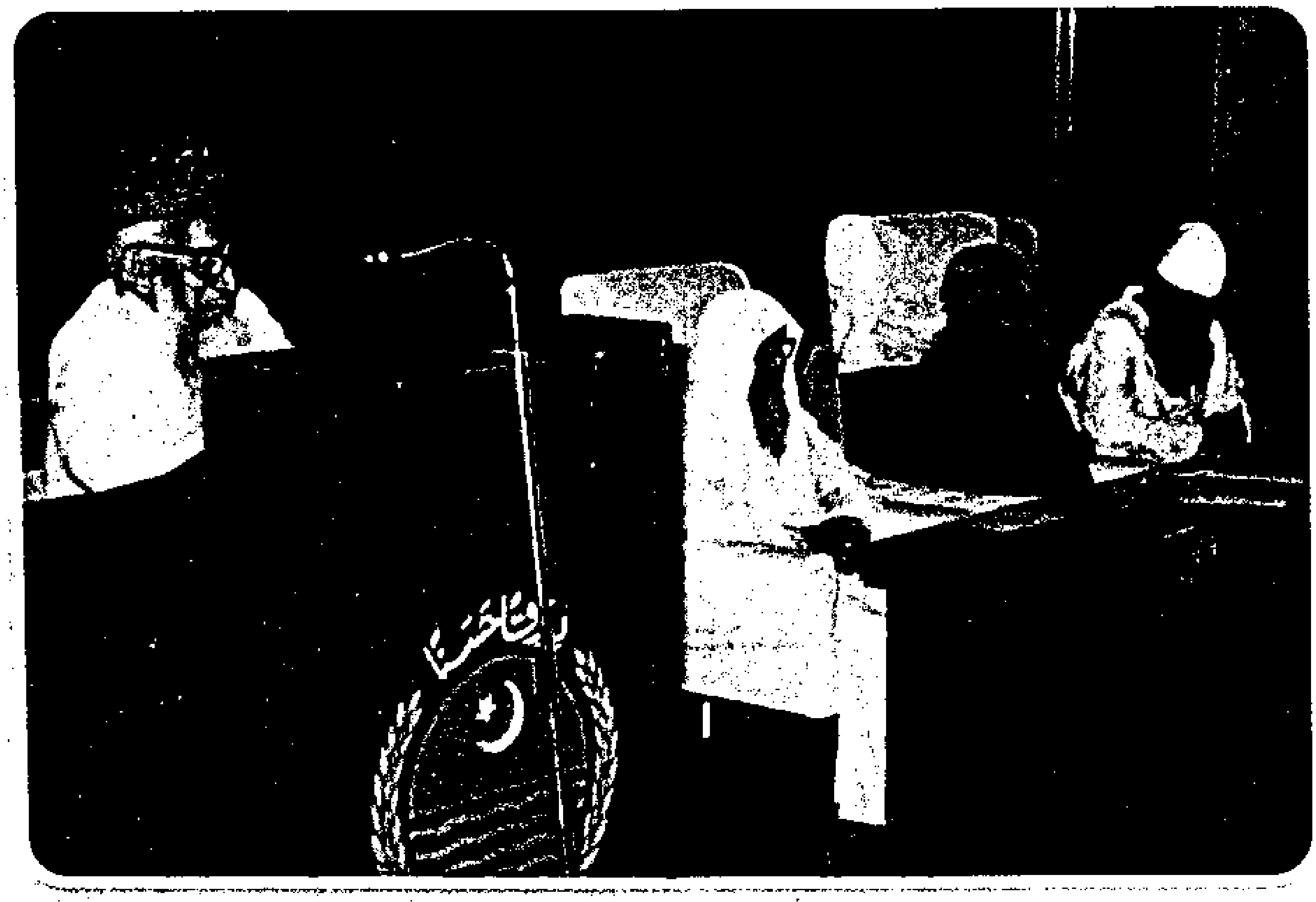

سینیٹ ہال زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں معہد القضاء (قاضی انسٹیٹیوٹ) کی تقریب افتتاح میں خطاب کرتے ہوئے
سٹیج پر گورنر پنجاب غلام جیلانی خانؒ، مولانا مفتی زین العابدینؒ، اور ڈاکٹر ف عبدالرحیم تشریف فرما ہیں

Marfat.com

جنرل محمد ضیاء الحق شہید کے عہد میں منعقد ہونے والے ریفرنڈم کے سلسلے میں ایک مشاورتی اجلاس میں
حاجی بشیر احمد (انصاف والے) اور مولانا مفتی زین العابدینؒ کے ہمراہ

ایک تقریب میں حکیم سلطان احمد داؤدیؒ، ڈاکٹر محمد شعیب اختر،
حکیم برکت علیؒ اور حکیم مفتی صادق انیسؒ کے ہمراہ

Marfat.com

پندرہ روزہ ''خبر نامہ طب'' لاہور کی تقریب افتتاح میں سپاسنامہ پیش کرتے ہوئے
ان کی دائیں طرف تب کے وفاقی وزیر تعلیم محمد علی خاں ہوتی ؒ اور شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی ؒ رونق افروز ہیں
بائیں جانب آخر میں مولانا کوثر نیازی ؒ بھی تشریف فرما ہیں

حکیم محمد سعید شہید کے ہمراہ، سرینا ہوٹل فیصل آباد میں

Marfat.com

ہفت روزہ ''زندگی'' لاہور کے لئے دیا گیا زندگی کا آخری انٹرویو

یہ انٹرویو بیورو چیف فیصل آباد جناب مجاہد منصوری نے لیا تھا

Marfat.com

مولانا حکیم عبدالرحیم اشرفؒ کی آئیڈیل شخصیت مستری محمد صدیق علیہ الرحمہ کی سلطان پور لودھی اور جالندھر کے درمیان واقع آدھی منزل کی تصاویر

Marfat.com